حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ملفوظات حکیم الامت

جلد ۲۴

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئینِ کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالبِ دُعا سعید خان

ایڈمن پاکستان ورچوئل لائبریری



بسلسلہ جلد ۲۴

ملفوظاتِ حکیم الامت

یعنی

مجالس حکیم الامت

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

کی مجالس اور اسفار، نشست و برخاست میں بیان فرمودۂ انبیاء کرام، اولیاء عظام کے تذکروں، عاشقان الٰہی ذوالاحترام کی حکایات و روایات، دین برحق مذہب اسلام کے احکام و مسائل جن کا ہر فقرہ حقائق و معانی کے عطر سے معطر، ہر لفظ صبغۃ اللہ سے رنگا ہوا، ہر کلمہ شراب عشق حقیقی میں ڈوبا ہوا، ہر جملہ اصلاح نفس و اخلاق، نکات تصوف اور مختلف علمی و عملی، عقلی و نقلی، معلومات و تجربات کے بیش بہا خزائن کا دفینہ ہے اور جن کا مطالعہ آپ کی پُربہار مجلس کا نقشہ آج بھی پیش کر دیتا ہے۔

جمع فرمودہ

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

اشرفیہ منزل چوک فوارہ بیرون بوہڑ گیٹ

ملتان ۔ پاکستان فون: 540513

اظہار مسرّت وتحسین

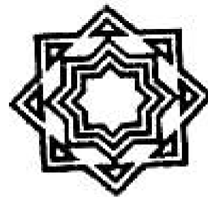
از حضرت اقدس مرشدی ومربی

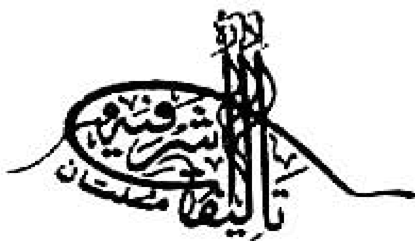
مولانا الحاج محمد شریف صاحب خلیفۂ ارشد حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مجھے دلی خوشی ہے کہ عزیز القدر حافظ محمد اسحاق صاحب مجدد اعمت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات شائع کرنے کے حریص ہیں۔ انہیں حضرت رح سے صرف محبت ہی نہیں بلکہ عشق ہے۔ حضرت کے مسلک اور مذاق کی تبلیغ کے بہت خواہشمند ہیں اور زر کثیر خرچ کر کے حضرت کی کتابیں جو نایاب ہیں چھپواتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی سعی کو قبول فرما کر ناظرین کے لئے نافعیت اور ہدایت اور اُن کے لئے سرمایۂ آخرت بنائیں۔

دعا گو — احقر محمد شریف عفی عنہ





نام کتاب مجالس حکیم الامت

اشاعت: رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

باہتمام:- محمد اسحاق عفی

سلامت اقبال پرنٹنگ پریس چوک فوارہ ملتان

فہرست مضامین

داستانِ فصلِ گل را از نظیری می شنو!
عندلیب آشفتہ تر می گوید ایں افسانہ را

مجالس حکیم الامت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی سیما علی سیدنا المصطفی ومن بھدیہ اھتدیٰ

یارب کجاست محرم رازے کہ یک زماں!
دل شرح آں دہد کہ چہ دید و چہا شنید!

اسلام کے قرنِ اوّل سے لے کر آج تک ہر زمانے میں خلق اللہ کی تعلیم و تربیت اور اصلاح اعمال و اخلاق کے لئے علماء اور اولیاء اللہ کی مجلسیں نسخہ اکسیر ثابت ہوئی ہیں۔ احقر ناکارہ کو حق تعالیٰ نے ایک ایسے ماحول میں پیدا فرمایا جہاں شروع ہی سے ان مجالس کے تذکرے سنے۔ والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے مرید خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے شاگرد اور بھی اکابر دیوبند کی خدمت سے فیض یافتہ اور ان بزرگوں کا زندہ تذکرہ تھے۔

اسی ماحول میں آنکھ کھولی حضرت گنگوہی قدس سرہ کے تذکرے سنے اور بچپن کے لاشعوری دور کی باتیں بھی یاد ہیں کہ جب گھر میں کوئی فکر و پریشانی کی بات ہوئی تو گنگوہ کو دعاء کے لئے خط لکھا جا رہا ہے۔ حضرت کے دعائیہ کلمات جواب میں آئے تو سنائے جا رہے ہیں۔ یہ بھی سنتا تھا کہ میرا نام محمد شفیع بھی حضرت ہی کا تجویز فرمایا ہوا نام ہے اور جب قرآن مجید پڑھنے کے لیے

مجھے مکتب میں بٹھایا گیا تو حضرت ؒ کو دعاء کے لئے خط لکھا گیا۔ اس وقت حضرت گنگوہی قدس سرہ کی مجالس مرجع خلائق تھیں مگر ان میں حاضری کا کوئی موقع ہی نہیں تھا میری عمر آٹھ نو سال کی ہوگی جب ۱۳۲۳ھ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کی وفات ہوگئی۔

بچپن دارالعلوم دیوبند کے ماحول میں گزرا جہاں ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر سے ''بڑے مولوی صاحب'' کا نام سنا کرتا تھا۔ قصبہ میں بھی اسی نام سے لوگ ایک مکان کا پتہ دیا کرتے تھے جو سب میں معروف و مشہور تھا۔ والد صاحب سے سنا کہ یہ بڑے مولوی صاحب ان کے استاد بھی ہیں اور بہت بڑے بزرگ ہیں۔ جب تعلیم کچھ آگے بڑھی، لکھنے پڑھنے میں لگا تو معلوم ہوا کہ یہی بڑے مولوی صاحب اس وقت دارالعلوم کے صدر مدرّس ہیں۔ حدیث پڑھاتے ہیں اور دارالعلوم کے سب مدرّسین اور منتظمین انکے شاگرد ہیں یا معتقد۔ اس وقت حضرت مولانا کے پُر تکلّف الفاظ کا کہیں رواج نہ تھا۔ بزرگوں کی عظمت و محبت جاں نثاری کی حد تک پہنچی ہوئی تھی مگر شیخ الحدیث شیخ الکل حضرت شیخ وغیرہ القاب کا زبانی جمع خرچ جو بزرگوں کی عظمت و محبت کم ہونے کے زمانے میں شروع ہوا۔ اس وقت اس کا کہیں نام نہ تھا۔ بس ساری عقیدتمندی کے صلہ میں ان کو ''بڑے مولوی صاحب'' کہا جاتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان کا اسم گرامی حضرت مولانا محمود حسن ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے کچھ عرصہ کے بعد شیخ الہند کا لقب معروف ہوگیا۔

ایک روز سنا کہ آج بڑے مولوی صاحب کے ہاں بخاری شریف کا درس شروع ہو رہا ہے۔ تبرّ کا سب علماء و طلبا اس میں شرکت کے لئے جارہے ہیں ہم بھی ساتھ لگ لئے اور بخاری شریف کا باب بدأ الوحی اور پہلی حدیث کا بیان سنا۔ اسی طرح ختم بخاری پر اجتماع ہوا تو آخری حدیث کا بیان سنا اور اب یہ چسکا لگ گیا کہ ہر سال بخاری شریف کے شروع اور ختم پر درس میں حاضری نصیب ہوتی۔ بچپن کا حافظہ تھا، آج تک بعض بعض کلمات یاد ہیں۔ حالانکہ اس وقت حدیث تو کیا کسی بھی فن کا شعور نہیں تھا۔ فارسی اردو حساب ریاضی کی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔

رفتہ رفتہ ان بڑے مولوی صاحب کی مجلس میں جو بعد عصر اپنے مکان پر ہوا کرتی تھی، کبھی

کبھی حضرت والد صاحب کے ساتھ حاضری ہونے لگی۔ اکابر علماء و صلحاء کا عجیب و غریب مجمع ہوتا تھا۔ ان کی باتیں تو کچھ پلّے نہیں پڑتی تھیں مگر اس مجلس میں بیٹھنے کا ایک شوق بلا کسی سبب کے دل میں پیدا ہو گیا۔ اور اب والد صاحب کی معیّت اور بعد عصر کی قید بھی رخصت ہو گئی جب منہ اٹھا وقت بے وقت حاضر ہو گیا۔ اکابر کی شفقت جو بچوں پر ہوا کرتی ہے مجھے بھی نصیب ہونے لگی۔ اور طالب علمی کے ابتدائی دور میں فارغ اوقات کھیل اور تفریح کے بجائے حضرت کی مجلس میں گزرنے لگے۔ رمضان المبارک میں حضرت کا یہ معمول تھا کہ تمام رات نوافل یا تراویح میں قرآن شریف سنتے تھے دو سال حق تعالیٰ نے اس میں بھی حاضری کی توفیق عطا فرمائی۔ میری عربی تعلیم کا ابتدائی دور جو ۱۳۳۰ھ میں شروع ہوا اس وقت دارالعلوم کے ناظم تعلیمات بھی حضرت ہی تھے۔ اس لئے تعلیمی معاملات میں بھی آپ سے ہی مراجعت کی نوبت آنے لگی۔ اور حضرتؒ کی شفقت و توجہ اور بڑھ گئی۔ ۱۳۳۲ھ میں میری تعلیم متوسط درجہ تک پہنچی تھی۔ ہدایہ وغیرہ کے اسباق تھے۔ پورے ملک میں ترکی کی خلافت پر اہل یورپ کی یورش کے قصے ہر وقت زبانوں پر تھے۔ اور روزانہ اخباروں کی طرف توجہ تھی۔ حضرتؒ کی مجلس کا رنگ اب کچھ بدلا ہوا نظر آنے لگا۔ بیشتر تذکرے انہی واقعات کے رہنے لگے اور اصلاح حال کی فکروں میں وقت صرف ہونے لگا۔ ملک میں سیاسی تحریکات نے زور پکڑا حضرتؒ کی توجہ دارالعلوم کی تعلیمی خدمات سے زیادہ ہندوستان کو انگریزی تسلط سے آزاد کرا کر اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے جہاد پر لگ گئی۔ اور پھر جو کچھ ہوا اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ مگر ان تمام حالات میں بھی دارالعلوم میں درس بخاری شریف کا سلسلہ برابر ۱۳۳۳ھ تک جاری رہا۔ ۱۳۳۳ھ میں میں نے کوشش کر کے مشکوٰۃ و جلالین وغیرہ کے اسباق پورے کر لئے جن کے بعد دورۂ حدیث کا نمبر آتا ہے تمنا یہ تھی اگلے سال حضرت شیخ کی خدمت میں صحیح بخاری پڑھنے کا موقع مل جائے گا۔ مگر اسی سال رمضان سے یہ خبر سنی جانے لگی کہ حضرت کا ارادہ سفرِ حج کا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی تیاریاں سامنے آ گئیں کوئی کہتا تھا کہ ہجرت کر کے جا رہے ہیں کسی کا خیال تھا کہ ترکی حکومت کی امداد کے لئے سفر ہے۔ ہم بڑی

حسرت کے ساتھ یہ مناظر دیکھتے رہے۔ بالآخر حضرتؒ حج کے لئے روانہ ہوئے اور عالمگیر جنگِ عظیم چھڑ گئی۔ ۱۳۳۴ھ پورا حضرتؒ کا حجاز میں صرف ہوا۔ احقر نے اس سال اپنا دورۂ حدیث اس امید پر ملتوی کیا کہ حضرت واپس آ جائیں گے تو دورۂ حدیث ان کے سامنے ہوگا اس سال میں فنون کی بقیہ کتابیں لے لیں۔ مگر بحکم قضاء وقدر وہ ۱۳۳۵ھ میں اسیر ہوکر مالٹہ جیل بھیج دیئے گئے اور ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ۱۳۳۵ھ احقر کا دورۂ حدیث حجۃ الاسلام حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ صاحبؒ کے سامنے ہوا۔ ۱۳۳۵ھ میں احقر کا دورۂ حدیث ہوکر تقریباً درس نظامی پورا ہو گیا۔ چند فنون کی کتابیں باقی تھیں جو ۱۳۳۶ھ میں پوری ہوئیں۔

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد تعلیم و تدریس، علمی تحقیقات کا شوق، کتب بینی سے دلچسپی، بحث ومباحثے سب کچھ تھے مگر نظریں اس مجلس کو ڈھونڈتی تھیں جہاں دل کو سکون واطمینان ملتا ہے جس کا ذوق حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں چند روز حاضری سے پیدا ہو گیا تھا۔ اس وقت تھانہ بھون میں حکیم الامت مجدّد الملّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس مرجع خلائق ہو گئی تھی۔ حضرتؒ کے علمی کمالات تصانیف کے ذریعہ اپنے علمی حوصلے کے مطابق کچھ معلوم تھے۔ ہمارے گھر بہشتی زیور سب لڑکیاں پڑھتی تھیں۔ خانقاہ تھانہ بھون اور وہاں کی مجالس کا حال والد محترم سے سنا کرتا تھا حضرتؒ کے دیوبند تشریف لانے کے وقت مجالس وعظ میں بھی بڑی رغبت واعتقاد سے شریک ہوتا تھا۔ والد صاحبؒ نے ایک مرتبہ ہمارے گھر میں بھی آپؒ کا وعظ کرایا تھا جس کے بعض کلمات ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔ والد صاحبؒ اگرچہ حضرتؒ کے ہمعصر اور ہمسبق تھے مگر آپؒ کی بزرگی اور تقدس وتقویٰ کے بہت معتقد تھے۔

تھانہ بھون کی سب سے پہلی حاضری

والد ماجد دارالعلوم میں مدرس تھے شعبان کے آخر میں آٹھ دس دن کی تعطیل ہوتی تھی آپ کا معمول یہ تھا کہ یہ تعطیل حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں گزارتے تھے ۱۳۲۳ھ میں ان کی وفات کے بعد بھی یہ معمول رہا کہ گنگوہ میں مزار پر حاضری اور پھر زندہ بزرگوں کی زیارت کے

لئے رائے پور تھانہ بھون وغیرہ کا سفر کرتے تھے ایک مرتبہ مجھے بھی رائے پور اپنے ساتھ لے گئے۔ رائے پور میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کی پہلی زیارت حضرت والد صاحب ہی کی معیت میں ہوئی۔ اس طرح ایک مرتبہ تھانہ بھون کی پہلی حاضری اسی لاشعوری دور میں والد صاحب کی معیت میں ہوئی۔ اس حاضری میں حضرت کی زیارت اور بچوں پر شفقت کا دھندلا سا نقشہ نظروں میں ہے مگر اس وقت کی نہ کوئی بات یاد ہے نہ سنہ اور تاریخ۔

دوسری حاضری

۱۳۳۲ھ جب احقر کی تعلیم میں یونانی فلسفہ کی کتاب میبذی کا نمبر آیا تو مجھے والد محترم سے سنی ہوئی یہ بات یاد آئی کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی رائے مدارس عربیہ میں یونانی فلسفہ کی تعلیم کے خلاف تھی اور غالباً کسی وقت اس کے درس کو دارالعلوم کے نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا اس وقت مجھے بھی تردد ہوا کہ یہ فن پڑھوں یا نہیں۔

والد محترم حالانکہ حضرت گنگوہیؒ سے والہانہ عقیدت رکھنے والے تھے مگر اس وقت ایک دانشمندانہ فیصلہ یہ فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ تو اس وقت دنیا میں نہیں۔ ان کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو آپ کا قائم مقام سمجھتا ہوں اس لئے مناسب یہ ہے کہ تمھارے بارے میں ان کے مشورہ پر عمل کیا جائے۔ اسی مقصد سے مجھے ساتھ لے کر تھانہ بھون کا سفر کیا۔

میں اس طالب علمی کے دور میں حضرت حکیم الامتؒ سے مکمل اعتقاد کے باوجود وہاں کی حاضری سے اس لئے ڈرتا تھا کہ دور دور سے یہ سنا کرتا تھا کہ حضرت کے یہاں بڑے قواعد و ضوابط ہیں۔ خلاف ورزی پر ناراضی کا بھی خطرہ رہتا ہے والد صاحب کے حکم کی بناء پر ساتھ جانے کی ہمت کر لی۔ گاڑی دوپہر کو اسٹیشن پہنچی۔ اس وقت اسٹیشن قصبہ تھانہ میں نہیں تھا۔ قصبہ سے تین میل دور کے اسٹیشن پر اتر کر تھانہ بھون جانا ہوتا تھا۔ پختہ سڑکوں اور موٹروں گاڑیوں کا زمانہ نہ تھا۔ پاپیادہ تین میل طے کر کے تھانہ بھون پہنچے۔ ظہر کی اذان میں کچھ دیر تھی مہمان خانہ میں جا کر لیٹ گئے۔

ظہر کی اذان پر حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ وضو کے لئے حوض پر تشریف لائے تو والد صاحب نے وہاں ملاقات کی چونکہ والد صاحب حضرت کے ہم سبق تھے بے تکلف ملاقات دیکھنے کے قابل تھی والد صاحب نے پہلی ہی ملاقات میں فرمادیا کہ اس وقت میرے آنے کا سبب یہ لڑکا ہے میں آگے بڑھا حضرت نے نہایت شفقت سے مجھے سینے سے لگا کر سر پر ہاتھ رکھا۔ والد صاحب نے یہ بھی کہہ دیا کہ یہ یہاں آتا ہوا اسلئے ڈرتا تھا کہ یہاں بہت قواعد وضوابط ہیں ان کی پابندی کیسے ہوگی۔

حضرت نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ بھائی مجھے تو خواہ مخواہ لوگوں نے بدنام کیا ہے میں از خود کوئی قاعدہ ضابطہ نہیں بناتا۔ لوگوں کی غلط روش نے مجھے مجبور کر دیا کہ آنے والوں کو کسی وقت اور قاعدہ کا پابند کراؤں ورنہ یہ تو مجھے کسی وقت ایک دفعہ اللہ کا نام بھی نہ لینے دیں دوسرے کام اور آرام کا تو ذکر کیا۔

پھر فرمایا کہ تم تو میری اولاد کی جگہ ہو تمھیں کیا فکر ہے جب چاہو آیا کرو اور میرے یہاں جو قواعد وضوابط ہیں ان سے مستثنیات اتنے ہیں کہ مستثنیٰ منہ سے بڑھ جاتے ہیں تم بے فکر رہو۔

حضرت کی اس شفقت اور لطف وکرم نے پہلی مرتبہ میرے دل میں ایسا گھر کرلیا کہ وہاں سے لوٹنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ اس وقت تو نماز کا وقت تھا اور نماز ظہر کے بعد عام مجلس کا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے شرکت نصیب فرمائی شام کو حضرت والا نے خصوصی ملاقات کا موقع عنایت فرمایا تو والد صاحب نے میرے آنے کی غرض کا ذکر کیا۔

حضرتؒ نے فرمایا ہاں مجھے معلوم ہے کہ اس معاملہ میں حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی رائے میں اختلاف تھا حضرت نانوتوی یونانی فلسفہ پڑھنے پڑھانے کے اس لئے حامی تھے کہ اسلامی عقائد سے دفاع انہی اصول وقواعد کی رو سے کیا جاسکے جو یہ فلسفہ پیش کرتا ہے۔ اور حضرت گنگوہیؒ کی نظر اس پر تھی کہ اس فلسفے کے بہت سے نظریات اسلامی عقائد کے خلاف ہیں ان کو دینی مدارس میں درس کے طور پر پڑھانا دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کا سبب ہوسکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ دونوں بزرگ ہمارے مقتداء اور پیشواء ہیں۔ان میں سے جس کی رائے پر بھی کوئی عمل کرے خیر ہی خیر ہے۔لیکن تمھارے متعلق میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ضرور اس فن کو پڑھو اور محنت سے پڑھو تا کہ اس کا بطلان تم پر خود واضح ہو جائے۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ تمھیں وہ ضرر نہ ہوگا جس کا خطرہ حضرت گنگوہیؒ کے پیش نظر تھا۔

پھر فرمایا کہ ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اس وقت تمام مدارس اسلامیہ میں اس فن کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے اگر تم نے یہ فن نہ پڑھا فلسفہ جاننے والے علماء کے سامنے ایک مرعوبیّت کا اثر تم پر رہے گا۔اور سمجھ کر پڑھ لیا تو یہ مرعوبیّت بھی نہ رہے گی، اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کے غلط نظریات کا بطلان تمھیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا۔

عمر کی یہ پہلی تعلیم تھی جو حضرتؒ سے حاصل کی اور واپس آ کر میبذی کا سبق شروع کیا پھر صدرا، شمس بازغہ وغیرہ فلسفہ کی تمام درسی کتابیں پڑھیں۔

پھر قدرت نے یہ موقع بھی نصیب فرمایا کہ ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ صاحبؒ نے کچھ طلباء کو فلسفہ جدید پڑھانے کا وعدہ کر لیا تو احقر اس کے درس میں بھی شریک ہوا، اور یہ واقعہ ہے کہ مجھے فلسفے کے کسی مسئلے میں کبھی کوئی اشکال پیش نہیں آیا اور حضرتؒ کی پیش گوئی کے مطابق اس کے غلط نظریات کا بطلان روز روشن کی طرح واضح ہوتا چلا گیا۔

۱۳۳۵ھ میں احقر کا دورہ حدیث ہوا کچھ فنون کی کتابیں باقی تھیں جو ۱۳۳۶ھ میں پوری کیں۔ اسی سال حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم نے چند اسباق پڑھانے کیلئے بھی مجھے سپرد فرما دیئے۔

حضرت والد ماجدؒ کی رائے اوّل سے یہ تھی کہ علوم عربیہ کے نصاب سے فراغت کے بعد کسی بزرگ کی خدمت وصحبت میں رہ کر تزکیہ باطن اور ذکر اللہ کے بغیر علوم ظاہرہ بے روح رہتے ہیں یہ ضروری ہے۔اُس وقت حضرت شیخ الہندؒ تو مالٹا جیل میں اسیر تھے۔حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری بھی ہندوستان میں تشریف نہ رکھتے تھے۔دو بزرگوں پر نظر پڑتی تھی ایک حضرت مولانا

شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ دوسرے حضرت تھانوی قدس سرہ۔

والد صاحب کی رائے میں ترجیح اس کو ہوئی کہ حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ سابقہ حاضری اور تعلیم سے ایک مناسبت قائم ہو چکی ہے۔

تیسری حاضری تھانہ بھون : غالباً ۱۳۳۷ھ تھا جس میں حضرت والد صاحب نے مجھے ساتھ لے کر پھر تھانہ بھون کا سفر اس لیے کیا کہ اب مجھے حضرت کے حوالے کریں۔ سلوک وطریقت کی تعلیم دلائیں اس تیسری حاضری میں حضرت کی پہلی شفقت وعنایت کی بناء پر کچھ حوصلہ بات کرنے کا بھی ہو گیا۔ جب والد صاحب نے میری حاضری کی غرض بتلائی تو حضرت والا نے مجھ سے کچھ حالات دریافت فرمائے۔ مجھے یہ معلوم تھا کہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ صاف اور سچی بات کو بہت پسند کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ نے کچھ عرصہ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضری کی توفیق بخشی ہے۔ دل کی خواہش یہ تھی کہ ان سے بیعت ہوں مگر حضرت اس وقت اسیر ہیں اور معلوم نہیں کب رہائی ہو۔ اب میں حضرت ہی سے مشورہ کا طالب ہوں مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس میں اشکال کیا ہے۔ تصوف وسلوک اعمالِ باطنہ کی اصلاح کا نام ہے جو ایسا ہی فرض ہے جیسے اعمال ظاہرہ کی اصلاح۔ اس کو مؤخر کرنا تو میرے نزدیک درست نہیں۔ لیکن اُس کے لئے بیعت ہونا کوئی شرط نہیں۔ بیعت کے لیے حضرت مولانا کا انتظار کرو اور حضرت کے واپس تشریف لانے تک میں خدمت کیلئے حاضر ہوں۔ میرے مشورہ کے مطابق اصلاح کا کام شروع کر دو۔ میرے نزدیک یہ بڑا مرحلہ تھا جو آسانی سے طے ہو گیا۔

اب دوسری بات اسی سادگی سے میں نے یہ عرض کر دی کہ حضرت میری تمنا تو بہت ہے کہ تصوف وسلوک کے مراحل طے کروں مگر سنتا ہوں کہ بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں اور محنت اور فرصت کا کام ہے۔ میں خلقۃً ضعیف بھی ہوں زیادہ محنت برداشت کرنے کے قابل نہیں اور

فرصت بھی کم ہے۔ اور وقت تمام درس و تدریس اور مطالعہ کے کاموں میں گزرتا ہے۔ کیا ان حالات میں بھی مجھے کوئی حصہ نصیب ہو سکتا ہے؟ حضرتؒ نے بڑی شفقت سے فرمایا'' یہ تم نے کیا کہا کیا اللہ کا راستہ صرف اقویاء کے لیے ہے ضعفاء کے لئے نہیں؟ فارغ البال لوگوں کے لئے ہے کم فرصت لوگوں کیلئے نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ راستہ سب کیلئے کھلا ہوا ہے۔ ہاں ہر ایک کیلئے عمل کا طریقہ مختلف ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے:

طرق الوصول الی اللہ بعد دانفس الخلائق

یعنی اللہ تک پہنچنے کے راستے اتنے ہی ان گنت ہیں جتنے انسان۔

یہاں کوئی عطائی کی دکان نہیں کہ سب کو ایک ہی گولی دی جائے، ہم آپ کو ایسا طریق بتائیں گے جس میں نہ وقت کی ضرورت نہ فرصت کی''

پھر فرمایا کہ فرائض و واجبات اور سنن وغیرہ جو سب مسلمان ادا کرتے ہیں وہ تو اپنی جگہ ہیں۔ آپ صرف تین چیزوں کی پابندی کرلیں انشاءاللہ سارا سلوک اسی سے طے ہو جائے گا۔

۱۔ تقویٰ اختیار کریں اس کا مفہوم آپ کو بتلانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ تقویٰ صرف نماز روزہ اور ظاہری معاملات کا نہیں باطنی اعمال میں بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا ظاہری میں ہے۔

۲۔ دوسرے ہر لایعنی (بے فائدہ) کام، کلام، مجلس، ملاقات سے پرہیز کریں اور فرمایا لایعنی سے میری مراد وہ کام ہے جس میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہو نہ دنیا کا۔ غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے اعمال، اقوال مجالس میں بہت سا وقت ایسا گذرتا ہے کہ کام کی بات تھوڑی سی اور بے فائدہ وزائد زیادہ۔ بس ان سے پرہیز کرنا ہے۔

۳۔ تیسرے بقدرِ ہمت وفرصت کچھ تلاوت قرآن روزانہ کیا کریں۔

پھر ارشاد فرمایا کہ اب بتلاؤ اس نسخہ میں کونسی چیز محنت یا فرصت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اگر غور کرو گے تو اس میں قوت اور زیادہ محفوظ رہے گی کیونکہ تقویٰ ایسی چیز ہے کہ بہت سے ایسے کاموں سے روکتا ہے جو انسان کی قوت ضائع کرتے ہیں اور جب لایعنی کاموں، ملاقاتوں، مجلسوں سے

پرہیز کرو گے تو تمھاری فرصت علمی مشاغل کے لئے اور بڑھ جائے گی۔

آخر میں فرمایا کہ نسخہ تو آپ کے لئے اتنا ہی ہے اگر دل چاہے اور فرصت بھی ہو تو صبح شام سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، سو سو مرتبہ اور استغفار و درود شریف سو سو مرتبہ پڑھ لیا کرو اور نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ کا التزام کرلو۔

مجلس ختم ہوئی اور والد صاحب کے ساتھ ایک روز مزید قیام کر کے حضرت سے رخصت لی۔ حضرت کی یہ مجلس اور تعلیم تو قلب میں اتر گئی مگر واپس آ کر دارالعلوم کے تعلیمی مشاغل میں لگ گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ زمانہ وہ تھا جس میں ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم نے پورے عالم کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ اہل یورپ کی متحدہ سازشوں اور کوششوں سے آلِ عثمان کی ترکی خلافت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ حضرت شیخ الہند اسی سلسلہ کے الزامات کی بناء پر مالٹہ جیل میں نظر بندی کی زندگی گزار رہے تھے اور چونکہ خلافت کو پارہ پارہ کرنے میں انگریزوں کا بڑا ہاتھ تھا اس لئے ہندوستان کے مسلمانوں میں انگریزی حکومت کے خلاف جذبات بھڑک اٹھے۔ ملک میں خلافت کمیٹی قائم ہوئی اور چند ہی روز میں پورے ملک میں پھیل گئی۔ ہندوستان کو انگریزی تسلّط سے آزاد کرانے کی کوششیں تیز ہو گئیں۔ حضرت شیخ الہند کو جیل سے رہا کرانے کی تحریک نے زور پکڑ لیا۔ ہندوستان کے تمام مسلمان اور خصوصاً علماء، صلحاء، مدارس دینیہ بھی اس تحریک سے متاثر ہوئے۔ ان دنوں میں مدارس عربیہ میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھنا بھی آسان نہ رہا۔ پورے ملک میں ہنگامے تھے۔

بالآخر ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ مارچ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ مالٹہ سے رہا ہو کر پانچ سال کے بعد دیوبند تشریف لائے تو تحریکِ خلافت اور آزادی ہند کی قوت کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ حضرت کی زیارت و ملاقات کے لئے اطرافِ ملک سے انسانوں کا سیلاب امڈ آیا۔ حضرت شیخ الہندؒ اپنے ضعف و علالت کے باوجود انہیں ہنگاموں میں مشغول و مصروف رہے اس جگہ ان کے حالات کی تفصیل کا موقع نہیں۔ ذکر اتنا کرنا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ کو مالٹہ سے واپس تشریف لائے اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ ۱ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو دہلی میں وفات ہو گئی کل ایک

سال چھ ماہ ملے وہ بھی انتہائی مشغول ومصروف اسی حال میں ایک روز موقع پا کر احقر اور اخی فی اللہ مولانا محمد طیّب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور چند حضرات نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی۔ چند تسبیحات کی تلقین حضرتؒ نے فرمائی۔ اس سے زائد اس طریق میں استفادہ کا موقع ہی نہ تھا۔ ہمارے لئے یہ بھی کچھ کم نعمت نہ تھی کہ بیعت کی دیرینہ تمنا پوری ہوگئی۔

حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد ملک کے ہنگامے اور روز روز کے نئے انقلابوں اور فتنوں کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ دوسری طرف عیال بڑھا، ان کے مشاغل وذواہل نے غفلت کے کچھ ایسے پردے ڈال دیئے کہ یہ سبق ہی گویا ذہن سے نکل گیا۔ اس عرصہ میں تعلیم کے ساتھ کچھ تصنیفی مشاغل بھی رہے مگر بزرگوں کی خدمت سے اکتساب فیض کا وہ پچھلا داعیہ بہت ہی مضمحل ہوکر رہ گیا۔ ۳۹ھ سے ۴۵ھ تک یہی صورت حال رہی۔ ۱۳۴۵ھ میں کچھ تنبہ ہوا۔ اس وقت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی بھی وفات ہوچکی تھی۔ اب تھانہ بھون کے سوا اس مقصد کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ مگر اس میں ایک مشکل یہ پیش آئی کہ حضرت شیخ الہندؒ کی واپسی اور ان سے بیعت کے بعد تمام تر قلبی تعلق اور اقتداء واتباع کا محور حضرتؒ کی ذات گرامی بن گئی تھی انہیں کے ایماء پر یہ ناکارہ بھی اپنی بساط کے مطابق آزادی ہند کی تحریکات میں مشغول رہا۔

حضرت سیدی حکیم الامۃ قدس سرہ اگرچہ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور نہایت معتقد اور ان کے مقصد جہاد سے بالکل متفق تھے۔ مگر اس وقت کی سیاسی تحریکات نے ہندوؤں کے اشتراک اور شرعی حدود سے ناواقف اور بے پروا لیڈروں کی شمولیت سے کچھ ایسا رنگ اختیار کر لیا تھا کہ جلسوں جلوسوں میں خلافِ شرع امور بے پروائی کے ساتھ کئے جاتے تھے۔ ہندوؤں کے ساتھ اشتراکِ عمل میں اسلامی شعائر اور شرعی حدود کی کوئی پرواہ نہیں رہی تھی۔ اس لئے ان تحریکات میں آپ نے شرکت نہیں فرمائی۔

حضرت شیخ الہندؒ جو اس وقت تحریک کے امام تھے ان کو بھی اس احساس ہی نے ایک جماعت بنام جمعیۃ علماءِ ہند قائم کرنے پر مجبور کیا تھا کہ اس تحریک کے ساتھ علماء کی رہنمائی کی وجہ

سے ان منکرات اور خلاف شرع امور سے نجات ملے جس کا پہلا جلسہ دہلی میں حضرت ہی کی صدارت میں ہوا اور اس کے خطبۂ صدارت میں اس طرح کے منکرات پر کھل کر نکیر بھی کیا گیا۔

لیکن حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی نظر میں اس وقت تحریک پر قبضہ ایسے لیڈروں کا ہو چکا تھا جن کی اکثریت سے علماء کے اتباع اور حدود شرعیہ کی رعایت کی امید نہ تھی۔ خصوصاً ہندوؤں کے ساتھ جن بنیادوں پر اشتراک ہو رہا تھا ان سے کسی حال یہ امید نہ تھی کہ اس کے نتیجہ میں کوئی اسلامی حکومت بن سکے اس لئے ان تحریکات سے یکسور ہے۔ دونوں بزرگوں کا یہ اختلاف رائے دینی اور شرعی وجوہ ہی کی بناء پر تھا اور اختلاف کے اصلی حدود کے اندر تھا حضرت حکیم الامۃ تو شاگرد ہونے کی بناء پر حضرت شیخ الہندؒ کا انتہائی ادب و احترام رکھتے ہی تھے خود حضرت استاد کا بھی یہ حال تھا کہ تھانہ بھون میں جلسہ خلافت کی صدارت کے لئے قصبہ کے لوگوں نے آپ کو دعوت دی اور اس زمانے میں حضرت اکثر اس طرح کے جلسوں کے لئے سفر کر رہے تھے مگر اہل تھانہ بھون کی درخواست پر فرمایا کہ اور جہاں کہیں آپ جلسہ کروائیں میں شریک ہوں گا مگر تھانہ بھون جا کر جلسہ کرنا مجھے پسند نہیں۔ کیونکہ مولانا تھانویؒ کو میری رائے سے جو اختلاف ہے وہ بھی دینی اور شرعی وجوہ پر ہے اگر میں وہاں جلسہ میں گیا تو وہ اپنی فقہی اور شرعی رائے کی بناء پر شرکت نہ کر سکیں گے اور عدم شرکت سے ان کو سخت ضیق اور تنگی پیش آئے گی میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔

بہر حال دونوں بزرگوں کی رائیں خالص دینی وجوہ کی بناء پر مختلف تھیں ہم اس وقت تو کیا آج بھی اس حیثیت میں نہیں کہ ان کی رائے میں محاکمہ کریں یہی ہو سکتا تھا کہ جس کی طرف قلب کا میلان زیادہ ہو اس کی اتباع کریں۔ اسی کے نتیجہ میں حضرت شیخ الہندؒ کی تحریکات میں حصہ لیا۔ اور حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ سے بھی اگر چہ الحمدللہ عقیدت میں کوئی فرق نہیں آیا مگر ان کی رائے کی اتباع نہ کرنے کے سبب ایک قسم کا حجاب درمیان میں آ گیا اور تقریباً آٹھ سال تک تھانہ بھون کی حاضری سے محرومی اور سلسلہ خط و کتابت بند رہنے کی ایک شرمندگی دامنگیر تھی جو اب تھانہ بھون

جانے کی راہ میں حائل بنی ہوئی تھی۔

حضرت والد ماجدؒ نے یہ مشورہ دیا کہ یہ شرمندگی اس راہ میں حائل نہ ہونی چاہیے تم ضرور تھانہ بھون جاؤ اور اپنے سب حالات صاف صاف عرض کرو۔ تم پہلے دیکھ چکے ہو کہ حضرت صاف بات کہنے والوں سے بڑی عنایت وشفقت کا معاملہ فرماتے ہیں۔

تھانہ بھون کی چوتھی حاضری ۱۳۴۵ھ میں

حضرت والد صاحب کے اس حکم نے عزم قوی کر دیا۔ ۱۳۴۵ھ میں آٹھ سال کے بعد پھر تھانہ بھون حاضر ہوا اس وقت یہ معلوم نہیں کہ اس سفر میں بھی حضرت والد صاحب ساتھ تھے یا تنہا گیا تھا مگر اتنا یاد ہے کہ جب حاضر ہوا اور اتنے عرصہ تک عدم حاضری اور بے تعلقی کا عذر پیش کیا تو حضرتؒ نے اسی شفقت وعنایت کا معاملہ فرمایا جس کا مشاہدہ پہلے ہو چکا تھا اتنے زمانے کی غیر حاضری اور بے تعلقی کا کوئی اثر معاملہ میں نہیں رہا۔

اس کے بعد سے تھانہ بھون کی حاضری مسلسل شروع ہوگئی۔ سترہ سال بعد ۱۳۶۲ھ میں حضرت سیدی حکیم الامۃ قدس سرہ کی وفات پر منتہی ہوئی۔ اور ۱۳۴۶ھ سے پورے رمضان المبارک کی تعطیل تھانہ بھون میں رہنے کا سلسلہ بھی تقریباً ۱۳۶۰ھ تک رہا۔ اور ۱۳۶۲ھ میں جب حضرتؒ ہی کے مشورہ اور اجازت سے دارالعلوم دیوبند کی ملازمت سے ضابطہ کا استفادہ دے کر آزاد ہوا تو حضرتؒ نے احکام القرآن کی تصنیف کے لئے مجھے مستقل طور پر تھانہ بھون بلا لیا تھا۔ مگر افسوس کہ یہ آخری حاضری سے چند ماہ بعد ہی ۱۶ رجب ۱۳۶۱ھ میں حضرتؒ کی وفات نے ایسا خستہ اور شکستہ خاطر کر دیا کہ اب کسی کام کی ہمت ہی اپنے میں نظر نہ آتی تھی۔

اس آخر دور میں حق تعالیٰ نے حضرت سیدی حکیم الامۃ قدس سرہ کو دینی تربیت اور اصلاح خلق کے لئے چن لیا تھا آپ کی مجالس علم ومعرفت کے ساتھ اصلاح ظاہر وباطن میں جو تاثیر رکھتی ہیں اس کو تو وہی جان سکتے ہیں جن کو اس دربار کی کبھی حاضری نصیب ہوئی ہے اس کو کسی بیان وتعبیر سے نہیں سمجھایا جا سکتا۔

حاضرین مجلس میں بہت سے حضرات ملفوظات لکھنے کا اہتمام فرماتے تھے جو حضرت کے ملاحظہ کے بعد شائع بھی ہوتے رہتے تھے اس ناکارہ کو اس کی ہمت بہت کم ہوتی تھی کہ مجلس میں بیٹھ کر لکھنے کی طرف توجہ دے اس لئے اس کا اہتمام تو نہیں تھا مگر خاص خاص اہم باتیں اپنی یاداشت کے لئے لکھ بھی لیتا تھا اس طرح لکھا ہوا بھی ایک اچھا خاصہ ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔

حضرتؒ کی ہدایت یہ تھی کہ آپ کے ملفوظات جمع کرنے والے جب تک لکھ کر آپ کے ملاحظہ میں لا کر اجازت حاصل نہ کرلیں ان کی اشاعت ممنوع تھی اور وصیت نامہ میں ایک وصیت یہ بھی تحریر تھی کہ میرے بعد اگر میرا کوئی وعظ یا ملفوظات کسی کے پاس غیر مطبوعہ ہوں جو میری نظر سے نہیں گزرے تو ان کی اشاعت کے لئے اپنے مخصوص خلفاء کے نام درج فرما کہ یہ ہدایت کی تھی کہ ان کا نظر کر کے اجازت دینا کافی ہوگا۔

اس وقت کے مشاغل نے اپنے لکھے ہوئے ملفوظات کو صاف کر کے پیش کرنے کی فرصت نہ دی۔ اور اس کے بعد ان کی اشاعت کا خیال ہی دل سے نکل گیا۔ حال میں خود اپنی خواہش اور بعض احباب کے تقاضا سے جب احقر نے یہ ارادہ کیا کہ دارالعلوم کے ماہنامہ ''البلاغ'' میں ''مجالس حکیم الامت'' کا ایک خاص عنوان پابندی سے رکھا جائے جس میں حضرتؒ کی مخصوص تعلیمات، ملفوظات ہوا کریں تو اسی وقت بعض احباب نے اپنے منضبط کئے ہوئے اور منتخب ملفوظات کی طرف توجہ دلائی لیکن اب ؎

آن قدح بشکست وآن ساقی نماند

کا معاملہ تھا۔ جن خلفاء کے اسماء گرامی وصیّت نامہ میں تجویز فرمائے تھے وہ بھی اکثر رخصت ہو چکے ہیں۔ مگر پھر بھی غنیمت جانا کہ ابھی کچھ حضرات باقی ہیں ان کے ملاحظہ سے گزار دیا جائے تو حضرت کی شرط کے مطابق قابلِ اشاعت ہو جائیں گے۔ اور یہ لکھا ہوا ذخیرہ کارآمد ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو کوئی فائدہ پہنچے تو میرے لئے بھی راذِ آخرت ہو جائے گا۔

حضرتؒ کی وصیّت کو پورا کرنے کے لئے احقر نے مجالس حکیم الامۃ کا مسودہ حضرت مولانا

ظفر احمد صاحب عثمانی دام برکاتہم شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ کی خدمت میں پیش کرنے کی درخواست کی تو اولاً مولانا نے جواب میں تحریر فرمایا:

''حضرت نے اپنے مواعظ و ملفوظات کی اشاعت کے لئے اپنے بعد جن حضرات کے دیکھنے کی شرط بیان فرمائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ضبط کرنے والا ان حضرات سے علم و معرفت میں کم ہو جن کا نام شرط میں ہے۔ اگر ضابط ان حضرات سے علم و معرفت میں زیادہ ہو تو ظاہر ہے وہ اس شرط سے مستثنیٰ ہوگا۔ میں آپ کے ضبط کردہ مجالس حکیم الامت پر کسی کی نظر کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ (والسلام)

دعا کا محتاج۔ ظفر احمد عثمانی۔ ۱۵ محرم ۱۳۹۳ھ

لیکن مولانا کے اس ارشاد کے باوجود احقر نے یہ ارادہ کیا کہ جب صراحۃً حضرت کے حکم کی تعمیل بذریعہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب ہو سکتی ہے تو اس تاویل پر کیوں عمل کیا جائے اس لئے پورا مسودہ حضرت مولانا عثمانی کی خدمت میں بھیج دیا جس کے جواب میں حضرت موصوف نے تحریر فرمایا:

مکرمی المحترم مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم رحمۃ اللہ! آپ نے مجالس حکیم الامت کا مسودہ بھیج دیا ہے۔ تو میں نے کسی قدر بالاستیعاب اور باقی سرسری نظر سے دیکھ لیا ہے ماشاء اللہ خوب ضبط فرمایا ہے۔ بعض مقامات پر روابط کا کوئی میں سے رہ گیا ہے اس کو درست کر دیا جائے بعض جگہ عبارت مُغلق ہے اس کو واضح کر دیا جائے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کر دی ہے ورنہ آپ کے ضبط کردہ ملفوظات کیلئے کسی کے دیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔

میرے لئے خاص طور سے دعائے عافیت ظاہری و باطنی و حسن خاتمہ فرماتے رہیں۔

والسلام

ظفر احمد عثمانی

۲۲ محرم ۱۳۹۳ھ

مجالس حکیم الامت

رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ کا عشرہ اخیرہ : رمضان المبارک میں حاضری کا اس سال بمعیت مولینا محمد طیّب صاحب مہتمم دارالعلوم پہلے پہل اتفاق ہوا۔ یوں تو اطراف ملک سے آنے والے طالبین کا بارہ مہینے ہی تانتا بندھا رہتا تھا مگر حضرتؒ کے متوسلین بکثرت علماء اور طلباء مدارس اسلامیہ تھے ان کی تعطیل اور فرصت کا زمانہ رمضان المبارک ہوتا تھا اور ویسے بھی عبادت کے لئے ماہ مبارک مخصوص ہے۔ اس لئے اس مہینے میں بہت سے حضرات پورے مہینہ کے لئے آتے تھے۔

اگرچہ حضرتؒ کو طبعی طور پر رمضان المبارک میں اس طرح کے اجتماعی کام پسند نہ تھے۔ خلوت مرغوب طبع تھی مگر فرمایا کرتے تھے کہ اہل علم دوستوں کو دوسرے ایام میں فرصت نہیں ہوتی اس لئے اس صورت کو گوارا کرلیا ہے اور رمضان میں حاضر ہونے والوں کا ہجوم ہر سال بڑھتا ہی جاتا۔ وفات سے چند سال پہلے تو نوبت اس کی آ گئی تھی کہ خانقاہ کے تمام مکانات اور حجرات کافی نہ ہوتے تھے۔ صحن میں شامیانہ لگانا پڑتا تھا اور ایک سال تو خانقاہ سے باہر بھی شامیانے لگا کر گزارا کرنا پڑا۔

احقر کی حاضری اس مبارک مہینے میں پہلے پہل رمضان ۱۳۴۶ھ کی بیس تاریخ کو بمعیت مولانا محمد طیّب صاحب ہوئی۔ مولانا محمد طیب صاحب عالم ہونے کے ساتھ ماشاء اللہ قاری بھی بہت اچھے تھے۔ دیوبند میں ۱۹ تاریخ کو اپنا قرآن ختم کر کے یہاں پہنچے تھے دیوبند میں بھی ان کی تلاوت سننے کے مشتاق دور دور سے مدرسہ کی مسجد میں تراویح کے لئے آجاتے تھے۔

ہم تھانہ بھون پہنچے تو یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرتؒ کو اپنی ضعف کی بناء پر خانقاہ میں امامت تراویح اور اس میں ختم قرآن سے عذر ہو گیا تھا۔ اس لئے فرض عشاء جماعت کے ساتھ خانقاہ میں ادا کرنے کے بعد مکان پر تشریف لے جاتے اور وہاں تراویح میں پورا قرآن پڑھتے تھے۔ گھر کی عورتیں اور دوسرے متعلقین کی عورتیں بھی پردہ کے پیچھے حضرت کی اقتداء میں تراویح ادا کرتی تھیں

خانقاہ میں ایک اور قاری صاحب پورے مہینے میں قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب کے پہنچنے پر اہل خانقاہ کی خواہش ہوئی کہ رمضان کے دس روز باقی ہیں ان میں ایک قرآن مجید قاری محمد طیب صاحب کے پیچھے پورا کر لیں۔ حضرتؒ کے سامنے اجازت کی درخواست اس طرح پیش ہوئی کہ خانقاہ کی تراویح ختم ہونے کے بعد قاری محمد طیب صاحب تین پارے روزانہ پڑھ لیا کریں۔ حضرتؒ کے مزاج میں حقوق اور حدود کی رعایت بدرجہ کمال تھی اپنی ذوقِ عبادت کے جوش میں دوسروں کی آزادی میں خلل ڈالنا نہایت ناپسند تھا۔ اور سب کو اس کی بڑی تاکید بھی فرماتے تھے۔ اگر خانقاہ میں یہ سلسلہ بعد تراویح شروع ہوتا تو ممکن تھا کہ بعض لوگوں کو عذر ہو اور اس میں شرکت پسند نہ کریں تو ان کی نیند میں فرق آئے گا اور بار خاطر ہوگا یا پھر بادلِ ناخواستہ اس میں شرکت کے لئے مجبور ہوں گے۔ اس لئے خانقاہ میں اس کی اجازت نہیں دی مگر دوسری طرف درخواست دینے والوں کی نیک خواہش کو پورا کرنے اور ان کی دلجوئی کا داعیہ بھی تھا اس لئے خانقاہ کے قریب ایک دوسری چھوٹی مسجد اس کام کے لئے تجویز ہوئی جہاں لوگ اپنی تراویح پڑھ کر چلے جاتے اور مسجد خالی رہ جاتی تھی اس طرح ایک قرآن مجید وہاں ختم کیا گیا۔

آج کل بہت سے حفاظ اور قراء رمضان المبارک کی راتوں میں شبینہ کرتے ہیں اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ ضعیف و بیمار اور وہ لوگ جو دن بھر اپنی مزدوری یا دفتری کاموں میں گزار کر رات کو آرام کرنے پر مجبور ہیں ان کو ان کے اس عمل سے کتنی تکلیف ہوگی۔ بعض مساجد میں اس پر مزید یہ کیا جاتا ہے کہ لاؤڈ سپیکر لگا دیتے ہیں جس سے محلّہ والوں کی نیند دوبھر ہو جاتی ہے یہ سب چیزیں صرف صورت میں عبادت اور نیکی ضرور ہیں مگر دوسروں کی ایذا کی وجہ سے ثواب سے زیادہ عذاب کا سبب بنتی ہیں۔

حضرت قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس طرح کی عبادت کا درجہ ظاہر ہے کہ نوافل کا ہے اور ایذاء مسلم سے پرہیز واجب اور اس کے خلاف کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

دیوبند میں ہماری عادت یہ تھی کہ تراویح کے بعد کچھ احباب کا اجتماع ہو جاتا۔ چائے نوشی کی دوستانہ مجلس کچھ دیر رہتی تھی تھانہ بھون میں جب ہم دوسرا قرآن سننے کے بعد واپس آتے تو خانقاہ میں اپنے حجرہ میں جس میں احقر اور مولانا محمد طیب صاحب مقیم تھے کچھ دیر اسی قسم کی مجلس رہتی۔ خانقاہ میں قانون یہ تھا کہ عشاء کے بعد سے رات کے تین بجے تک کسی کو ذکر جہر یا بلند آواز سے تلاوت کی بھی اجازت نہیں تھی تاکہ آخر رات میں بیدار ہونے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ احباب کی مجلس آرائی کا تو وہاں کوئی تصور ہی نہ تھا۔ اسی لئے عشاء کے بعد سے خانقاہ میں ایک سناٹا ہو جاتا تھا اس میں ہماری یہ آپس کی گفتگو بھی کافی دور تک پہنچ جاتی تھی چونکہ منتظمین خانقاہ کو یہ معلوم تھا کہ حضرت قدس سرہ ہم دونوں کی خاص رعایت فرماتے ہیں اس لئے ایک دو روز تو ہماری اس حرکت پر صبر کیا مگر تیسرے روز خادم خانقاہ نے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر آواز سے کہا کہ عشاء کے بعد آواز سے باتیں کرنا خانقاہ میں ممنوع ہیں۔ اس وقت ہمیں اپنی غلطی پر تنبہ ہوا۔ اور نماز سے فراغت کے بعد خاموش لیٹ جانے کی عادت ڈالنا پڑی۔ خانقاہ تھانہ بھون میں یہ دستور دیکھا اور برتا۔ اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے یہ روایات نظر سے گزریں کہ فاروق اعظمؓ عشاء کے بعد جاگنے والوں اور بے ضرورت باتیں کرنے والوں کو فرمایا کرتے تھے کہ جاؤ سوجاؤ ''لعلکم ترزقون صلوٰۃ'' یعنی سویرے سونے کے نتیجہ میں شاید تمہیں آخر شب کی نماز تہجد نصیب ہو جائے۔ اس طرح کا قول حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی منقول ہے۔

اب اس معمولی سی بات کے دوررس اثرات پر غور کیجئے جو شخص اس ماحول میں رہے گا وہ تہجد کا کیسے پابند نہ ہو جائیگا۔ اور صبح کی نماز و جماعت کی پابندی تو ایسی ہو جائے گی کہ اس کے خلاف کا احتمال ہی نہ رہے گا۔

آج کل ہم جس ماحول میں رہتے ہیں اس میں آدھی رات تک یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی رات ہی نہیں ہوئی۔ ایک دوست کہتے ہیں کہ کراچی میں جب رات کے بارہ بجتے ہیں تو معلوم ہوتا

ہے کہ کچھ بجا ہے۔

اس ماحول کے نتائج ہر جگہ یہ نظر آتے ہیں کہ صبح کی جماعت تو کیا اور وقت کی نماز پڑھنا بھی نماز کے پابند لوگوں کو مشکل ہوتا ہے اور آزاد منش بے نمازوں کا ذکر ہی کیا ہے مجید لاہوری مرحوم نے اس ماحول کا سابق دینی ماحول سے مقابلہ دو مصرعوں میں کیا تھا۔ سابق ماحول۔

نماز فجر ادا کرتے ہیں پھر قرآن پڑھتے ہیں!

اور موجودہ ماحول۔

یہ سو کر نو بجے اٹھتے ہیں اٹھ کر ڈان پڑھتے ہیں

جن لوگوں کو دین اور آخرت کی فکر ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی مجلس اور اپنے گھروں کے ماحول میں تبدیلی پیدا کریں تاکہ خود بھی پابند ہو سکیں اور اپنے متعلقین کو بھی پابند صوم و صلوٰۃ بنا سکیں۔

واللہ الموفق والمعین ط

باقی ۱۳۴۶ھ کی مجلسوں کے ملفوظات لکھے ہوئے محفوظ نہیں ہیں۔

رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ

یہ پہلا رمضان تھا جس میں پورا مہینہ تھانہ بھون میں رہنے کے قصد کی حضرتؒ کو اطلاع دی۔ ساتھ ہی یہ قصہ پیش آیا کہ اہلیہ کا تقاضا ہوا کہ بزرگوں کے فیوض و برکات سے ہم محروم رہتے ہیں میں ساتھ چلوں تو اپنے حوصلہ کے مطابق ہمیں بھی کچھ حصہ ملے۔ مجھے یہ اشکال تھا کہ وہاں بھی اہل و عیال ساتھ ہوئے تو فراغ بالی نصیب نہ ہوگی۔ اس مسئلہ کا فیصلہ بھی حضرت کی رائے پر رکھا۔ جواب یہ آیا کہ ساتھ لے آؤ۔ اس میں جمعیت خاطر کی زیادہ امید ہے اور اس طریق میں جمعیت خاطر کی بڑی اہمیت ہے ہم جس چیز کو جمعیت کے منافی سمجھتے تھے حضرتؒ نے اس کو جمعیت خاطر کا معین قرار دیا۔ بعد میں اس کی عملی تصدیق اس طرح ہوتی رہی کہ بچوں میں بیماری کا سلسلہ تو چلتا ہی رہتا ہے ساتھ ہوتے ہوئے اس کی طرف توجہ اور مناسب تدبیر میں وہ پریشانی نہیں ہوتی جو باہر

سے خبر آنے پر ہوتی ہے کہ جمعیت اور سکون برباد ہو جاتا ہے۔

اس طرح رمضان المبارک سے ایک دن پہلے مع اہل وعیال تھانہ بھون میں حاضری ہوئی۔ حضرتؒ نے میرے قیام کے لئے اپنے مکان سے متصل ایک مکان کرایہ پر لینا متعین فرمادیا تھا مگر معاملہ کی تکمیل میری حاضری اور مکان کے دیکھنے پر موقوف تھی۔ حاضر ہوکر مجھے جو چیز زیادہ دیکھنے کی تھی وہ اس مکان کا خانقاہ اور حضرتؒ کے مکان سے بالکل ملحق ہونا تھا۔ بڑی خوشی ومسرت کے ساتھ اپنا مسافرانہ سامان اس مکان میں ڈال دیا۔ شب وروز حضرتؒ کی صحبت ومعیت میں ہر شب شب قدر ہر روز روزِ عید کا مصداق ہوگیا۔

مےَ ناب وکنار آب ویار مہربان ساقی

دلا کئے بہ شود کارت اگر اکنون نخواہد شد

میں اپنی جگہ اس مکان میں مگن تھا مگر اس کے صحن میں کچھ بیری کے درخت اور جھاڑیاں جیسی تھیں کچھ صاف ستھرا نہ تھا۔ حضرتؒ کی چھوٹی اہلیہ محترمہ وہاں تشریف لائیں تو محسوس کیا کہ عورتوں بچوں کو شاید یہاں وحشت ہو۔ دو تین روز کے بعد حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا کہ اب ہمارا ارادہ اپنا مکان بدلنے کا ہے موجودہ مکان جس میں چھوٹی اہلیہ محترمہ کا قیام ہے وہ خالی ہو رہا ہے اب آپ مع اہل عیال اس میں آجاؤ۔ اس کا اظہار مجھ پر اس طرح فرمایا کہ جیسے اپنی کسی ضرورت سے مکان کی تبدیلی فرمارہے ہیں اس لئے کچھ عذر معذرت بھی نہ کرسکا حضرت اقدس ہی کے چھوٹے مکان میں بقیہ ایام رمضان المبارک پورے ہوئے۔

حضرتؒ کا معمول کچھ زمانے سے یہ ہوگیا تھا کہ نمازِ ظہر کے بعد عصر تک مجلسِ عام ہوتی تھی جس میں کسی پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اور صبح کو اپنی ضروریات اور معمولات سے فارغ ہوکر تقریباً دس بجے ایک مجلس خاص مخصوص حاضرین کے لئے ہوتی تھی۔ اس میں صرف وہ لوگ ہوتے تھے جن کو حضرتؒ کی طرف سے اطلاع دے دی جاتی تھی۔ اطلاع کا مضمون اور اس کے الفاظ خود حضرتؒ کی تجویز سے ہمیشہ یہ ہوتے تھے کہ فلاں وقت حضرتؒ کی مجلس ہوگی اگر آنا چاہیں تو آسکتے ہیں مقصد

یہ تھا کہ بلانے کا عنوان نہ ہو جس سے حاضرین کی آزادی میں خلل آئے کسی کو کوئی کام یا عذر ہو تو اسے تنگی نہ ہو۔

ان مجالس کے ملفوظات مجلس سے بہت سے حضرات لکھا کرتے تھے مجھے حضرت کے خطاب کے وقت لکھنے کی طرف توجہ صرف کرنا بھاری معلوم ہوتا تھا اس لئے بہت کم اور مختصر اشارے اپنی یادداشت کے لئے لکھ لیتا تھا۔ اسی یادداشت کے بعض اجزاء یہ ہیں:

۱: ۲۹ شعبان ۱۳۴۷ھ ارشاد فرمایا کہ حدیث میں ہے

من جلس مجلسالم یذکر اللہ فیہ کان علیہ ترۃ یوم القیٰمۃ ۔یعنی جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور پوری مجلس گزر جائے اس میں ایک مرتبہ بھی اللہ کا ذکر نہ کرے تو قیامت کے دن یہ مجلس اس کے لئے حسرت وافسوس کا سبب ہوگی۔

اس کا ہمیشہ خیال رکھو اور اپنی کسی مجلس کسی حرکت وسکون کو اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہنے دو۔

نظم وضبط دین اور دنیا کے ہر کام میں مفید اور ضروری ہے

۲: ارشاد فرمایا کہ دنیوی کاموں میں بدنظمی اور بے سلیقہ پن کہ کہیں کی چیز کہیں ڈال دی ،کھانے پینے میں تناسب کا خیال نہ رکھا، یہ جیسے دنیوی امور ہیں نقصان دہ ہیں ایسے ہی باطنی امور کے لئے بھی مضر ہے۔

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ جب کوئی شخص ان سے مرید ہونے کے لئے آتا تو فوراً ملنے کے بجائے اتنی تاخیر کرتے تھے کہ کھانے کا وقت آجائے۔ اور حکم یہ تھا کہ نئے مہمان کے پاس جب کھانا لے جائیں تو شیخ کو دکھلا کر لے جائیں اور جب واپس لائیں تو پھر دکھائیں۔ وہ بچے ہوئے کھانے سے یہ اندازہ لگاتے تھے کہ اس شخص کے مزاج میں انتظام وانضباط ہے یا نہیں مثلاً جتنی روٹی خرچ ہوئی اس کے مناسب سالن خرچ ہوا تو صحیح المزاج ہونے کی علامت ہے اور کمی بیشی ہوتی تو بدنظمی کی علامت۔

جس شخص میں یہ بدنظمی اور بے سلیقہ ہونے کا مشاہدہ ہوتا اس سے عذر کر دیتے کہ ہمارے یہاں

تمھیں نفع نہیں ہوگا تمھارے مزاج میں بدنظمی ہے کسی دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرو۔

لایعنی اور فضول بحثیں انسان کو بڑے گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہیں بزرگوں نے اس سے پرہیز کا بڑا اہتمام کیا ہے

۳: حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ کی خدمت میں دو صاحب بیعت کے لئے حاضر ہوئے۔ مسجد کے حوض پر آ کر وضو کے لئے بیٹھے تو آپس میں گفتگو کرنے لگے ایک صاحب نے کہا کہ ہمارے یہاں کا حوض یہاں کے حوض سے بہت بڑا ہے، اتفاقاً حضرت شیخ نے یہ کلام سن لیا۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے اور بیعت کے لئے عرض کیا تو شیخ نے سوال کیا کہ آپ کے یہاں حوض یہاں کے حوض سے کتنا بڑا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ یہ تو معلوم نہیں۔ فرمایا کہ جاؤ پیائش کر کے آؤ۔ اسکو جانا پڑا اور سفر طے کر کے وطن پہنچا۔ حوض کی پیائش کی تو معلوم ہوا کہ وہ ایک بالشت بڑا ہے واپس آیا اور عرض کیا کہ حضرت میں نے پیائش کر لی ہے وہ حوض ایک بالشت بڑا ہے پھر حضرت شیخ نے فرمایا کہ تم نے تو بہت بڑا کہا تھا ایک بالشت تو بہت بڑا نہیں ہوتا۔

تمھارے اس عمل سے معلوم ہوا کہ تمھارے مزاج میں جھوٹ سچ کے معاملہ میں احتیاط نہیں تو اس طریق میں کیا چل سکو گے، انتہٰی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکابر مشائخ کا طریق یہ تھا کہ مریدین کو وظائف و نوافل وغیرہ بتلانے اور سلوک کی تعلیم شروع کرنے سے پہلے ان کے اعمال ظاہرہ کی اصلاح کرتے اور رذائل سے اجتناب کی عادت ڈالتے تھے۔ آج کل بہت سے مشائخ اس کی رعایت نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اوراد و وظائف میں تو مریدین خوب مشاق ہو جاتے ہیں مگر رذائل جوں کے توں موجود رہتے ہیں حلال و حرام کا امتیاز جھوٹ سچ کا اہتمام نہیں ہوتا جو طریق کی بدنامی کا سبب بنتا ہے (جامع)

معاملات میں احتیاط کی تعلیم

۴: ایک شخص نے خط لکھا کہ میں فلاں بزرگ سے بیعت ہوں مگر میں نے خواب میں رسول

اللہ ﷺ کی زیارت کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ جن بزرگ سے تم بیعت ہوئے ان سے تمھاری بے تکلفی زیادہ ہے اس لئے تمھیں ان سے نفع نہیں ہوگا۔ تم مولانا اشرف علی صاحب سے اپنی تربیت تعلیم حاصل کرو۔ حضرت حکیم الامۃ نے جواب میں لکھا کہ اپنے موجودہ شیخ سے یہ لکھوا کر بھیجو کہ یہ آدمی معتبر ہے اس کی روایت قابلِ اعتبار ہے۔ (انتہٰی)

تجربہ شاہد ہے کہ بہت سے لوگ بزرگوں کے نزدیک تقرّب حاصل کرنے کے لئے غلط سلط روایات بیان کردیا کرتے ہیں جوان کے لئے موجب فتنہ اور دوسروں کے لئے موجب رنجش ہوتا ہے حضرتؒ نے اس طرز عمل سے سب خرابیوں کی جڑ کاٹ دی اور سابق شیخ کے قلب کو مکدّر کرنے سے بھی بچالیا۔

ہر چیز اپنی حد کے اندر ہی نافع ہوتی ہے حد سے بڑھے تو کتنی ہی اچھی چیز ہو مضر ہو جاتی ہے

۵: فرمایا خشیۃ اللہ (خدا کا خوف) تمام حسنات وخیرات کا سرچشمہ اور بڑی فضیلت ہے مگر وہ بھی اگر حد سے بڑھ جائے تو انسان کو معطل اور بیکار بنادے اس لئے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا خشیۃ اللہ کے لئے فرمائی اس میں یہ فرمایا:

اللھم اقسم لی من خشیتک ما تحول بہ بینی و بین معاصیک۔ یعنی یا اللہ مجھے اپنے خوف وخشیت کا اتنا حصہ عطا فرمادے جو میرے اور گناہوں کے درمیان حائل ہوجائے۔

اس قید سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر خوف زیادہ بڑھ جائے تو وہ انسان کے لئے قابلِ برداشت نہیں رہتا اور تعطل کا سبب ہوجاتا ہے

اس کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کی ملاقات وزیارت کا شوق بھی بہت بڑی نعمت ہے مگر اس کی دعاء میں بھی حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:

وشوقا الی لقاءک فی غیر ضرّاء مضرّہ یا اللہ مجھے اپنی زیارت وملاقات کا شوق

و لا فتنة مضلّة۔ عطا فرما بغیر اس کے کہ کسی سخت بیماری یا سخت مصیبت وفتنہ کی وجہ سے موت کا طلب گار بنوں۔

اللہ تعالیٰ کی ملاقات وزیارت کا راستہ ظاہر ہے کہ موت کے سوا نہیں۔اس لئے موت کا محبوب ہونا اللہ تعالیٰ کی ملاقات و زیارت کے لئے بڑی نعمت ہے لیکن بعض اوقات انسان کسی ناقابلِ برداشت تکلیف ومصیبت سے موت مانگنے پر مجبور ہوجاتا ہے وہ مصیبت اور مذموم ہے اس لئے لقاءاللہ کے شوق کو بھی اس قید سے مقیّد فرمادیا۔

اکابر علماءِ دیوبند کی خدا ترسی اور اپنے مخالفین کے ساتھ معاملہ

۲: سیّد الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے جب ردّ بدعات پر کچھ رسالے لکھے تو اہل بدعت کی طرف سے سب وشتم کی بوچھاڑ ہوئی۔بعض مشہور اہل بدعت کی طرف سے بہت سے رسالے ان کے خلاف سب وشتم سے بھرے ہوئے یکے بعد دیگرے شائع ہوتے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کی بینائی اس وقت نہیں رہی تھی۔مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ (والد ماجد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ) حضرتؒ کے خادم خاص اور معتمد تھے۔آنے والی ڈاک کو پڑھکر سناتے اور پھر جواب لکھنے کی خدمت ان کے سپرد تھی۔ ان میں وہ رسالے بھی ہوتے تھے جو ان حضرات کی طرف سے آتے تھے۔کچھ دن ایسے گزرے کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے ایسا کوئی رسالہ نہیں سنایا۔تو حضرت گنگوہیؒ نے پوچھا کہ مولوی یحییٰ کیا ہمارے دوست نے ہمیں یاد کرنا چھوڑ دیا ہے؟ بہت دنوں سے ان کا رسالہ نہیں آیا۔مولانا محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ رسالے تو کئی آئے ہیں مگر وہ مجھ سے پڑھے نہیں جاتے۔حضرت نے فرمایا کیوں؟ عرض کیا کہ ان میں تو گالیاں بھری ہیں۔آپؒ نے اول تو فرمایا ارے میاں کہیں دور کی گالی بھی لگا کرتی ہے؟ پھر فرمایا کہ وہ ضرور سناؤ۔ہم تو اس نیت سے سنتے ہیں کہ ان کی کوئی بات قابلِ قبول ہو تو قبول کریں۔ ہماری کسی غلطی پر صحیح تنبیہ کی گئی ہو تو اپنی اصلاح کریں (انتہیٰ) یہ ہیں وہ حق پرست خدا ترس علماء

جن کا کسی سے اختلاف بھی ہوتا ہے تو خالص حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اور جو مخالفین کی سب و شتم کے وقت بھی جذبۂ انتقام اور اپنے نفس سے مدافعت اور تاویلات ڈھونڈنے کے بجائے اپنی اصلاح اور حق طلبی کی راہ نکال لیتے ہیں کیسے ظالم ہیں وہ لوگ جنھوں نے ان بزرگوں پر اتہامات لگا کر بدنام کیا اور عوام کو ان کی تصانیف پڑھنے سے ان کے پاس جانے سے روکا اور یہ حقیقت ہے کہ جو دور دور بدگمانی قائم کر کے نہیں بیٹھ گیا۔ انصاف کے ساتھ ان حضرات کی کتابوں کو پڑھا ان کی صحبت سے مستفیض ہوا۔ اس کو اشکالات کا جواب خود بخود مل گیا۔

اختلافی معاملات میں اگر یہ روش اختیار کر لی جائے تو مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدل کے فتنے ختم ہو جائیں۔ اختلاف اختلاف کی حد میں رہے۔ مگر اس کے لئے خدا ترسی اور بے نفسی کی ضرورت ہے جس کا آج کل قحط ہے (جامع)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسمؒ

۷: حضرت ممدوح کے علمی اور عملی کمالات سے شاید ہی کوئی باخبر مسلمان ناواقف ہو۔ ان کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ معاشی ضرورت کا احساس ہوا تو مطبع مجتبائی دہلی میں کتابوں کی تصحیح کے لئے ملازمت اختیار کر لی۔ کل دس روپیہ ماہوار تنخواہ تھی ایک مرتبہ اس سے بھی جی گھبرایا تو اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا کہ یہ تنخواہ بھی لینا چھوڑ دیں اور جو کام کریں وہ لوجہ اللہ بلا تنخواہ کریں۔

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ امامِ وقت تھے انہوں نے فرمایا کہ آپ ترک مشاہرہ کے لئے مجھ سے مشورہ طلب کرتے ہیں مشورہ دلیل تردّد ہے اور تردّد کی حالت میں ترکِ اسباب موجب پریشان ہوتا ہے۔ ترکِ اسباب تو اس وقت روا ہوتا ہے جب آدمی مغلوب الحال ہو جائے۔ فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ خود متوکل تھے فقر و فاقہ کے سخت مراحل سے گزرے ہوئے تھے مگر اپنے مریدین کے لئے اس کا اہتمام فرماتے تھے کہ وہ کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہوں۔

ترکِ ملازمت مدرسہ کانپور کا قضیہ

۸: فرمایا کہ جب میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تنخواہ لے کر درس تدریس کی خدمت انجام دیتا تھا حضرت کی دلی خواہش یہ تھی کہ میں یہ ملازمت چھوڑ دوں مگر میری پریشانی کے خیال سے چھوڑنے کا حکم نہ دیتے تھے۔ صرف یہ فرمایا کہ اگر کسی وقت کانپور کی ملازمت ترک کرو تو پھر کوئی دوسری ملازمت اختیار نہ کرنا۔ میں اس وقت کہتا تھا کہ یہ ملازمت میں کیوں چھوڑوں گا دین کی خدمت ہے تنخواہ لینا کوئی ناجائز کام نہیں ہے مگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ شیخ کی دلی خواہش رنگ لائی اور یکسوئی اور خلوت کا ذوق اس قدر غالب آیا کہ ملازمت کی پابندی کٹھن ہوگئی بالآخر استعفاد دینے پر مجبور ہوگیا۔ اہل مدرسہ نے وفود بھیجے خطوط لکھے کہ یہاں کوئی تکلیف ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے۔ ان سے مجبور ہو کر مجھے بات کھولنا پڑی اور ان کے جواب میں یہ شعر لکھ کر بھیج دیا ؎

از قیل وقال مدرسہ حالئے دلم گرفت

یک چند نیز خدمت معشوق و مے کنم

قرض سے پریشانی اور حضرت گنگوہیؒ کا مشورہ

۹: ترک ملازمت کانپور کے بعد خانقاہ تھانہ بھون میں متوکلانہ قیام فرمالیا تھا اس وقت ضروریات خانگی کے لئے ڈیڑھ سو روپیہ قرض ہوگیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی وفات ہو چکی تھی۔ ان کے بعد حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ حضرت گنگوہی کو اپنے شیخ کا قائم مقام سمجھ کر مشکلات میں ان کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ عرض حال اور ادائے قرض کی دعاء کے لئے گنگوہ کو خط لکھا۔ جواب آیا کہ مدرسہ دیوبند میں ایک جگہ ملازمت کی خالی ہے اگر رائے ہو تو میں ان کو لکھ دوں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس جواب سے میں کچھ کشمکش میں پڑ گیا کہ اس ملازمت کو اختیار کرتا ہوں تو حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشاد کی مخالفت ہوتی ہے اور نہیں کرتا تو حضرت گنگوہیؒ کے اس ارشاد کے باوجود قبول نہ کرنا ایک گونہ بے ادبی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے صحیح جواب دل میں ڈال دیا میں نے لکھا کہ حضرت میری غرض تو اس خط سے صرف دعاء تھی کسی ملازمت یا ذریعۂ معاش کی طلب

مقصود نہ تھی۔ کیونکہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ کانپور کی ملازمت چھوڑ وتو پھر کوئی دوسری ملازمت اختیار نہ کرنا۔

اب میں حضرت کو بھی حضرت حاجی صاحب کے قائم مقام سمجھتا ہوں اگر اس پر بھی ملازمت اختیار کرنے کا حکم ہوتو میں اس کو بھی حضرت حاجی صاحب ہی کا حکم سمجھوں گا اور پہلے حکم کا ناسخ قرار دے کر ملازمت اختیار کروں گا۔ اس پر حضرۃ گنگوہیؒ کا جواب آیا کہ اب آپ کوئی ملازمت نہ کروان شاءاللہ تعالیٰ پریشانی نہیں ہوگی۔

تقویٰ اور تواضع کی خاص شان مشورہ اکابر کی پابندی

۱۰: حضرت کے والد ماجد خاندانی رئیس اور صاحب ثروت تھے۔ ذرائع آمدنی بھی کوئی ناجائز نہ تھے مگر حضرت کی نظر میں کچھ مشتبہ تھے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد ترکہ میں اپنے حصہ میراث کا معاملہ سامنے آیا تو لینے میں تردد ہوا۔ از خود کوئی فیصلہ کرنے کی عادت نہ تھی۔ حضرت گنگوہی کو خط لکھ کر سوال کیا کہ حصہ لینے میں مال مشتبہ ہونے کی وجہ سے تردد ہے اور چھوڑنے میں اس لئے تردد ہے کہ کہیں بعد میں پریشانی نہ ہو۔

جواب آیا:

''اگر یہ حصہ لے لوتو فتویٰ ہے نہ لوتو تقویٰ ہے اور پریشانی ان شاءاللہ عمر بھر نہ ہوگی۔''

حضرتؒ نے تقویٰ کا پہلو اختیار کیا اور اپنا حصہ میراث جو بڑا سرمایہ تھا بھائیوں کے لئے چھوڑ دیا۔ احقر نے اپنے والد سے سنا کہ حضرت گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا اشرف علیؒ کا ادنیٰ تقویٰ یہ ہے کہ والد کی میراث کا حصہ نہیں لیا۔

یہاں تقویٰ کے ساتھ صرف اپنی رائے پر اعتماد نہ کرنا بزرگوں کے مشورہ پر عمل کرنا ایک بہت بڑا حکیمانہ اصول ہے جس کی پابندی حضرتؒ خود بھی ہمیشہ کرتے تھے اور سب کو تاکید فرماتے تھے کہ

''انسان کو چاہیے کہ کبھی خودرائی سے کام نہ کرے جب تک ضابطہ کے بڑے موجود

ہیں ان کے مشورہ پر عمل کرے جب ضابطہ کے بڑے نہ رہیں تو اپنے برابروں کے مشورہ کا پابند رہے جب وہ بھی نہ رہیں تو چھوٹوں کے مشورہ کی پابندی کرے۔ اور فرمایا کہ ضابطہ کے بڑے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔"

تعلیم جدید سے پیدا ہونے والے شبہات کی اصل بنیاد

۱۱: فرمایا کہ نو تعلیم یافتہ حضرات کے جتنے شبہات اسلامی تعلیمات کے متعلق ہوتے ہیں ان میں غور کرنے سے سب کی بنیاد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس تعلیم کے اثر سے اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی عظمت و محبت قلوب سے اٹھ جاتی ہے اور جب وہ نہ رہی تو ہر حکم میں سینکڑوں سوال کھڑے ہو جاتے ہیں جب کسی کی عظمت دل میں ہوتی ہے تو اس کے اقوال و احکام پر سوالات ہی پیدا نہیں ہوتے۔ دیکھو موجودہ حکومت کی عظمت جبری طور پر لوگوں کے قلوب پر چھائی ہوئی ہے اس لئے اس کے مقرر کردہ قوانین کی لم اور حکمت پوچھنے کی طرف کسی کو توجہ نہیں ہوتی کہ ڈاکخانہ میں ڈھائی تولہ تک دو پیسے اور اس کے اوپر پانچ تولہ پر ایک آنہ لفافہ کا محصول ہے اس پر سب عالم جاہل خواندہ ناخواندہ عمل کرتے جاتے ہیں کسی کو یہ پوچھنے کی جرأت ہی نہیں ہوتی کہ اس قانون میں حکمت کیا ہے اور اگر کوئی کسی سے پوچھے بھی تو جواب دینے والا یہ جواب کافی سمجھتا ہے کہ بھئی قاعدہ قانون یہی ہے مگر اسلام کی تعلیمات و قوانین کے لئے یہ جواب کافی نہیں سمجھا جاتا کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کا یہی حکم ہے یہ سب پھل پھول اسی کے ہیں کہ اللہ و رسول ﷺ کی عظمت دلوں میں کم ہو گئی۔

اشرافِ نفس کی حقیقت

۱۲: ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"جو ہدیہ بلا کسی طمع اور اشرافِ نفس کے ملے اس میں برکت ہوتی ہے اور اشرافِ نفس ہونے کی صورت میں برکت نہیں ہوتی"۔

اشراف کے معنی انتظار کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اگر پہلے سے کوئی ہدیہ ملنے کی توقع ہو اور نفس

کو انتظار ہو کہ فلاں شخص سے یہ ہدیہ ملے گا تو یہ اشرافِ نفس ہے۔جس کے ساتھ ہدیہ قبول کرنا اہلِ باطن کے لئے ایسا ہے جیسے کسی سے سوال کر کے کوئی چیز لی جائے۔اشرافِ نفس کے معاملہ میں حضرتؒ نے ایک واقعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہانپوری مہاجر مدنی کا نقل فرمایا کہ

''ریاست بہاولپور کے ایک رئیس دیندار آدمی تھے اکثر کچھ علماء صلحاء کو دعوت دیتے رہتے تھے اور واپسی کے وقت کچھ ہدیہ بھی پیش کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ دیوبند سہارنپور کے بزرگ اور حضرتؒ وہاں مدعو تھے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ اپنے وقت کے فقیہ اور بڑے بزرگ تھے ان کو خیال آیا کہ اس رئیس کی عادت معلوم ہے کہ کچھ ہدیہ پیش کیا کرتے ہیں اس لئے یہاں آتے ہی یہ خطرہ ہوتا ہے یہ کچھ دیں گے تو یہ اشرافِ نفس ہوگیا۔اس کے ساتھ قبول ہد[illegible] مناسب نہیں۔حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا کہ میرے نزدیک اشرافِ نفس وہ ہے جس کے خلاف ہونے میں کلفت اور شکایت ہو۔

اور جب کلفت و شکایت نہ ہو تو وہ محض ایک [illegible] ہے اشراف نہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے میرے جواب [illegible] یا اور تصدیق فرمائی۔''

بزرگوں کے تعویذات عام عاملوں کی طرح نہیں ہوتے

۱۳: فرمایا کہ عملیات اور تعویذات کے جاننے والے بہت سی قیود شرا[illegible] کے ساتھ تعویذات لکھتے ہیں وہ ایک فن ہے مگر حضرات اکابر کے نزدیک اصل چیز توجہ الی اللہ اور [illegible] ہوتی ہے اس کو جس عنوان سے چاہیں لکھ بھی دیتے ہیں اور لوگوں کو فائدہ بھی ہوتا ہے میں نے [illegible] حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے سنا ہے کہ حضرت مولانا سید احمد صاحب بریلویؒ سے لوگ مختلف امراض اور حاجات کے تعویذ مانگا کرتے تھے وہ ہر ضرورت و حاجت کے لئے یہ الفاظ لکھ کر دے دیتے اور اللہ کے فضل وکرم سے فائدہ ہوتا تھا وہ الفاظ یہ ہیں:

''خداوندا اگر منظور داری حاجتش را برآری''

فرمایا کہ اسی طرح حضرت گنگوہیؒ سے کسی نے کسی خاص کام کے لئے تعویذ مانگا حضرت

نے فرمایا کہ مجھے اس کا تعویذ نہیں آتا اس شخص نے اصرار کیا کہ کچھ لکھ دیجئے حضرتؒ نے یہ کلمات لکھ دیئے:

''یا اللہ میں جانتا نہیں یہ مانتا نہیں آپ کے قبضہ میں سب کچھ ہے اس کی مراد پوری فرما دیجئے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کی ضرورت پوری فرما دی۔

حضرتؒ کی تفسیر اور تصوف سے مناسبت حضرت حاجی صاحبؒ کی پیشگوئی

۱۴: فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے میرے بارہ میں یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ تمھیں تفسیر قرآن اور تصوف سے خاص مناسبت ہوگی۔ اسی کا اثر ہے کہ بحمد اللہ ان دونوں چیزوں میں مجھے بہت کم شبہات رہتے ہیں اللہ تعالیٰ حل ہی فرما دیتے ہیں۔

جنت میں تفاضل درجات کے باوجود باہمی حسد نہ ہوگا

۱۵: فرمایا کہ یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ اہل جنت کے درجات متفاوت ہوں گے۔ ایک درجہ اور دوسرے درجہ میں بڑا فرق ہوگا۔ انسانی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ چھوٹے درجہ والے کو بڑے درجہ والے پر اگر حسد بھی نہ ہو تو کم از کم غبطہ اور اس کے نتیجہ میں ایک قسم کی حسرت ہوتی ہے جنت میں حسد تو نہیں ہوگا کیونکہ وہ حرام ہے مگر یہ سوال ہوتا ہے کہ غبطہ بھی ہوا تو ایک قسم کی حسرت اور کلفت تو ہوگی۔ اور جنت سب کلفتوں سے پاک جگہ ہے وہاں کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ فرمایا کہ جنت کے حالات کو دنیا پر قیاس نہیں کیا جا سکتا وہاں حق تعالیٰ سب کو ایک وصف قناعت عطا فرمائیں گے کہ ہر شخص اپنے مقام پر خوش اور مگن رہے گا بڑے درجہ کے لوگوں کو دیکھ کر اس کے دل میں کوئی حسرت و بے چینی پیدا نہ ہوگی۔

لوگوں سے جھگڑے کے واسطے علماء سے فتویٰ لینا

۱۶: فرمایا کہ بہت سے لوگ اپنی تو خبر نہیں لیتے حلال حرام ایک کرتے رہتے ہیں اور دوسرے

لوگوں کے جھگڑا کرنے کے لئے علماء سے فتویٰ لیتے پھرتے ہیں۔ جب کسی شخص کے متعلق مجھے یہ محسوس ہوتا ہے تو میں اس سے پوچھ لیتا ہوں کہ یہ معاملہ تمھیں پیش آیا ہے اور اپنے عمل کے لئے پوچھتے ہو یا کچھ اور ہے اگر وہ دوسروں کا معاملہ بتلائے تو اس کو جواب نہیں دیتا۔ کہہ دیتا ہوں جس کا معاملہ ہے اس کو بھیجو یا وہ خود بذریعہ خط دریافت کرے۔

نوکروں کو بھی انکی وسعت سے زیادہ تکلیف دینا درست نہیں

۱۷: فرمایا کہ مجھے اس کا بڑا خیال رہتا ہے کہ کسی سے اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام لیا جائے۔ میں اپنے ذاتی ملازموں سے بھی کہہ دیتا ہوں کہ جو کام تم پر گراں ہو فوراً کہہ دیا کرو کہ یہ مجھے مشکل ہوگا۔ ہم اس کا کوئی دوسرا انتظام کر لیں گے۔

بزرگوں کی شان میں گستاخی باطن کے لئے سخت مضر ہے بعض اوقات نا قابلِ علاج ہو جاتی ہے

۱۸: حضرت گنگوہیؒ نے نقل فرمایا کہ تفسیر سورۂ یوسف منظوم کے مصنّف، حضرت میاں جی صاحب کی شان میں کچھ گستاخانہ الفاظ کہا کرتے تھے۔ پھر متنبہ ہوا۔ توبہ کی اور حضرت میاں جی صاحب سے بیعت کی درخواست کی۔ بیعت کر لیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد تنہائی میں ان سے فرمایا کہ میاں اشرف! اس طریق کی بنیاد اخلاص پر ہے اس لیے تم سے بات چھپانا نہیں چاہتا۔ بات یہ ہے کہ میں جب بغرض افاضہ تمھاری طرف توجہ کرتا ہوں تو تمھارے وہ سب کلمات جو پہلے کہے تھے میرے سامنے آکر حائل ہو جاتے ہیں۔ ہر چند تمھیں نفع پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں مگر اس کی صورت نہیں بنتی اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم کسی اور شیخ سے بیعت کر لو۔ میں بھی تمھاری سفارش کر دوں گا۔ (انتہیٰ)

احقر جامع کہتا ہے کہ یہ کوئی حقد و کینہ نہیں بلکہ غیر اختیاری امر ہوتا ہے جس کا انسان مکلّف نہیں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشیؓ کو مسلمان ہونے کے بعد ہدایت فرمائی

کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو مجھے حضرت حمزہؓ کا صدمہ تازہ ہو جاتا ہے۔ وہ تمھارے لیے مضر ہوگا۔

دعا کافر کی بھی قبول ہوسکتی ہے

۱۸: فرمایا کہ آیت قرآن وما دعاء الکفرین الا فی ضلال سے استدلال کر کے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ کافر کی دعاء قبول نہیں ہوتی کیونکہ یہ آیت آخرت کے معاملہ میں ہے وہاں کسی کی کوئی دعاء قبول نہ ہوگی۔ دنیا میں حق تعالیٰ سب کی دعاء قبول کرتے ہیں یہاں تک اکفر الکفار ابلیس کی دعاء قبول فرمائی اور دعاء بھی ایسی عجیب قسم کی کہ مجھے قیامت تک عمر طویل دے دیجئے تاکہ میں اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہوں۔ حق تعالیٰ نے یہ دعاء بھی قبول فرما کر انک من المنظرین کا اعلان فرمادیا۔

تصوف کی حقیقت فنا ہے یعنی اپنی خواہشات کو مرضی مولیٰ پر قربان کرنا

۱۹: ارشاد فرمایا کہ لوگ اس طریق میں سالک ہونے کو بڑی چیز سمجھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اصل چیز سالک ہونا نہیں ہالک ہونا ہے یعنی اپنے کو مٹا دینا۔ اور مٹا دینا بھی وہ معتبر ہے کہ اس مٹانے کو بھی مٹا دے کہ اس کی طرف کوئی التفات نہ ہو جیسے اصلی اور گہری نیند وہی ہے جس میں سونے والے کو اپنے سونے کی بھی خبر نہ رہے ورنہ پھر وہ نیند نہیں اس کو اونگھ کہیں گے۔

مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ!
جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(انتہیٰ)

حضرتؒ نے عبادت اطاعت کی اصلی روح کی طرف ہدایت فرمائی ہے کہ کمالات علمی ہوں یا عملی، کتنے ہی مجاہدے اور عبادات ہوں اپنی ذات میں مقصود نہیں مقصود تو رضائے حق جل شانہ ہے اور رضائے حق انسان کے عجز و انکسار اور شکستگی کے احساس میں ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد

بھی اپنے کو قاصر سمجھے اور اپنی کوتاہی پر استغفار کرے۔ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی برابر کون عبادت و طاعت کر سکتا ہے مگر ان کا بھی یہی عمل تھا کہ ساری رات عبادت کرنے کے بعد بھی استغفار کرنے کو ضروری سمجھتے تھے۔

وبالا سحارھم یستغفرون. یعنی اللہ کے مقبول وہ بندے ہیں جو رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارتے ہیں اور آخر شب میں استغفار کرتے ہیں۔

اس میں علماء خطباء مصنفین اور اسلامی معاملات میں جدوجہد کرنے والوں کے لئے اہم ہدایت ہے کہ یہ کوئی نازکی اور فخر کی چیز نہیں۔ بلکہ جو کمال یا جو نیک عمل کسی سے ہوا ہے اس سب کو حق تعالٰی کا عطیہ سمجھ کر اس پر شکر گزار ہو۔ اور اس میں حق تعالٰی کی شان جلال کے مطابق نہ ہونے کی جو کوتاہی لازمی ہے اس سے استغفار کرے۔

جب تک امراض باطنہ کا علاج نہ ہو بعض اوقات ذکر و شغل نفلی عبادات مضر ہو جاتی ہیں

۲۰: فرمایا کہ جس طرح لطیف غذا خلط غالب کی طرف مستحیل ہو جاتی ہے جس کے جسم میں صفراء بڑھا ہوا ہے غذا میں احتیاط نہ کی جائے تو وہ بھی صفراء ہی بڑھاتی ہے اس لئے مسہل کی ضرورت ہے مقوی غذا بعد میں دی جاتی ہے۔ اس طرح امراض باطنہ عُجب، تکبر، ریاء کے موجود ہوتے ہوئے اذکار و اوراد کی کثرت بعض اوقات مرض کو بڑھا دیتی ہے یہاں بھی مجاہدات کا مسہل دینے کی ضرورت ہے تا کہ نیک عمل کر کے عُجب و کبر میں مبتلا نہ ہو جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امراض باطنہ کی اصلاح کو اذکار و اوراد پر مقدم کرنا چاہیے۔ (انتہٰی)

متقدمین صوفیاء میں اس کا بڑا اہتمام تھا اب لوگوں کو توجہ نہیں رہی اسی لئے مشائخ کی خدمت میں رہ کر ذکر و شغل میں مشغول رہنے کے باوجود بہت سے لوگوں کی اصلاح نہیں ہوتی۔ امراض باطنہ جو درحقیقت کبیرہ گناہ ہیں وہ جوں کے توں رہتے ہیں یہ کچھ خوابیں دیکھ کر اپنے کو ولی اور مقبول

سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ معاصی کی عادت کے ساتھ ولایت و مقبولیت کبھی جمع نہیں ہوتی۔

اس طریق کا اصل مقصود اعمال باطنہ کی اصلاح ہے اذکار و اوراد معین ہیں

۲۱: فرمایا کہ ہر طبقہ میں رسوم غالب آ جاتی ہیں تو حقائق مستور ہو جاتی ہیں سلوک و تصوف کا اصل مقصد اوراد و اشغال نہیں۔ یہ چیزیں معین مقصود ضرور ہیں مگر اصل مقصود اعمال باطنہ کی اصلاح ہے جب تک وہ نہ ہو اوراد و اشغال کا بھی پورا نفع نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اوقات عُجب و کبر میں مبتلا ہو جانے کے سبب مضر بھی ہو جاتے ہیں۔

فرمایا کہ "اگر کوئی کہے کہ اصلاح اعمال باطنہ کے طریقے تو تصوف کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں ان کو دیکھ کر انسان اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ پھر شیخ کی کیا ضرورت تو جواب یہ ہے کہ بدن انسانی کے امراض کے معالجات بھی طب اور ڈاکٹری کی کتابوں میں پورے لکھے ہوئے موجود ہیں پھر طبیب اور ڈاکٹر کی ضرورت کیوں محسوس کی جاتی ہے جو ضرورت یہاں ہے وہی امراض باطنہ میں بھی ہے" (انتہیٰ)

اور اگر غور کیا جائے تو امراض جسمانی سے جو جسم کو تکلیف پہنچتی ہے اس کو تو خود مریض بھی محسوس کرتا ہے اسی لئے طبیب اور ڈاکٹر کی تلاش کرتا ہے طبیب کی ضرورت اسباب مرض اور تجویز دوا کے لئے ہوتی ہے باطنی امراض جن کو اصطلاح میں رذائل کہا جاتا ہے جیسے عُجب، غرور، تکبر، ریاء، حرص دنیا، حسد وغیرہ یہ ایسے مخفی امراض ہیں کہ اکثر اوقات مریض کو ان کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ میں بیمار ہوں اس لئے کسی علاج و دواء کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔ شیخ کامل جو باطنی امراض کا حاذق طبیب ہوتا ہے اسی کو یہ کام بھی کرنا پڑتا ہے کہ مریض کو یہ بتلائے کہ تجھ میں فلاں مرض ہے۔

تو طبیب ڈاکٹر کے تو دو ہی کام ہیں تشخیص مرض اور تجویز دواء مگر اس باطنی طبیب کو تیسرا کام یہ بھی کرنا پڑتا ہے کہ بے خبر ناواقف مریض جو اپنے کو تندرست سمجھ رہا ہے اس کو اس کی بیماری پر متنبہ بھی کرے۔ اور آج کل کثرت اسی صورت حال کی ہے کہ کتابوں کے عموم اور غفلت کے

اسباب کثیرہ جمع ہونے کے سبب عام طور پر اپنے امراض باطنہ کی طرف دھیان ہی نہیں ہوتا۔ عوام کا تو کیا کہنا ہے خاص علماء بھی بکثرت اس میں مبتلا ہیں۔ اپنے امراض باطنیہ پر تنبہ صرف بزرگوں کی صحبت اور ان کی کتابیں دیکھنے سے یا پھر شیخ کی تنبیہہ ہی سے ہوتا ہے۔

استغناء کے ساتھ مخاطب کی دلجوئی اور اصلاح خلق کے خاص آداب

۳۲: نواب ڈھاکہ سلیم اللہ صاحب حضرت حکیم الامۃ کے شیدائی تھے ان کی تمنا تھی کہ کسی طرح حضرت ڈھاکہ تشریف لاویں۔ یہاں سب خاندان کے لوگ اور عام مسلمان آپ سے استفادہ کریں۔ طویل کوشش کے بعد چند شرائط کے ساتھ تشریف لے جانا منظور فرمالیا ان شرائط میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مجھے کوئی ہدیہ پیش نہ کیا جائے۔ اور ایک شرط یہ تھی کہ میری کوئی مجلس نواب زادوں اور امراء کے لئے مخصوص نہ کی جائے۔ مجلس عام ہوگی جس میں عوام غرباء بھی ہوں گے امراء کے لئے کوئی خاص امتیاز نہیں ہوگا۔ غلبہ اشتیاق کی وجہ سے نواب صاحب نے سب شرائط منظور کر لیں۔ اب ان کا دل چاہا کہ حضرت کا استقبال اوس پیمانہ پر کریں جس پر واسرائے کا استقبال ریاست میں کیا جاتا ہے مگر جانتے تھے کہ بلا اجازت کوئی کام کیا تو حضرت وہیں سے واپس ہوجاویں گے اس لئے بذریعہ تار دریافت کیا حضرت نے تار سے جواب دیا کہ ''خلافِ شریعت ہے'' انہوں نے دوسرا تار بھیجا کہ اچھا سادہ مگر بڑا اجتماع کرنے کی اجازت دے دیجئے اس پر تار سے جواب دیا ''خلاف طبیعت ہے'' مجبور ہو کر معمولی طور پر استقبال کیا حضرت ڈھاکہ میں تشریف فرما ہوئے۔ نواب صاحب کو ہدیہ نہ دینے اور مجلس میں نواب زادوں کے لئے امتیاز نہ کرنے کی دونوں شرطیں نبھانا سخت دشوار ہو رہا تھا اسلئے ایک حیلہ یہ کیا کہ خاندان کے بچوں کی بسم اللہ حضرت سے کرائی اور نوابوں کی عادت کے مطابق اقرباء واحباب کی دعوت بڑے پیمانہ پر کی۔ پھر حضرت سے آ کر عرض کیا کہ ہمارے خاندان میں یہ عادت ہے کہ ایسے موقع پر اپنے بزرگوں کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کرتے ہیں میں شرط کے مطابق وعدہ کا پابند ہوں مگر اس موقع پر کچھ ہدیہ پیش نہ کیا تو خاندان میں میری رسوائی ہوگی۔ اگر آپ موقع کو مستثنیٰ فرما کر ہدیہ قبول فرمالیں تو

میں رسوائی سے بچ جاؤں گا۔ حضرت نے تاڑ لیا کہ یہ سب دھندا اسی کام کے لئے کیا گیا ہے۔

فرمایا اس میں کیا اشکال ہے آپ اپنے خاندان اور احباب کے مجمع میں جو کچھ بھی ہدیہ پیش کرنا چاہیں پیش کر دیں میں سب کے سامنے قبول کر لوں گا۔ مگر پھر تنہائی میں آپ کو واپس لینا ہوگا۔ آپ کی بھی سبکی نہ ہوگی میری وضع کے بھی خلاف نہ ہوگا نواب صاحب عاجز ہو کر رہ گئے۔

احقر جامع کہتا ہے کہ آگے کی بات یاد نہیں کہ پھر انہوں نے شرط مذکور کے مطابق ہدیہ پیش کش پھر واپسی پر عمل کیا یا اپنا حیلہ چلتا نہ دیکھ کر اس ارادہ کو ہی چھوڑ بیٹھے۔

دوسری شرط نواب صاحب کو اس لئے کھل رہی تھی کہ خاندان کے نواب زادے امیروں کی عادت کے مطابق عوام اور غرباء کی صف میں آ کر بیٹھنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے اور نتیجہ یہ رہا کہ وہ حضرت کے افادات سے محروم رہتے تھے۔ نواب صاحب اپنی مانی ہوئی شرط کے خلاف مجلس میں کوئی امتیاز کر نہیں سکتے۔ اس کے لئے ایک حیلہ یہ ڈھونڈا کہ شہر سے پندرہ بیس میل دور کسی باغ میں حضرت کے لے جانے کا پروگرام بنایا اور ان سب نواب زادوں اور امراء کو وہاں جمع کر دیا۔ عام اعلان نہیں کیا۔ حضرت تشریف لے گئے مگر ہوا یہ کہ کچھ غریب غرباء خبر پا کر وہاں بھی پہنچ گئے اور پھر حضرت کی شرط کے مطابق عمل یہی ہوا کہ غریب و امیر ایک ہی صف میں بیٹھے اب وعظ کا موضوع بھی حضرت کے لئے متعین ہو گیا۔ کیونکہ حضرتؒ کبھی وعظ برائے وعظ نہیں کہتے تھے بلکہ مقامی ضرورتوں اور مخاطبین کے خاص حالات پر نظر کر کے کوئی موضوع وعظ کا تجویز فرمانے کی عادت تھی۔ اس میں بعض اوقات غور و فکر اور تحقیق احوال کی ضرورت بھی پیش آتی تھی۔ اب موضوع وعظ خود اس امیری کے تکبر کی اصلاح ٹھہر گیا۔ وہ وعظ تو خاصا طویل ہے یہاں نقل کرنے کا موقع نہیں مگر اس کا فوری نتیجہ یہ ظاہر ہو گیا کہ نواب زادوں اور غرباء سے الگ رہنے والے امراء کو اپنی اصلی حقیقت معلوم ہو گئی۔ اور عدم حاضری کی یہ بنیاد ہی منہدم ہو گئی پھر حضرتؒ کی عام مجلسوں میں سب حاضر ہونے لگے۔

یہ تھا تبلیغ و دعوت کا وہ پیغمبرانہ اور حکیمانہ طریقہ جس نے بڑے بڑے مغروروں کو سیدھا کر دیا۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں جانتا ہوں کہ ہدیہ قبول کرنا سنت ہے اور اسی لئے اکثر قبول کر بھی لیتا ہوں بشرطیکہ اس قبول کرنے سے میرے نفس کا یا دینے والے کے نفس کا کوئی دینی ضرر نہ ہو۔ نوابوں اور امراء کی اصلاح اس کے بغیر ہونا بہت دشوار ہے کہ ان کو پورا یقین ہو جائے کہ یہاں ہمارے پیسے سے کوئی تقرب اور خصوصیت حاصل نہ ہوگی بلکہ صرف اصلاحِ اعمال و اخلاق دینی ہی کے ذریعے خصوصی تعلق قائم ہوسکتا ہے ان لوگوں کے ساتھ جس طرح خوشامد کا معاملہ درست نہیں خشونت کا معاملہ بھی خلافِ سنت اور آدابِ دعوت کے منافی ہے آج کل اہل دعوت مصلحین امراء کے معاملے میں اسی افراط و تفریط میں پڑ جاتے ہیں اسی لئے اثر نہیں ہوتا بلکہ الٹا اثر ہوتا ہے۔

اچھا لباس پہننا کچھ برا نہیں بشرطیکہ تفاخر کے لئے نہ ہو

۲۳: فرمایا کہ اچھا لباس اپنا دل خوش کرنے کے لئے پہنا جائے تو جائز ہے مگر تفاخر کے لئے پہنا جائے تو جائز نہیں۔ اور دونوں میں فرق پہچاننے کے لئے علامت یہ ہے کہ جس کی خلوت اور جلوت میں فرق نہ ہو۔ دونوں حال میں اچھا لباس پہنتا ہے تو یہ علامت لطافت مزاج کی ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر ان دونوں میں فرق ہو کہ خلوت میں معمولی لباس اور جلوت میں عمدہ کا اہتمام ہو تو وہ تفاخر کے لئے ہے جو حرام ہے۔

کشف مغیبات کوئی دینی کمال نہیں وہ کافر اور مجنوں کو بھی ہوسکتا ہے لوگ ہر صاحب کشف کے معتقد ہو کر بعض اوقات گمراہ ہو جاتے ہیں

۲۴: ارشاد فرمایا کہ غائب چیزیں یا آئندہ ہونے والے واقعات کا کشف نہ کوئی دینی کمال ہے نہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تقرب کی علامت ہے اس کے لئے تو مسلمان یا عاقل ہونا بھی شرط نہیں۔ غیر مسلم کو بھی کشف ہوسکتا ہے مجنون کو بھی کشف صحیح ہوسکتا ہے۔ طب یونانی کی مشہور کتاب شرح اسباب میں دماغی امراض کے ذیل میں لکھا ہے کہ بہت سے پاگلوں کو کشف صحیح ہو جاتا ہے اور

کافروں فاسقوں کے کشف صحیح ہونے کے تو سینکڑوں واقعات دنیا میں معروف ومشہور ہیں۔

قدرۃ اللہ نامی ایک صاحب تھے جنھیں خود بخود کشف قبور ہونے لگا تھا اور کشف بھی اکثر صحیح ہوتا تھا مگر وہ نماز تک کے پابند نہیں تھے۔ وہ ایک قبر پر گئے تو بتلایا کہ صاحب قبر کھڑے ہوئے صندل کی تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ تحقیق کرنے پر ان کے ایک خاص دوست نے بتلایا کہ واقعی صاحب قبر صندل ہی کی تسبیح رکھتے تھے جس سے ان کو خاص محبت تھی اس لئے اس دوست سے کہا تھا کہ میرے دفن کے وقت یہ تسبیح میری قبر میں رکھ دینا۔ اس کے مطابق کیا گیا ہے۔

ایک مرتبہ قدرۃ اللہ صاحب ایک قبر کے پاس نماز پڑھنے لگے۔ اچانک چونک اٹھے اور کہا کہ اس قبر میں مردہ پر عذاب ہورہا ہے اور وجہ عذاب کی یہ ہے کہ اس کے پاس کسی شخص کی امانت تھی۔ اس نے طلب کیا تو یہ مکر گیا اور امانت واپس نہ دی۔ قدرۃ اللہ صاحب کو اس سے پہلے اس مردہ کا نام اور حال کچھ معلوم نہ تھا۔ جب تحقیق کی گئی تو اس کی بیوی نے اقرار کیا کہ واقعی بات صحیح ہے یہ میرے شوہر تھے انہوں نے فلاں شخص کی امانت لے کر واپس دینے سے انکار کردیا۔

غرض یہ کہ مغیبات کا کشف ایک جسمانی باطنی قوت کے تابع ہے وہ کافروں، فاسقوں، دیوانوں کو بھی کبھی حاصل ہوجاتی ہے اس سے کشف ہونے لگتا ہے اور کشف بھی اکثر صحیح ہوتا ہے ان چیزوں کو تقرب الی اللہ اور بزرگی میں کوئی دخل نہیں۔ آج کل لوگ عجائب پسند ہوگئے ہیں۔ جس کو صاحب کشف دیکھا اس کے معتقد ہوجاتے ہیں اور ان میں بہت سے لوگ خود گمراہ ہوتے ہیں دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

حق و باطل اور مقبول و مردود کا اصل معیار صرف اتباع شریعت و سنت ہے جو اس معیار پر پورا نہ اُترے وہ ولی و مقتدا نہیں گمراہ ہے خواہ اس کو کتنے ہی کشف صحیح ہوتے ہوں۔

ضعف و ناتوانی بھی ایک نعمت ہی ہے اس سے رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے

۲۵: فرمایا کہ ضعفاء اور بیکس و بے سامان کو رنجیدہ ہونے کے بجائے خوش ہونا چاہئے کیونکہ ماں باپ کمزور بچے کی حفاظت کی زیادہ فکر کرتے ہیں۔ (انتہی)۔

احقر جامع کہتا ہے کہ حق تعالیٰ جو مربی خلایق ہیں۔ ان کی نظر بھی ایسے کمزوروں خستہ حالوں پر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

انا عندالمنکسرۃ قلوبھم یعنی میں ان لوگوں کے پاس ہوتا ہوں جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں۔

دانائے روم نے خوب فرمایا ہے ؎

طفل تا گیران وتا پویان نبود | مرکبش جز گردن بابا نبود

اور دوسری جگہ فرمایا ؎

کاہلم و سایہ جسم در وجود | خفتم اندر سایۂ احسان وجود
کاہلان من سایۂ حسپان راگر | روز پیۓ بنہادۂ نی نوع دگر
طفل را چون پا نباشد مادرش | آید و ریزد وظیفہ بر سرش
چون زمین را پا نباشد جود تو | ابر را راند بسوئے او دو تو

قوت وضعف وسامان و بے سامانی سب خالق و مالک کی طرف سے ہے ہر ایک کے ساتھ اس کے آثار وخواص آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہر ایک کے ساتھ مختلف عنوان وصورت سے آتی ہیں اس لیے غیر اختیاری معاملات میں اللہ تعالیٰ نے جس کو جس حال پر پیدا فرما دیا ہے اور جس حال میں رکھا ہے اس کو عین حکمت ومصلحت سمجھ کر اس پر راضی رہنا چاہیے۔ غیر اختیاری امور سعی وعمل کا میدان نہیں۔ خلقی کمزور پہلوان بننے کی تمنا کرے۔ کالا آدمی گورا بننے کی ہوس کرے۔ نسبی طور پر کمزور اعلیٰ نسب بننے کی جدوجہد کرے یہ سب لغو وبیکار ہے ایسے لوگوں کو سمجھنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ حکیم ہیں ہمیں جس حال میں رکھا ہے ہمارے لئے وہی خیر اور بہتر ہے۔ دوسرا حال ہوتا تو معلوم نہیں ہم کس گمراہی کا شکار ہو جاتے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

لاتتمنّوا مافضل اللہ بہ بعضکم علی بعض ط یعنی ایسے امور کی تمنا بھی نہ کرو جن

میں اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دے دی ہے۔

اس کا تعلق غیر اختیاری اُمور سے ہے، اختیاری امور کا حکم اس سے مختلف یہ ہے کہ ان میں جدّ و جہد کر کے آگے بڑھنے کی فکر کرو۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

سابقوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السمٰوات والارض. یعنی آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کی طرف جس کا عرض تمام آسمانوں اور زمینوں پر محیط ہے۔

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ پر چند اشکالات اور لطیف جواب

۲۶: فرمایا کہ قرآن کریم میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بغرض تکمیلِ علم کے سفر کرنا مذکور ہے۔ اس میں حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی یہ وعدہ لے لیا تھا کہ وہ انکے کسی کام پر ٹوکیں گے نہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وعدہ پر کیوں قائم نہ رہے کہ بار بار ان کے کاموں پر ٹوکا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ وعدہ کا پورا کرنا اس صورت میں واجب ہے کہ اس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو۔ خلاف شرع تو وعدہ توڑنا لازم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایسا وعدہ جس کے خلاف کرنے پر دوسرے فریق کا کوئی ضرر اور نقصان نہ ہو اس کا ایفاء بھی واجب نہیں ہوتا۔

تین واقعے جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضرؑ کو ٹوکا۔ ان میں ایک واقعہ تو ظاہر شرع کے بالکل خلاف تھا کہ لڑکے کو قتل کر دیا۔ اور دو اور واقعے۔ کشتی توڑنے کا اور دیوار سیدھا کرنے کا گو خلاف شرع اور ناجائز نہ تھے مگر حالات کے تابع خلاف استحباب و مروت تھے۔ پیغمبر ان چیزوں پر صبر نہیں کر سکتے اور نہ کرنا چاہیے اس لئے مجبور ہو کر ٹوکا۔ خصوصاً یہ بھی معلوم تھا کہ ان چیزوں پر ٹوکنے میں حضرت خضر علیہ السلام کو کوئی ضرر اور نقصان نہیں۔ (انتہیٰ)

یہاں دو یا تین ادب شریعت کے متعلق اور قابل نظر ہیں اول تو یہ کہ شروع میں حضرت موسیٰ

علیہ السلام کو یہ تو معلوم نہیں تھا کہ واقعات ایسے پیش آویں گے جو شریعت کے خلاف ہوں اس لئے یہ وعدہ کرلیا کہ

ستجدنی ان شاء اللہ صابرا ولا اعصی لک امرا.	یعنی "آپ ان شاءاللہ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔

پھر جب کشتی توڑنے کا واقعہ پیش آیا تو اس کو مروت و اخلاق کے خلاف سمجھتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے

لقد جئت شیئا امرا.	یعنی "یہ کام تو آپ نے بہت عجیب کیا کہ اپنے احسان کرنے والے کشتی بانوں کو نقصان پہنچادیا"۔

اس وقت حضرت خضر نے وعدہ یاد دلایا تو موسیٰ علیہ السلام نے نسیان کا عذر کر کے آگے کو وعدہ کی پابندی کا اقرار کیا۔

مگر جب دوسری مرتبہ بچے کے قتل کا معاملہ سامنے آیا جو ظاہر شریعت کی رو سے بالکل حرام تھا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر شدت سے ٹوکا۔ اور حضرت خضرؑ نے پھر پچھلا قول و قرار یاد دلایا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی نسیان وغیرہ کا عذر بھی نہیں کیا اور آئندہ کے لئے اس وعدہ پر قائم رہنے کا فیصلہ بھی نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ اگر میں آئندہ آپ سے کوئی سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ وجہ یہ تھی کہ ایک اللہ کا نبی اپنے منصبی فریضہ کی بناء پر کھلے ہوئے خلاف شرع پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ اور نہ اس کا وعدہ کر سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تو شریعت کے آداب کی پابندی اس طرح واضح ہوگئی اور دوسری طرف حضرت خضر علیہ السلام نے بھی ظاہر شریعت کے احترام کو ملحوظ رکھا کہ لڑکے کا قتل جو شریعت کی رو سے حرام تھا اس واقعہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جدا نہیں کیا بلکہ تیسرے واقعہ میں جو دیوار کے سیدھا کرنے کا معاملہ تھا وہ کسی طرح بھی خلاف شرع نہیں تھا۔ خلافِ

مصلحت کہا جا سکتا تھا اس پر بھی جب حضرت موسٰی علیہ السلام نے ٹوکا تو اس وقت فرمایا

هذا فراق بيني و بينک۔ یعنی ''اب ہمارے اور تمھارے درمیان جدائی کا موقع آ گیا۔''

دیکھئے اس پورے واقعہ میں شریعت کے احترام کا دونوں طرف سے کس طرح اہتمام کیا گیا ہے۔ اب جاہل مدعیان تصوف نے اس واقعہ کا یہ نتیجہ نکال رکھا ہے کہ شریعت اور چیز ہے طریقت اور چیز۔ جو چیزیں شریعت میں حرام ہیں وہ طریقت میں جائز ہو سکتی ہیں۔ معاذ اللہ یہ کھلا ہوا انکار شریعت ہے۔ طریقت کی حقیقت شریعت پر عمل کرنے سے زیادہ کچھ نہیں۔ جو طریقت شریعت کے خلاف ہو وہ الحاد و زندقہ ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ اس واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام نے خلاف شرع کام کو کیسے اختیار کر لیا جس پر موسٰی علیہ السلام کو اعتراض کرنا پڑا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بھی اللہ کے نبی اور صاحب وحی تھے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پا کر اس پر عمل کر رہے تھے اور شریعت کے مقررہ قانون میں خود وحی الٰہی کے ذریعہ تبدیلی اور استثنائی صورتیں ہونا کوئی امر مستعبد نہیں مگر حضرت موسٰی علیہ السلام کو اس وحی کی خبر نہ تھی جس نے حضرت خضر علیہ السلام کے لئے شریعت کے عام قاعدہ سے اس واقعہ کو مستثنٰی کر دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے ضابطۂ شریعت کے مطابق اس پر اعتراض کرنا ضروری سمجھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں جو بھائیوں کی طرف چوری منسوب کرنا مذکور ہے اگرچہ انہوں نے چوری نہیں کی تھی۔ ایسی حالت میں ان کو چور قرار دینا شرعاً جائز نہیں تھا۔ اس کی بھی یہی توجیہہ ہو سکتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام صاحب وحی ہیں، ان کو بطور استثناء یہ اجازت مل گئی ہوگی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ شکل صرف اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ایسا کرنے والا نبی اور صاحب وحی ہو۔ کوئی ولی صاحب کشف و الہام ایسا ہرگز نہیں کر سکتا کیونکہ کشف و الہام کوئی حجت شرعی نہیں اس کے ذریعہ شریعت کے کسی قاعدہ میں ترمیم یا استثناء نہیں ہو سکتا۔ جاہل صوفیوں نے

جواس واقعہ کو خلاف شرع امور کے ارتکاب کے لئے وجہ جواز بنالیا ہے وہ سراسر گمراہی ہے۔ اب نہ کوئی نبی آ سکتا ہے نہ کسی پر وحی آ سکتی ہے نہ شریعت کے حکم کے خلاف کوئی استثناء ہوسکتا ہے۔

کسی بزرگ کی افضلیّت معلوم کرنے کے لئے دلائل اور صفات کمال معلوم کر لینا کافی نہیں

۲۷: فرمایا کہ محض صفات کمال اور دلائل کے ذریعہ یہ متعین نہیں کیا جا سکتا کہ فلاں بزرگ فلاں سے افضل ہے بلکہ اس کا اصل مدار اس پر ہے کہ ان کے معاصر بزرگ اور علماء ان دونوں میں سے کس کو افضل و اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ جس کو وہ افضل سمجھیں وہی افضل ہے۔

صالحین سے بھی غلطی ہوسکتی ہے مگر جب انکو متنبہ کیا جائے تو فوراً باز آ جاتے ہیں

۲۸: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے قرن اوّل میں صدر مدرس تھے۔ اوائل عمر میں ان کو سرکاری ملازمت کی نوبت آئی۔ اجمیر شریف میں مدارس کے انسپکٹر مقرر ہوئے۔ وہاں ایک صاحب فن موسیقی کے بڑے استاد اور ماہر تھے۔ مولانا جامع علوم وفنون اور ہر فن میں بڑے محقق تھے۔ ہر علم وفن کے حاصل کرنے کا شوق تھا اس ماہر موسیقی سے یہ فن بھی سیکھ لیا اور اس فن میں بڑے ماہر ہو گئے۔

ایک روز اپنے بالا خانہ پر موسیقی میں مشغول تھے نیچے سے ایک مجذوب گزرے اور پکار کر کہا!

''مولوی تیرا یہ کام نہیں تو دوسرے کام کے لئے ہے''۔

یہ سننا تھا کہ اس کام سے بالکل نفرت ہوگئی۔ اور اسی وقت توبہ کر لی۔ ان کی توبہ کی خبر ان کے استاد کو پہنچی تو اس نے بھی توبہ کر لی۔ (انتہٰی)

۱۴ رمضان ۱۳۴۷ھ

ایک مختصر جامع دعاء

۲۹: فرمایا کہ نماز کے بعد کے لئے میں نے ایک مختصر جامع دعاء اختیار کر رکھی ہے جس میں اپنے

اور سب مسلمانوں کے لئے دین ودنیا کے سارے مقصد کی دعاء آجاتی ہے وہ یہ ہے اللھم کل خیر لکل مسلم و مسلمة ۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی حکیمانہ نصیحت

۳۰: فرمایا حضرت مولانا محمد یعقوبؒ بڑے حکیم اور دانش مند تھے۔ اپنے طلباء اور مریدین کو نصیحت فرماتے تھے کہ علمی سبق ہو یا ذکر و تسبیح ۔اس کے لئے جتنا وقت متعین کیا ہے اس کو بالکل آخر تک نہ پہنچاؤ ذرا پہلے چھوڑ دو۔اس کا اثر یہ ہوگا کہ دوبارہ اس کام کی طرف جلد رغبت ہوگی اور اگر آخر تک پہنچا کر اور تھک کر چھوڑا تو دوسرے وقت اس کی طرف رغبت جلد نہ ہوگی جیسا اطباء کا قول ہے کہ کھانا بالکل پیٹ بھر کر نہ کھاؤ بلکہ تھوڑی سی بھوک اور رغبت باقی ہو اس وقت چھوڑ دو تو دوسرے وقت کھل کر بھوک لگے گی ۔اور فرمایا کہ بچوں کا کھیل چکٹی یا چکڈ ورد یکھتے ہو کہ جب اس کو چلاتے ہیں تو تھوڑا سا ڈورا اس پر لپٹا ہوا چھوڑ دیتے ہیں تا کہ وہ آسانی سے واپس آجائے اگر پوری ڈور کھول دیں تو پھر لپیٹنے اور واپس آنے میں بڑی دیر لگتی ہے۔

نوعمر لڑکوں سے اختلاط میں احتیاط لازم ہے

۳۱: فرمایا کہ میں نے اپنے لوگوں کو ممانعت کر دی تھی کہ تصنیف کے کمرہ میں جہاں میں تنہا ہوتا ہوں کسی نوعمر لڑکے کو نہ بھیجا کریں مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں ۔اس کا اثر یہ ہوا کہ خانقاہ کے سب لوگ لڑکوں سے پرہیز اور احتیاط کرنے لگے۔

اصلاحِ خلق میں حسن تدبیر کے چند واقعات

جگر مرادآبادی شاعرِ مرحوم کی شراب سے توبہ کا واقعہ

۳۱: شاعرانہ آزادی کے زمانہ میں مرحوم کو اس بلاء کی عادت پڑ گئی تھی مگر قدرت نے دل میں

بزرگوں کی محبت وعقیدت رکھ دی تھی اسی نے دستگیری کی اور اس دنیا وآخرت کے عذاب سے مکمل نجات حاصل ہوئی۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک روز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی مجلس میں میں احقر بھی حاضر تھا۔ ہمارے محترم بزرگ خواجہ عزیز الحسن نے یہ ذکر کیا کہ جگر مرادآبادی سے ایک مرتبہ میری ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ تھانہ بھون جانے اور حضرت کی زیارت کرنے کو بہت دل چاہتا ہے۔ مگر میں اس مصیبت میں مبتلا ہوں کہ شراب کونہیں چھوڑ سکتا اس لئے مجبور ہوں کہ کیا منہ لے کر وہاں جاؤں۔

حضرتؒ نے پوچھا کہ پھر آپ نے کیا جواب دیا۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ میں نے کہہ دیا کہ ہاں یہ بات تو صحیح ہے ایسی حالت میں بزرگوں کے پاس جانا کیسے مناسب ہوسکتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ واہ خواجہ صاحب ہم تو سمجھتے تھے کہ اب آپ طریق کو سمجھ گئے ہیں مگر معلوم ہوا کہ ہمارا یہ خیال غلط تھا۔

خواجہ صاحب نے تعجب کے ساتھ سوال کیا کہ حضرت اگر میں یہ جواب نہ دیتا تو پھر کیا کہتا۔ حکیم الامۃ قدس سرہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیتے کہ جس حال میں ہو اسی میں چلے جاؤ ممکن ہے کہ یہ زیارت وملاقات ہی اس بلاء سے نجات کا ذریعہ بن جائے۔ حضرتؒ درحقیقت حکیم الامۃ اور امراض نفسانی کے حاذق طبیب تھے آپ نے جگر صاحب کے طرزِ کلام اپنے فعل پر ندامت اور بزرگوں کی محبت کے داعیہ سے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ یہ آئیں گے تو ان کی اصلاح ہوجائیگی۔ اسلئے مذکورہ جواب دیا۔

خواجہ صاحب یہاں سے واپس گئے تو پھر اتفاقاً جگر صاحب سے ملاقات ہوگئی اور یہ سارا واقعہ جگر صاحب کو سنادیا۔ ان کی ہدایت واصلاح کا وقت آگیا تھا۔ حضرتؒ کے یہ کلمات سنتے ہی زار زار رونا شروع کیا اور بالآخر یہ عہد کرلیا کہ اب مر بھی جاؤں تو اس خبیث چیز کے پاس نہ جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شراب کے چھوڑنے سے بیمار پڑ گئے۔ حالت نازک ہوگئی اس وقت لوگوں

نے کہا کہ آپ کی اس حالت میں بقدر ضرورت پینے کی تو شریعت بھی اجازت دے گی۔ آپ خود حضرت حکیم الامۃ سے مسئلہ دریافت کر لیجئے۔

مگر وہ جگر والے آدمی تھے عزم پختہ کر چکے تھے۔ سب کے جواب میں کہا کہ اب تو چھوڑ چکا ہوں۔ اگر میری زندگی مقدر ہے تو ان شاء اللہ اس کو چھوڑ کر ہی زندہ رہوں گا اور اللہ کے نزدیک وقت مقدر آ گیا ہے تو آخر وقت میں اس ناپاک ام الخبائث سے اپنے منہ اور زبان کو کیوں ناپاک کروں۔

اللہ تعالیٰ اہل عزم و ہمت کی مدد فرماتے ہیں۔ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی مدد اور قدرت کاملہ سے چند روز کے بعد شفاء کامل حاصل ہوئی۔ اب ظاہر اور باطنی مرض سے شفاء حاصل کرنے کے بعد تھانہ بھون کا قصد کیا جس روز وہ تشریف لائے۔ اتفاقاً احقر اس روز بھی تھانہ بھون میں حاضر تھا۔ حضرتؒ نے بڑے احترام اور محبت کا معاملہ فرمایا۔ اور دیر تک معارف و حقائق کا بیان ہوتا رہا جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت نے ان سے فرمایا کہ مجھے آپ کا ایک شعر ہی بہت پسند ہے۔ بار بار پڑھا کرتا ہوں اگر میں کسی شاعر کو شعر پر انعام دیتا تو اس شعر پر آپ کو بہت بڑا انعام دیتا وہ شعر یہ ہے ۔

میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

اب یہ یاد نہیں کہ خود جگر صاحب نے درخواست کی کہ میں اپنی کوئی غزل سناؤں یا حاضرین مجلس میں سے کسی نے درخواست کی جس پر حضرت نے اجازت دے دی اس وقت جگر صاحب مرحوم نے اپنی چند غزلیں مجلس میں سنائیں ایک غزل کے تین یہ شعر مجھے یاد رہ گئے۔

بے کیف مئے ناب ہے معلوم نہیں کیوں!   پھیکی شب مہتاب ہے معلوم نہیں کیوں
ساقی نے دیا تھا جو بصد عرض تمنا   وہ جرعہ بھی زہر آب ہے معلوم نہیں کیوں
دل آج بھی سینے میں دھڑکتا تو ہے لیکن   کشتی سے تہِ آب ہے معلوم نہیں کیوں

یہ پہلی ملاقات کی باتیں تھیں ۔اس کے بعد تو آمدورفت اور خط و کتابت کا سلسلہ چل پڑا جن میں بعض خطوط غالباً شائع بھی ہو چکے ہیں۔

کالج کے ایک طالب علم کا واقعہ

۳۲: غالباً شملہ کے کسی کالج میں حضرتؒ کا بیان ہوا۔مخاطب کالج کے لڑکے اور اساتذہ تھے۔اس بیان میں حضرتؒ جدید تعلیم سے پیدا شدہ شبہات کا ذکر فرمارہے تھے جو اسلام کے اصول وفروع کے متعلق اکثر لوگوں کو پیش آتے ہیں حضرتؒ نے فرمایا کہ ان شبہات و اشکالات میں صرف نصاب تعلیم ہی کا قصور نہیں بڑا سبب وہ کالجوں کا لادینی ماحول ہے جس میں ہماری نئی نسل پلتی اور ڈھلتی ہے جسکی وجہ سے قلوب میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی وہ عظمت ومحبت باقی نہیں رہتی جو ایمان کے لئے ضروری ہے اور یہ عظمت ومحبت بزرگوں کی صحبت ومجالست سے نصیب ہو سکتی ہے اور پھر فرمایا کہ بزرگ علماء وصلحاء کی مجلسیں بحمد اللہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ قائم ہیں۔ کچھ دن اس ماحول میں رہنے کی عادت ڈالیں اور زیادہ نہیں تو اپنی تعطیلات کا کچھ حصہ ہی اس کام کے لئے خرچ کریں۔ اگر وہ ایسا کرلیں گے تو مجھے امید ہے کہ شبہات کا بیج ہی دلوں میں سے نکل جائے گا اور خود بخود صحیح جواب سمجھ میں آنے لگے گا۔

غالباً اسی مجلس میں ایک صاحب نے یہ سوال کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کو انگریزی پڑھنے والوں سے نفرت ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ان لوگوں سے کوئی نفرت نہیں البتہ ان کے بعض اعمال وافعال سے نفرت ہے جو شریعت کے خلاف ہیں۔یہ صاحب بولے کہ وہ اعمال و افعال کیا ہیں؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ مختلف لوگوں کے مختلف اعمال ہیں سب یکساں نہیں۔ یہ صاحب بھی خوب آزاد آدمی تھے کہنے لگے مثلاً مجھ میں کیا ہیں۔آج کل کے عام وضع طلباء کی طرح ان کی بھی داڑھی صاف تھی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بعض چیزیں تو ظاہر ہیں مگر مجمع میں اس کا اظہار کرنے سے حیاء مانع ہے اور باقی آپ کے حالات ومعاملات مجھے معلوم نہیں جس پر کوئی رائے ظاہر کرسکوں۔

یہ جلسہ ختم ہوا۔ حضرت تھانہ بھون واپس آ گئے۔ پھر اتفاقاً کالج کی تعطیل ہوئی تو ایک طالب علم کا خط آیا (یہ مجھے یاد نہیں کہ یہ وہی طالب علم تھے جنھوں نے سوالات کئے تھے یا کوئی اور) خط میں لکھا تھا کہ ہماری اس وقت تعطیل ہے میں آپ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق کچھ دن آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں مگر میری ظاہری صورت بھی شریعت کے مطابق نہیں۔ اور اعمال و افعال میں بھی بہت گڑ بڑ ہے ان حالات میں حاضری کی اجازت ہو تو میں حاضر ہو جاؤں۔ حضرتؒ نے تحریر فرمایا کہ جس حالت میں ہیں چلے آئیں کوئی فکر نہ کریں۔ یہ صاحب آ گئے اور عرض کیا کہ مجھے بہت سے شبہات و اشکالات ہیں ان کو حل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ مناسب ہے مگر اسکی صورت یہ کرنا ہوگی کہ آپ کے جتنے شبہات ہیں ان سب کو لکھ لیں۔ اور آپ مجلس میں بیٹھ کر ہماری باتیں سنیں کوئی سوال نہ کریں۔ جب آپ کی مدت قیام کے تین دن رہ جائیں اس وقت یاد دلائیں تو میں آپ کو سوالات کرنے کا مستقل وقت دوں گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جو سوالات آپ اپنے پاس لکھ کر رکھیں گے اگر اس عرصہ میں کسی کا جواب سمجھ میں آ جائے تو اس کو کاٹ دیں۔

ان صاحب نے اس طرح تعمیل کی۔ رخصت سے تین روز پہلے جب حضرت نے ان کو سوالات کا وقت دیا تو انہوں نے بتلایا کہ میرے سوالات کی بہت طویل فہرست تھی مگر دورانِ قیام اور حضرتؒ کی باتیں سنتے سنتے ان میں سے اکثر سوالات کے جوابات خود سمجھ میں آ گئے ان کو کاٹتا رہا اب صرف چند سوال باقی ہیں۔ اس مجلس میں وہ باقی ماندہ سوالات پیش کئے تو بڑی آسانی سے ان کے جوابات بھی حضرتؒ نے بتلا دیئے اور یہ صاحب ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو کر تشریف لے گئے۔

ایک دوسرے طالب علم کا ایسا ہی واقعہ

۳۳: غالباً علی گڑھ کالج کے ایک طالب علم نے حضرتؒ کی خدمت میں خط لکھا کہ میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں مگر میری شکل و صورت اور لباس وغیرہ بھی شریعت کے خلاف ہے اور اعمال

بھی۔ مجھے اجازت دیں تو حاضر ہو جاؤں۔

اس کے جواب میں حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ اعمال کے اعتبار سے آپ کا ظاہر خراب ہے اور میں اپنے تجربہ کی بناء پر جانتا ہوں کہ میرا باطن خراب ہے دونوں کے مرض مختلف ہیں۔ اگر ایک طرح کا مرض دونوں کا ہوتا تو مل بیٹھتے۔ اس حالت میں تکلیف کرنا مناسب نہیں۔

یہ دونوں واقعات حضرتؒ نے خود سنائے اور فرمایا کہ پہلے شخص کے خط پر دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ اطمینان پیدا کر دیا کہ ان کو نفع کی توقع نہیں۔ اس لئے روک دیا۔

مگر یہاں یہ بات خاص طور سے قابلِ نظر اور یاد رکھنے کی ہے کہ روکنے کے لئے جو عنوان حضرت حکیم الامت نے اختیار فرمایا اس میں مخاطب کی رعایت بھی ہے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو اور ان پر کوئی عیب گیری بھی نہ ہو اور اپنے نفس کی اصلاح بھی کہ اپنی پاکی اور نیکی کا دعویٰ بھی نہ ہو۔ حضرتؒ کے کلام میں اس طرح کی دقیق رعایتیں عموماً ہوتی ہیں جو ہر ایک کے لئے آسان نہیں۔

نیکی کی طرف جو قدم بھی اٹھے نفع سے خالی نہیں

۳۴: ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم نے ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جو آخر شب میں عبادت کے لئے اپنے بستر چھوڑ دیتے ہیں تتجافی جنوبھم عن المضاجع کا یہی مفہوم ہے اس کے اصلی مصداق تو وہی لوگ ہیں جو بستر چھوڑ کر وضوء کر کے نماز و عبادت میں مشغول ہو جائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص دینی کمزوری یا سستی کے سبب یہ کچھ نہ کر سکے اور صرف بستر پر ہی اٹھ کر بیٹھ جائے اور چند منٹ کچھ اللہ کا نام لے لے۔ وہ بھی ان شاء اللہ اس صورت تمثیل کی وجہ سے کچھ نہ کچھ حصہ ان کے ثواب کا پالے گا۔

دارالعلوم دیوبند کے متعلقین کے لئے حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کی دعاء

۳۵: فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے وقت ایک انگریزی تعلیم کے دلدادہ نے کہا کہ اس مدرسہ سے کیا ہوگا دو چار قل اعوذ یئے اور بڑھ جائیں گے۔

اس پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جو اس وقت دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس اور صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ یا اللہ اس مدرسہ میں پڑھنے والوں کو معاشی پریشانی پیش نہ آئے۔ پھر فرمایا کہ من جانب اللہ مجھ سے وعدہ ہوگیا ہے کہ اس دارالعلوم سے کسی تعلق رکھنے والے کی آمدنی دس روپیہ ماہوار سے کم نہ ہوگی۔

یہ آج سے تقریباً سو سال پہلے کا واقعہ ہے اس وقت کے دس روپے آج کل کے ڈیڑھ سو دو سو روپے کے برابر تھے۔

کسی کو پیچھے سے پکارنا آدابِ معاشرت کے خلاف ہے

۳۶: فرمایا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے امام ابو یوسفؒ کو ایک وصیت یہ بھی فرمائی تھی کہ جو شخص تمھیں پیچھے سے پکارے اس کو جواب نہ دو۔ کیونکہ یہ طریقہ جانوروں کو ہکانے کا ہے اس نے تمھارے ساتھ وہ معاملہ کیا جو جانوروں کے ساتھ کیا جاتا ہے اس لئے مستحق جواب نہیں۔

معاشی پریشانی کا علاج آمدنی بڑھانے کے بجائے خرچ کم کرنا ہے

۳۷: فرمایا کہ الٰہی بخش صاحب رئیس میرٹھ حکیمانہ دماغ رکھتے تھے انہوں نے ایک بڑے کام کی بات فرمائی کہ لوگ معاشی پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے اسکی تو بہت فکر کرتے ہیں کہ آمدنی بڑھائیں جو عادۃً ان کے اختیار میں نہیں۔ مگر اسکی فکر نہیں کرتے کہ خرچ گھٹائیں خصوصاً غیر ضروری اخراجات کو بہت کم کریں حالانکہ یہ ہر ایک انسان کے اختیار میں ہے۔

ضابطہ کی پابندی کا ایک عجیب نمونہ

۳۸: ارشاد فرمایا کہ ریاست بھوپال کے ایک وزیر صاحب ضابطہ کے بڑے پابند تھے۔ اپنی

گھریلو زندگی کی نشست و برخاست، سونے، جاگنے، کھانے پینے غرض ہر چیز کے ضابطے بنائے ہوئے تھے اور ان کی پوری پوری پابندی کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ان کو کسی شخص نے خط میں گالیاں لکھ کر بھیج دیں۔ خط کو پڑھا اور اس کی ایک باقاعدہ مسل بنا کر اس میں یہ خط رکھا اور خط پر یہ لکھ دیا کہ یہ اس شخص کی ذاتی رائے ہے اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں ہر شخص اپنی رائے میں آزاد ہے۔

تلاوت میں قواعد تجوید کی رعایت کی حدود

۳۹: ارشاد فرمایا کہ حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص تلاوت قرآن صرف قواعد تجوید اور صفات ہی کی رعایت کر کے پڑھے کسی خاص لہجہ کو اختیار نہ کرے تو کبھی اچھا نہیں پڑھا جائے گا۔

پھر فرمایا کہ علماء نے آداب تلاوت میں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں کسی کافر کا قول نقل کیا جائے تو آواز کو کچھ پست کر دینا مناسب ہے۔

اصطلاحات فنون کی تسہیل کا ارادہ

۴۰: ارشاد فرمایا کہ میرے دل چاہتا ہے کہ تمام علوم وفنون کی خاص اصطلاحات کو نہایت آسان کر کے اردو میں لکھ دیا جائے جس سے ایک عام آدمی بھی اصطلاحات کو سمجھنے لگے۔

انبیاء علیہم السلام سے زلّات کا صدور عین رحمت وحکمت ہے

۴۱: حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو جو مقام بلند اپنے قرب کا عطا فرمایا ہے اور ان کو تمام گناہوں سے معصوم بنایا ہے جس طرح یہ ان کی رحمت ونعمت ہے اسی طرح کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام سے بعض معاملات میں زلت (لغزش) ہونے کے جو واقعات قرآن کریم میں مذکور ہیں وہ بھی عین حکمت ورحمت ہیں۔ ان میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو انبیاء کی خدائی کا وہم وشبہ نہ ہونے لگے زلّات کے صدور اور ان پر حق تعالیٰ کی طرف سے تنبیہات یہ واضح کر دیتی ہیں کہ

حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہی ہیں۔

حضرت حاجی امداداللہ صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کی ہر حال میں ترقی ہی ہوتی رہتی ہے جن چیزوں کو زلّات کہا جاتا ہے انجام کار ان کے حق میں وہ بھی ترقی کا ذریعہ بن جاتی ہیں کہ وہ ان پر متنبہ ہو کر گریہ وزاری اور استغفار کرتے ہیں۔

سفر حج کے لئے شرائط وآداب

۴۲: ایک صاحب حج کا ارادہ رکھتے تھے حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں اجازت لینے کے لئے حاضر ہوئے مولانا کو ان کی بے سروسامانی معلوم تھی فرمایا جہاں جاتے ہو اس کوچے کی شرائط بھی جانتے ہو کیا ہیں اس صاحب نے بیساختہ یہ اشعار پڑھ دیئے ؎

اے دل آن بہ کہ خراب ازمئ گلگون باشی — بے زر و گنج بصد حشمت قارون باشی

دررہ منزل لیلے خطر ہاست بجان — شرط اول قدم آن ست کہ مجنون باشی

یہ صوفیانہ رنگ کا جواب تھا جس کا طبعی اثر تو مولانا پر بھی یہ ہوا کہ ایک چیخ نکل گئی۔ مگر پھر شیخ کامل تھے سنبھل کر فرمایا کہ شرعی شرائط کے مقابلہ میں سب ہیچ ہے۔

درحقیقت طریقت وتصوف کو بھی انہیں حضرات نے پورا سمجھا تھا احوال ومواجیہ اپنی جگہ مگر سب پر شرعی حدود کا پہرہ لگا ہوا۔

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا ایک ملفوظ

۴۳: فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت حاجی امداداللہ قدس سرہ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کیا حضرت نے قبول فرمایا اور لیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہدیہ شاہدِ محبت ہے (یہ تو ان کی دلداری کی بات تھی مگر یہ سن کر شاید ان لوگوں کو افسوس ہوتا جو ہدیہ پیش کرنے کی حیثیت میں نہیں ہیں اس لئے معاً) فرمایا کہ جو ہدیہ نہ دے وہ بھی ایک معنی رکھتا ہے کہ جب مدعا واضح ہو تو شاہد کی حاجت نہیں۔

حضرت مولینا محمد قاسم نانوتوی ریاست رامپور میں

۴۴: فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت نانوتویؒ کسی دینی ضرورت سے ریاست رامپور تشریف لے گئے تھے نواب صاحب کو اطلاع ملی تو اپنے یہاں آنے کی درخواست کی۔ مولانا نے یہ کہلا بھیجا کہ میں دیہاتی آدمی ہوں امراء کے آداب سے واقف نہیں۔ اس لئے طرفین کے واسطے بے لطفی رہے گی۔

جنات تابع کرنے کا عمل

۴۵: فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ حضرتؒ سے (قلمی مسودہ میں اس جگہ کسی بزرگ کا نام نہیں لکھا معلوم نہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ مراد ہیں یا مولانا محمد یعقوب صاحبؒ) جنات تابع کرنے کا عمل پوچھا تو فرمایا کہ میرے پاس ایسے عمل ہیں اور بہت آسان بھی ہیں۔ آپ کرو گے تو ہو بھی جائیں گے۔ مگر ایک بات سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں بندہ بننے کے لئے پیدا کیا ہے خدا بننے کے لئے نہیں کہ دوسری مخلوق کو اپنے تابع کرتے پھرو۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے اسی وقت ایسے عملیات سے نفرت ہوگئی۔

جہر آمین اور رفع یدین کے مسئلہ میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ اسمٰعیلؒ کا مکالمہ، احیاء سنت کی صحیح تفسیر

۴۶: فرمایا کہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلویؒ نے بعض حنفیوں کے غلو کو دیکھ کر خود جہر آمین اور رفع یدین شروع کردیا۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے ان سے فرمایا کہ جہر آمین اور رفع یدین بلاشبہ سنت سے ثابت ہیں اور بہت سے ائمہ مجتہدین کا اس پر عمل ہے۔ اگر اس پر کوئی عمل کرے تو فی نفسہ کوئی مضائقہ نہیں لیکن جو اس سب لوگ حنفی ہیں وہاں اس عمل سے لوگوں کو خواہ مخواہ تشویش ہوتی ہے جس سے بچنا بہتر ہے۔ مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے عرض کیا کہ حضرت حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی مردہ سنت کو زندہ کرتا ہے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اس جگہ یہ سنت مردہ

ہو رہی ہے اس لئے میں اس کو زندہ کرتا ہوں۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے فرمایا کہ میاں اسمٰعیل ہم تو سمجھتے تھے کہ تم بڑے فاضل عالم ہو گئے ہو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ سنت کا مردہ ہونا وہاں صادق آتا ہے جہاں سنت کے خلاف کسی بدعت نے جگہ لے لی ہو۔ اور جہاں ایک سنت کے مقابلہ میں دوسری سنت ہو اور ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہو کوئی اس سنت کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتا ہے کوئی اس کے مقابل دوسری سنت کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتا ہے وہاں دونوں طرف سنت ہی سنت ہے کوئی بدعت نہیں اس لئے سنت مردہ نہیں تو پھر احیاء سنت کا اس موقع پر اطلاق کیسے صحیح ہوگا۔

کیونکہ جس طرح سنت سے جہر آمین اور رفع یدین ثابت ہے اسی طرح اخفاء آمین اور ترک رفع یدین بھی سنت ہی سے ثابت ہیں۔ دونوں میں راجح و مرجوح کا فرق آئمہ مجتہدین کا کام ہے ان میں سے کچھ آئمہ نے جہر اور رفع کو ترجیح دے دی کچھ آئمہ نے ترک جہر اور رفع راجح قرار دیا۔ یہاں دونوں طرف میں کوئی بھی بدعت نہیں جس سے سنت مردہ ہو۔ (انتہٰی بمفہومہ)

احقر جامع کہتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے متفق علیہ اصول سے یہ ثابت ہے کہ جس مسئلے میں اجتہاد کی گنجائش ہو اور ائمہ مجتہدین اپنی اپنی صوابدید کے مطابق اس کی کوئی خاص صورت تجویز کر کے عمل کریں تو ان میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی دونوں جانبین معروف ہی فرد ہوتی ہیں اس لئے وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خطاب بھی متوجہ نہیں ہوتا۔ اور اپنے مسلک مختار کے مخالف عمل کرنے والوں پر تارک سنت ہونے کا الزام لگانا یا ان کو فاسق کہنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

امام حدیث حافظ ابن عبدالبرؒ مالکی (حالات حافظ ابن عبدالبرؒ: حافظ المغرب ابن عبدالبرؒ بہت بڑے محدث اور فقیہ متبع سنت عابد زاہد اور شب خیز تھے۔ مالکی المذہب تھے، علوم الحدیث، اسماء الرجال اور قراءت میں بہت باکمال تھے، بعد کے آنے والے مشائخ نے آپ کے علم کا لوہا مانا ہے اور آپ کی تالیفات سے استفادہ کیا ہے آپکی کتابیں معروف و مشہور ہیں اور بہت زیادہ مفید ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ ضخیم موطأ امام مالکؒ کی شرح کتاب التمہید ہے جو ستر جلدوں پر

مشتمل ہے اسکے بعد اس شرح کو مختصر کیا اور اس کا نام الاستذکار رکھا، حالاتِ صحابہؓ پر الاستیعاب لمعرفۃ الاصحاب لکھی ہے یہ بھی کافی ضخیم ہے مالکی مذہب پر کتاب الکافی لکھی جو پندرہ جلدوں پر مشتمل تھی آپکی ایک کتاب کتاب الانتقاء اور دوسری جامع بیان العلم وفضلہ زیادہ مشہور ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سی تالیفات ہیں۔ آپ کا نام یوسف اور کنیت ابوعمر وتھی، ربیع الاخر یا جمادی الاولی ۳۶۸ھ میں پیدا ہوئے آپ کا وطن قرطبہ تھا جو اسپین کا مشہور شہر ہے کسی زمانہ میں یورپ میں جب مسلمانوں کی حکومت تھی اسپین کے علاقے میں بڑے بڑے اکابر علماء پیدا ہوئے، خصوصاً قرطبہ اور شاطبہ میں تو بہت ہی باکمال حضرات پیدا ہوئے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ کو جلاوطن کر دیا گیا تھا کچھ عرصہ تک شرقِ اندلس میں قیام فرمایا۔ شب جمعہ ربیع الاخر ۴۶۳ھ میں وفات پائی۔ یہ ربیع الاخر کی آخری تاریخ تھی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے اپنی کتاب جامع العلم میں اس کے متعلق جو مضمون نقل فرمایا ہے وہ اہل علم کو ہمیشہ مستحضر اور صفحہ قلب پر نقش رکھنا ضروری ہے تاکہ ان مفاسد سے بچ سکیں جن میں آج کل کے بہت سے علما مبتلا ہیں کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کی تفسیق وتکفیر تک پہنچ جاتے ہیں اور اکابر علماء کی شان میں بے ادبی کے مرتکب ہو جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں دیندار مسلمان آپس میں ٹکراتے ہیں اور پھر خدا جانے کتنے صغیرہ کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔

خاص رشتہ داروں کو بیعت کرنا عام حالات میں خلافِ مصلحت ہے

۴۷: ارشاد فرمایا کہ میں اپنے خاص اقرباء کو عموماً بیعت نہیں کرتا جس پر مجھے حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کے ایک واقعہ سے تنبیہ ہوا۔ کہ منشی امیر احمد نے (جو مولانا کے عزیز تھے) حضرت مولانا سے بیعت کی درخواست کی تو مولانا نے فرمایا کہ تمھارا مجھ سے بیعت ہونا مناسب نہیں رشتہ داری کے قصوں میں تمھیں تنگی پیش آوے گی۔ اگر میری مخالفت کرو گے تو دینی ضرر میں مبتلا ہوگے اور موافقت کرو گے تو دنیاوی پریشانی لاحق ہوگی۔

تفویض وتوکل کا صحیح مفہوم جو بہت سے شبہات کا حل ہے

۴۸: ارشاد فرمایا کہ دعاء میں الحاح کرنا اور بار بار دعاء کرتے رہنا یہ تفویض کے منافی نہیں۔ ہاں قبولیت دعاء کے آثار نظر نہ آنے پر پریشان ہونا منافی تفویض ہے کیونکہ وہ اپنی تجویز سے پیدا ہوئی ہے اور تجویز وتفویض میں تضاد ہے۔ علمی اور عملی کمالات دینی میں بھی تفویض کا ایک درجہ یہ ہیں ان کے حاصل کرنے کا بھی قصد کرے اور کوشش بھی کرے مگر اس کیساتھ عدم حصول پر بھی راضی رہے پریشان نہ ہو۔ (انتہی)

احقر جامع کہتا ہے کہ حدیث میں ایک خاص دعاء جو بالفاظ ذیل آئی ہے اس میں بھی اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے حدیث کی دعاء یہ ہے:۔

اللهم انی اسئلک الصحته و العفة والامة وحسن الخلق والرضی بالقدر	یا اللہ میں آپ سے مانگتا ہوں تندرستی اور پاک دامنی اور امانت داری اور حسنِ خلق اور آپ کی تقدیر پر راضی رہنا۔

اس دعاء میں پہلے تو چند دینی کمالات کے حاصل ہونے کی دعاء ہے آخر میں یہ دعا ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مشیت وتقدیر پر راضی رہوں خواہ وہ میری تمنا اور کوشش کے خلاف ہی ہو۔

اسی لئے حضرتؒ نے آخر کلام میں ارشاد فرمایا کہ یہ طریق (یعنی طریق تصوف) سہل ممتنع ہے کہ دیکھنے میں بڑا سہل ہے مگر حقیقت میں بڑا دشوار کہ متضاد چیزوں کو جمع کرنا پڑتا ہے۔

عبادت میں جی لگانا مطلوب ہے۔ جی لگنا چونکہ اختیاری نہیں اس کا حکم بھی نہیں

۴۹: ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ عبادت کے اندر جو وساوس اور خیالات انسان کو آتے ہیں ان کے دفع کرنے میں زیادہ تندہی سے پرہیز کرنا چاہیے کہ وہ مضر ہوتی ہیں۔ اور فرمایا کہ یہ سوچنا چاہیئے کہ مقصود اللہ تعالیٰ کا راضی کرنا ہے اور وہ اپنے حد اختیار تک قلب کو فارغ کر کے عبادت میں لگ جانے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر بھی جو وساوس اور خیالات غیر اختیاری طور پر آتے ہیں وہ مضر نہیں۔ اس لیے زیادہ اُلجھن میں نہ پڑے۔ اور اس کے باوجود

وساوس وخیالات کے آنے پر جو طبعی رنج اس کو پیش آوے گا وہ مجاہدہ ہے اس پر مجاہدہ کا ثواب ملتا ہے۔ اس لئے میرے خیال میں عبادت مع الوساوس پر اجر وثواب زیادہ ملتا ہے ایک عبادت کا ثواب دوسرا مجاہدہ کا۔ (بشرطیکہ اپنے اختیار سے وساوس کی پرورش نہ کرے اور اُن میں خوض نہ کرے)۔

ہر وقت حضورِ حق کامل طور پر تو بڑے بڑوں کو نصیب نہیں ہوتا اور جب اس حضور میں کوئی سالک کمی محسوس کرتا ہے تو طبعی طور رنج شدید ہوتا ہے وہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ کہ اس میں صبر و تحمل کا ثواب ملتا ہے۔

حافظ شیرازی نے خوب فرمایا ؎

باغبان گر چند روزہ صحبتِ گُل بایدش ۔۔۔ بر جفائی خار ہجران صبر بلبل بایدش

ای دل اندر بندِ زلفش از پریشانی منال ۔۔۔ مرغ زیرک چون بدام افتد تحمل بایدش

خلاصہ یہ ہے کہ نماز وعبادت میں وساوس وخیالات سے نجات اور حضورِ قلب کی سعی اپنے اختیار کی حد تک ضروری ہے مگر پھر بھی اس میں کمی رہے تو پھر تفویض کے سوا کوئی چارہ نہیں ؎

گر گریزی بامید راحتے ۔۔۔ ہم ازان جا پیشت آید آفتے

ہیچ کنجے بے دُد و بے دام نیست ۔۔۔ جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

اموال میں حقوق کی رعایت کا شدید اہتمام

۵۰: ارشاد فرمایا کہ میں مدرسہ اور مسجد کی املاک کو تو الگ الگ رکھنے کی فکر کرتا ہی ہوں جو بہت ضروری ہے۔ اسی لئے مسجد کے پنکھوں پر نشان ڈال دیئے ہیں ان کو اٹھا کر کوئی میرے بیٹھنے کی سہ دری میں یا اپنی جائے قیام میں لے جا کر استعمال نہ کرے۔ اپنی خاص ملکیت اور اپنی ازواج (بیبیوں) کی ملکیت کو بھی الگ الگ رکھتا ہوں۔ جب کسی گھر میں کوئی چیز دیتا ہوں تو یہ بتلا ہی دیتا ہوں کہ یہ تمھاری ملک یا میری ملک ہے۔ پھر فرمایا خلاصہ یہ ہے کہ بے فکر ہو کر زندگی نہیں گزارنا چاہیے۔ معلوم نہیں کس وقت موت آجائے اور حقوق مشترک رہ جائیں۔

احقر جامع کہتا ہے کہ اسی کا یہ اثر تھا کہ وفات کے بعد کسی ایک چیز میں بھی یہ اشتباہ پیش نہیں آیا کہ یہ حضرت کی ملکیت ہے یا گھر میں سے کسی کی۔ ایک ایک چیز لکھی ہوئی تھی۔

فرمایا کہ تقسیم میراث میں بہت سے اہل علم وصلاح بھی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تقسیم میراث سے پہلے مشترک مال میں سے ایصالِ ثواب کے نام پر بغیر اجازت سب ورثاء کے خرچ کر دیتے ہیں اور تبرکات کے نام کچھ اشیاء تقسیم کر دیتے ہیں جس میں دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہو کر سب کام حرام ہو جاتا ہے۔

اور فرمایا کہ خصوصاً نابالغ بچوں کے حقوق کی حفاظت انتہائی ضروری ہے اس میں اکثر لوگ غفلت کرتے ہیں یہ بھی یاد رہے کہ نابالغ کی کوئی چیز اسکی اجازت سے بھی دوسرے کے لئے حلال نہیں ہوتی۔

کسی کے ذمہ نابالغ کا کوئی حق ہو تو کس طرح ادا کرے

(۵۱) فرمایا کہ اگر کسی شخص کے ذمہ نابالغ کا کوئی حق واجب ہو تو اس کے ادا کرنے کی سہل صورت یہ ہے کہ اس کو کوئی ایسی چیز بنا کر دے دے جو خاص اسی کے استعمال میں آئے جیسے کپڑا، جوتہ وغیرہ۔

نابالغ کی ملکیت میں ماں باپ کو بھی یہ اختیار نہیں کہ دوسرے کو دے دیں

(۵۲) بچوں کے لئے جو جوتے کپڑے عام گھروں میں بنائے جاتے ہیں ان میں احتیاطاً ایسا کرنا چاہیے کہ ان کو بچوں کی مِلک نہ بنائیں اپنی ہی ملکیت میں رکھیں تاکہ ایک بچہ کے بدن پر کپڑا چھوٹا ہو جائے تو وہ دوسرے بچے کو پہنا سکیں اور اگر کپڑا بچے کی مِلک کر دیا گیا ہے تو پھر باپ کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ یہ کپڑا کسی دوسرے بچے کو پہنا دے۔

ترجمہ قرآن میں محاورہ اور اردو ادب کی زیادہ رعایت کرنا کلام الٰہی کی شان کے خلاف ہے

(۵۳) ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلویؒ کے ترجمہ قرآن کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اس میں جو زبان

استعمال کی گئی ہے اسے اردو ادیب چاہے پسند کرتے ہوں مگر شاہانہ کلام سے بالکل بعید ہے۔

ایک مکالمہ

(۵۴) ایک شخص نے حضرت سے پوچھا کہ نمازیں پانچ کیوں فرض کی گئیں؟

حضرت نے جواب دیا کہ آپ کی ناک منہ پر کیوں لگی کمر پر کیوں نہیں لگی۔ وہ کہنے لگے کہ کمر پر لگتی تو بدصورت معلوم ہوتی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ سب انسانوں کی ناک کمر ہی پر ہوا کرتی تو کیا ہوتا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ (انتہٰی)

احقر جامع کہتا ہے کہ حضرتؒ نے بار بار فرمایا کہ احکام شرعیہ کی حکمتیں بہت سی معلوم بھی ہیں اور کوشش کرنے سے مزید معلوم بھی ہوسکتی ہیں چنانچہ خود حضرت کی مستقل کتاب اس موضوع پر ''المصالح العقلیہ فی الاحکام النقلیہ'' کے نام سے شائع شدہ موجود ہے۔ مگر فرمایا کہ بندہ کے لئے شایاں نہیں کہ یہ احکم الحاکمین کے احکام کی لم اور حکمت کی تلاش میں رہے کیوں کہ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ حکم کی حکمت نہ معلوم ہوسکی تو اس پر عمل کرنا دوبھر ہو جاتا ہے بندہ کا کام بندگی اور تعمیل حکم ہے اور جتنا زیادہ کوئی شخص تعمیل حکم کی کوشش کرتا ہے اتنا زیادہ اس پر احکام شرعیہ کی حکمتیں کھلتی جاتی ہیں۔ ایک مرتبہ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں کہ اس کی حکمت ہمیں معلوم تو ہے مگر اس کا بتانا تمہارے لئے مضر ہے کہ تمھیں یہی علّت لگ جائے گی کہ ہر حکم شرعی کی مصلحت وحکمت کی تحقیق کرتے پھرو اور جو اصل اتباع کا حکم ہے وہ پورا نہ ہو اور فرمایا ۔

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

خواجہ عزیز الحسن مجذوب

(۵۵) ارشاد فرمایا کہ خواجہ عزیز الحسن صاحب بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر رہے مگر اپنا لباس اور وضع قطع ہمیشہ سادہ اور شریعت کے مطابق رکھی۔ ایک جرمنی عیسائی نیان کو دور سے دیکھتے ہی کہا کہ یہ آدمی بہت شریف معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ان کی نقالی کرتے

ہیں کہ ان کی نظر میں بھی ی لوگ شرافت کے خلاف کام کرتے ہیں۔ اور بالکل صحیح ہے جو اپنی قومی غیرت وحمیت نہ رکھے، دوسروں کی نقالی ہی کو فخر وسعادت سمجھے۔

اشغال مجوزہ صوفیہ اور ذکر جہری

(۵۶) فرمایا کہ جب میں مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کہ خدمت میں مقیم تھا تو خیال ہوا کہ غذائے روح میں حضرت نے جتنے اشغال نقل فرمائے ہیں سب کو دو دو دن کر کے دیکھوں مگر اس پر عمل کرنے سے پہلے حضرت سے اجازت چاہی تو حضرت نے فرمایا کہ یہ کوئی کتاب کا سبق تھوڑا ہی ہے کہ سب کو پڑھتے چلے جاؤ یہ تو عطار کی دکان ہے جس میں ہزاروں دوائیں ہیں ہر دوا ہر مریض کے لئے مفید نہیں ہوتی کہ جس کا جی چاہے جو دوا چاہے اس دواخانے سے لے کر کھالے۔

پھر فرمایا کہ صوفیائے کرام نے جو اشغال لکھے ہیں ان کی اصل صرف اتنی ہے کہ ان کے ذریعہ جمعیت خاطر حاصل ہو جائے۔ وساوس وخیالات سے قلب فارغ ہو جائے۔ ان اشغال کی جزئیات تو سنت سے ثابت نہیں۔ مگر اس کی اصل سنت سے ثابت ہے۔ نماز میں جو نمازی کے سامنے سترہ کھڑا کرنے کا حکم ہے اس کا مقصد بھی جمعیت خاطر ہے۔
ان اشغال کو اگر کوئی شخص طاعت مقصود سمجھ بیٹھے تو وہ بدعت ہو جائیں گے۔ جیسے زکام بخار وغیرہ میں گل بنفشہ پینا اگر کوئی اس کو طاعت مقصودہ سمجھنے لگے تو وہ بھی بدعت ہو جائے گا۔ ایک تدبیر صحت سمجھ کر استعمال کرے تو جائز ہے کیونکہ تحصیل صحت جائز بلکہ مامور بہ ہے اسی طرح ان اشغال کو جمعیت خاطر کی تحصیل کا ذریعہ سمجھ کر کرے تو درست ہے۔ عبادت مقصودہ سمجھ کر کرے تو بدعت ہے یہی حکم ذکر اللہ میں جہر کرنے کا ہے کہ جہر کو دفع وساوس اور جمعیت خاطر کی تدبیر سمجھ کر کرے تو درست ہے خود جہر کو طاعت مقصودہ سمجھے تو بدعت ہے۔

قبول ہدیہ کے متعلق امام غزالیؒ کی تحقیق پر اشکال اور جواب

(۵۷) حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو ہدیہ اس نیت سے دے کہ یہ شخص صالح

اور بزرگ ہے اور واقع میں وہ ایسا نہ ہو تو ہدیہ قبول کرنا اس کے لئے جائز نہیں اس پر مولانا رشید احمد صاحب کانپوری نے جو حضرتؒ کے شاگرد تھے یہ سوال کیا کہ اس کا نتیجہ تو یہ ہے کہ ہدیہ کا لینا اور دینا کسی حال بھی جائز نہ ہو کیونکہ جس شخص کو صالح اور بزرگ سمجھ کر ہدیہ دیا جارہا ہے اگر وہ خود بھی اپنا معتقد ہو، اور اپنے کو بزرگ صالح سمجھتا ہو تو یہ تزکیہ نفس ہے جو نص قرآن

ولا تزکوا انفسکم اپنے نفوس کو عیب سے پاک نہ کہو۔

کے خلاف ہونے کی وجہ سے گناہ ہے اور اگر وہ اپنے آپ کو صالح اور بزرگ نہیں سمجھتا تو امام غزالیؒ کی تحقیق پر اسکو ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں۔

حضرتؒ نے جواب دیا کہ امام غزالیؒ کی مراد یہ ہے کہ جو شخص قصد کر کے لوگوں کو اپنی بزرگی اور نیکی کا معتقد اس لئے بنائے کہ وہ اس کو ہدیہ دیں گے یہ حرام ہے کیونکہ وہ ایک قسم کا فریب ہے لیکن بغیر کسی کوشش اور قصد کے لوگ کسی کے معتقد ہو جاویں اور اس کو نیک بزرگ سمجھ کر ہدیہ پیش کریں وہ اپنے دل میں جانتا ہے کہ میں ایسا نہیں۔ تو ایسی حالت میں قبول ہدیہ ممنوع نہیں۔

(جمادی الثانیہ ۱۳۵۸ھ)

حضرت مولانا محمد یعقوبؒ

(۵۸) اوّل عمر سے عفیف اور متقی تھے۔ شہرت اور امتیاز سے سخت نفرت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ دو حرف علم کی وجہ سے شہرت کی بلاء میں مبتلا ہو گیا ورنہ میں تو کسی اور ہی طرح گمنامی کی زندگی گزارتا۔

علامہ شبلی نعمانی کا قول کہ قوم کی اصلاح صرف مقدس اور بزرگ ہستیوں سے ہوسکتی ہے

(۵۹) ارشاد فرمایا کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے جب دہلی میں نظارۃ المعارف قایم فرمایا تو تھانہ بھون آئے تھے انہوں نے فرمایا کہ میں علامہ شبلی نعمانی سے ملا، تو مسلمانوں کی عام بے

راہروی اور پریشانی اور مبتلائے آفات ہونے کا تذکرہ ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی نظر میں قوم کی اصلاح کی تدبیر کیا ہے علامہ شبلی نے کہا قوم کی اصلاح صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جن کا قوم پر مکمل اثر ہو اور یہ اثر بغیر تقدس کے نہیں ہو سکتا اور تقدس بغیر تقویٰ اور کثرت عبادت و ذکر اللہ کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

مہمان کافر کا اکرام اور دینی مضرت سے احتیاط

(۶۰) ارشاد فرمایا کہ اگر مسٹر گاندھی بھی میرے پاس آئیں تو میں ان کا بھی اکرام کروں گا مگر ایک شرط ضرور لگاؤں گا کہ اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے کا یہاں موقع نہ دیا جائے گا۔

سیاسی تدابیر جو خلافِ شرع ہوں مسلمانوں کے لئے مفید نہیں ہوتیں کفار کے لئے مفید ہوں تو اس سے دھوکہ نہ کھائیں

(۶۱) ارشاد فرمایا کہ سیاسی تدابیر جو کفر و اسلام سے مرکب ہوں جب اسکو کفار اختیار کرتے ہیں تو اسلام سے قریب ہوتے ہیں اس لئے کامیاب ہوتے ہیں اور جب مسلمان ان تدابیر کو اختیار کریں تو کفر سے قریب ہوتے ہیں اس لئے ناکام ہوتے ہیں مسلمان قوم کا ایک خاص مزاج ہے اس کو کفار کی اقوام کے مزاج پر قیاس کرنا ایسا ہی غلط ہے جیسا ایک ''بوجھ بجھکڑ کا قیاس'' مشہور ہے کہ

گاؤں کا ایک آدمی کھجور کے درخت پر چڑھ گیا اور اب وہاں سے اترنا چاہا تو گرنے کا خطرہ ہوا۔ شور مچایا کہ لوگو میری جان بچاؤ۔ کسی طرح یہاں سے اتارو۔ لوگ جمع ہو کر اپنے بوجھ بجھکڑ کے پاس گئے اور تدبیر پوچھی اس نے کہا کہ ایک مضبوط لمبا رسا لو اور درخت کے اوپر پھینک دو۔ اس شخص سے کہو کہ اپنی کمر میں باندھ لے پھر تم سب مل کر جھٹکا دو وہ نیچے آ جاوے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سب عقلمند ہی لوگ جمع تھے۔ اس کے کہنے پر پورا عمل کیا۔ کھجور پر چڑھا ہوا انسان ایک منٹ میں نیچے آ رہا مگر ہڈی پسلی کوئی سالم نہ رہی اور دم توڑ دیا۔ یہ لوگ اپنے مرشد بوجھ بجھکڑ کے

پاس دوڑے کہ وہ تو مر گیا۔ یو جھ بجھکڑ صاحب نے فرمایا کہ میں اس کو کیا کروں اس کی موت آ گئی تھی اسے کون بچا سکتا تھا۔ ورنہ میری تدبیر تو بالکل سلامتی کی یقینی تھی میں نے اسی تدبیر سے بہت سے کنویں میں گرے ہوئے لوگوں پر استعمال کر کے ان کی جان بچائی ہے۔

بو جھ بجھکڑ نے کنویں کی گہرائی پر کھجور کی بلندی کو قیاس کر لیا اور اس غلط قیاس کا نتیجہ سامنے آ گیا۔

اسی طرح مسلمان اللہ کے نزدیک بلندی پر ہیں کفار پستی میں ہیں۔ ان دونوں کی نجات کے لئے ایک ہی تدبیر مفید ہونا ضروری نہیں۔

نظم و انتظام ہر چیز میں مطلوب و محمود ہے

(۶۲) فرمایا کہ ہمارے ماموں صاحب درویش آدمی تھے مگر آزاد منش۔ اس لئے بہت سی چیزوں میں مجھے ان سے اختلاف رہتا تھا۔ وہ آیات و روایات سے اپنی فہم کے مطابق استدلال کیا کرتے تھے جو میرے نزدیک قواعد شرعیہ پر منطبق نہیں تھے۔ مگر ان کا ایک استدلال مجھے پسند آیا۔ انہوں نے فرمایا کہ قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے کی زرہ (جنگ کے لئے لوہے کا لباس) بنانے کا طریقہ سکھلایا گیا تو اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

قدّر فی السرد. یعنی زرہ کی آہنی کڑیاں ایک انداز کی ہونی چاہئیں۔

کیونکہ یہ کڑیاں اگر چھوٹی بڑی ہو جائیں تو گو جنگی مقصد میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا مگر فطری نظم کے خلاف ہے اور زرہ کا حسن اس سے مخل ہو جاتا ہے۔

کسی بزرگ پر اعتقاد کا معیار

(۶۳) ارشاد فرمایا کہ میں جو اپنے بزرگوں کا معتقد ہوں اس کی بناء یہ نہیں کہ ان کو سب سے بڑا عالم سمجھتا ہوں کیونکہ میرے نزدیک یہ احتمال موجود ہے کہ دنیا میں ان سے بھی بڑے علماء موجود ہوں۔

بلکہ میرے اعتقاد کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ والے تھے۔ دنیا دار نہ تھے دنیا میں رہے

مگران کو دنیا کی ہوا نہ لگی تھی۔ دنیا کے جاہ و مال کی خواہش سے بالکل الگ تھلگ تھے ان کا جو کام تھا وہ دینی داعیہ اور دینی تقاضا تھا خواہ اس میں اپنی تمام ذاتی مصالح برباد ہو جاویں۔

(۲۸ ربیع الثانی ۵۹ھ)

ایک آیت کی تفسیر سے شبہ کا ازالہ

(۶۴) ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم میں آیت:۔

لم تقولون مالا تفعلون. یعنی ''کیوں کہتے ہو وہ جو خود نہیں کرتے''۔

اس کے ظاہر سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ جو شخص خود کوئی نیک عمل نہیں کر رہا اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسروں کو اس نیکی کی طرف دعوت دے، حالانکہ تصریحات یہ غلط ہے۔ اس غلط فہمی کی اصل وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے اس کو دعوت پر محمول کر لیا حالانکہ یہ آیت دعوت کے متعلق نہیں بلکہ دعویٰ کے متعلق ہے اور مراد یہ ہے کہ جو وصف تم میں موجود نہیں اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو کام تم نے کیا نہیں یا جو وصف تم میں موجود نہیں اس کا دعویٰ نہ کرو۔

دعویٰ کبھی عملی بھی ہوتا ہے

(۶۵) فرمایا کہ جس طرح قولاً کسی ایسے کام یا ایسے وصف کا دعویٰ جائز نہیں جو مدعی میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح اپنی صورت و سیرت اور چال ڈھال سے ایسا دعویٰ ممنوع ہے۔ اس سے ایک حدیث کے مفہوم پر جو اشکال ہوتا ہے وہ بھی رفع ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ صحابہ اہلِ صفہ میں سے ایک شخص کا انتقال ہوا۔ مرنے کے بعد ان کی جیب میں سے ایک دینار (ساڑھے چار ماشے سونے کا ایک سکہ) برآمد ہوا۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

کیّة من النار۔ یعنی ''یہ دینار جہنم کی آگ کا ایک داغ ہے''۔

پھر ایک دوسرے صاحب کے انتقال کے بعد جیب سے دو دینار نکلے تو فرمایا۔

کیتان من النار. یعنی ''یہ جہنم کے دو داغ ہیں''۔

اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک دو دینار پر تو زکوۃ بھی واجب نہیں ہوتی جس کی عدم ادائیگی کے احتمال پر جہنم کی وعید ہو سکے۔ اس کے علاوہ ایک دو دینار کے کسی کی ملک میں ہونا شرعی جرم نہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس چالیس ہزار دینار تھے جن کو انہوں نے اسلامی ضروریات میں صرف کیا۔ ہجرت کے وقت سات ہزار باقی تھے جن کو ساتھ لے گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق خرچ کئے۔ حضرت عثمان غنیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت زبیرؓ صحابہ کرام میں بڑے مالدار حضرات تھے۔ ہزاروں دینار کے مالک تھے ان پر رسول اللہ ﷺ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی اور ان دو صاحبوں کے ایک یا دو دینار پر اتنی شدید وعید ارشاد فرمائی اس کی کیا وجہ ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہہ یہی فرمائی ہے کہ حضرات اہل صفہ اپنی صورت اور حالت کے اعتبار سے گویا اس کے مدعی تھے کہ ہم فقیر ہیں صاحب مال نہیں۔ چونکہ یہ عملی دعویٰ حقیقت کے خلاف ثابت ہوا اس لئے اس پر وعید آئی۔

عوام کے اعتقاد قابل التفات نہیں

(۶۶) فرمایا کہ میں سوچتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میرا معتقد ہو گیا تو دین کا کیا فائدہ ہوا۔ ایسے ہی اگر کوئی معتقد نہ رہا تو دین کا کیا ضرر ہوا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو دنیا کا بھی کوئی ضرر نہیں۔

لباس میں تکلف کی پابندی نکما اور پست حوصلہ ہونے کی علامت ہے

(۶۷) فرمایا کہ جب کسی کو دیکھتا ہوں کہ لباس میں تکلف کا پابند ہے تو دو چیزوں پر استدلال کرتا ہوں۔ اوّل یہ کہ وہ نکما آدمی ہے کام میں مشغول رہنے والا اس کا پابند نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ یہ پست حوصلہ ہے کہ اس کے سامنے کوئی بڑا مقصد نہیں۔ اگر وہ ہوتا تو اس میں لگ کر اپنے اوقات ضائع نہ کرتا۔

رحمت حق تعالیٰ کا ایک عجیب واقعہ

(۶۸) ایک جاہل عورت مرنے کے وقت کچھ کلمات بول رہی تھی جو اس کے جاہل گھر والوں

کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ وہ کسی مولوی صاحب کو بلا کر لائے اور کہا کہ ذرا دیکھو کہ یہ کیا بھونک رہی ہے مولوی صاحب نے قریب جا کر سنا تو عربی زبان کے کلمات اس کی زبان سے ادا ہو رہے تھے۔

ان هذا الرجلين يقولان ادخل الجنة۔ یہ دو آدمی یوں کہہ رہے ہیں کہ تو جنت میں داخل ہو جا۔

مولوی صاحب حیرت میں رہ گئے۔ گھر کے جاہل لوگوں کو بتلایا کہ اس کو تو جنت کی بشارت دی جارہی ہے۔ اس کے اعمال کیا تھے جن کے بدلے میں اسکو یہ نعمت ملی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو بالکل بے عمل بلکہ بدعمل عورت تھی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ غور کرو اس کا کوئی اچھا عمل اللہ کے نزدیک مقبول ہو گیا ہے وہ کیا تھا بہت سوچنے کے بعد لوگوں نے بتلایا کہ اس کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ جب اذان ہوتی تو سب کام چھوڑ دیتی اور اذان کی طرف متوجہ ہو کر سنتی تھی دوسروں کو بھی اس وقت بولنے نہیں دیتی تھی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نام کی یہ عزت کرنا ہی اس کے کام آ گیا جس نے دوسری برائیوں پر پانی پھیر دیا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کی اس رحمت عامہ کا یہ واقعہ نقل فرمانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ مجھے رحمتِ الٰہیہ کے متعلق انشاء کا یہ شعر بہت پسند ہے۔

تصدق اپنے خدا کے جاؤں کہ مجھ کو آتا ہے پیار انشاء
اِدھر سے ایسے گناہ پیہم اُدھر سے یہ دمبدم عنایت

احقر جامع کہتا ہے کہ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد برزخ میں سب کی زبان خود بخود عربی ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ ہی انسان کے اصلی وطن یعنی جنت کی زبان ہے اسی میں اللہ تعالیٰ کی سب کتابیں نازل ہوئی ہیں پھر انبیاء نے اپنی اپنی زبانوں میں اس کے ترجمے امت کو سنائے ہیں۔ (كذافي في الاتقان للسيوطی)

حضرت قرشی مجذوم کی ایک کرامت

(۶۹) جامع کرامات الاولیاء طبع مصر میں ایک عجیب واقعہ حضرت قرشی مجذوم کا نقل کیا ہے کہ یہ بزرگ ولی اللہ جذامی تھے۔ اسی لئے نکاح نہیں کرتے تھے۔ کہ دوسروں کو تکلیف ہوگی۔ مگر جوان تھے طبعی تقاضے موجود تھے۔ ایک روز اس تقاضے کی بنا پر مریدوں سے کہا کہ اب ہم نے نکاح کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ آپ پیغام دو مگر اس طرح کہ ہمارا پورا حال بیان کردو۔ اگر کوئی عورت ان حالات کے باوجود نکاح پر راضی ہوجائے تو بہتر ہے ورنہ صبر کریں گے۔

ایک مرید اٹھا اور اپنے گھر گیا اس کی ایک جوان بیٹی تھی۔ اس سے پیر صاحب کا پورا حال بیان کر کے نکاح کے متعلق پوچھا۔ لڑکی نے خوشدلی سے کہا کہ میں راضی ہوں۔ یہ مرید خوش ہو کر واپس آیا اور قرشی مجذوم سے کہا کہ میری لڑکی راضی ہے آپ نے پھر پوچھا کہ تم نے اس کے سامنے میری پوری حالت بتلا دی تھی یا نہیں؟ اس نے کہا کہ بالکل واضح کر کے بتلا دی تھی مگر لڑکی نے کہا کہ میں ان کی خدمت گزاری کو دینی سعادت سمجھ کر قبول کرتی ہوں چنانچہ نکاح ہوگیا۔

قرشیؒ صاحب کرامات وتصرفات تھے لڑکی کی اس بلند حوصلگی کو سن کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ جب میں اس کے پاس جاؤں تو میری صورت تندرست اور حسین ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا جب گھر میں تشریف لے گئے تو ایک جوان رعناء کی صورت میں تھے۔ لڑکی نے ان کو دیکھ کر پردہ کرلیا اور کہا کہ تم کون ہو۔ قرشی مجذوم نے کہا کہ میں تمھارا شوہر قرشی ہوں۔ لڑکی نے جواب دیا کہ وہ تو مجذوم ہیں۔ تم وہ نہیں ہو۔ تب حضرت قرشیؒ نے واقعہ کرامت ذکر کر کے بتلایا کہ اب میں جب بھی تمھارے پاس آؤں گا اسی صورت میں آؤں گا۔

لڑکی کی عالی حوصلگی دیکھئے اس نے جواب دیا کہ افسوس آپ نے میری نیت اور اس کے ثواب کو برباد کردیا۔ میں نے آپ سے نکاح محض معذور سمجھ کر خدمت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے کیا تھا۔ دنیوی راحت اور خواہش نفسانی کے لئے نہیں۔ اب اگر اپنی اصلی صورت میں مجھے ملنا

چاہیں تو میں خادمہ ہوں ورنہ مجھے طلاق دے دیجئے۔ حضرت قرشیؒ یہ سننے کے بعد اپنی اصلی ہیئت و صورت میں آ گئے اور لڑکی ان کیساتھ اسی حالت میں رہنے لگی۔

حضرت گنگوہیؒ کے تفقہ پر حضرت نانوتویؒ کی شہادت

(۷۰) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے تھے کہ آج کل، اگر کوئی یہ قسم کھائے کہ آج میں کسی فقیہ کو ضرور دیکھوں گا وہ اس وقت تک اپنی قسم سے سبکدوش نہ ہوگا جب تک مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی زیارت نہ کرے۔ مطلب یہ تھا کہ ہمارے اس خطہ میں صرف حضرت گنگوہیؒ فقیہ کہلانے کے مستحق ہیں اور کوئی نہیں۔ یہ واقعہ نقل فرما کر حضرتؒ نے فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کی جو بات امتیاز کی ہے وہ یہ کہ ان میں کوئی تصنع اور تکلف نہ تھا۔

بیماری میں حضرت نانوتویؒ کا تیمم نہ کرنا اور حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کی تنبیہ

(۷۱) حضرت نانوتویؒ ایک مرتبہ بیمار ہوئے اور پانی کا استعمال مضر تھا۔ مگر حضرتؒ تکلیف کے باوجود وضو ہی کرتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے لئے تیمم جائز ہے کیوں مشقت برداشت کرتے ہیں۔ مگر مولانا اس عزیمت پر عمل کرنے کے لئے تکلیف و مشقت برداشت کرتے تھے۔

ایک روز حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب عیادت کے لئے آئے اور یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ ایسی حالت میں رخصت پر عمل کرنے میں احتیاط برتنا میرے نزدیک اچھا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بہادری جتانے کے مترادف ہے۔ اس وقت آپؒ کو تیمم کرنے ہی میں زیادہ ثواب ملے گا۔ مولاناؒ نے انکے فرمانے کو قبول فرمایا۔

اہل علم کے لئے انتظامی کاموں سے الگ رہنا ہی بہتر ہے

(۷۲) ارشار فرمایا کہ میں تو اپنے دوستوں کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو کسی دینی مدرسہ میں درس و تدریس کا موقع نصیب فرمادیں تو انتظام و اہتمام کو اپنے لئے قبول نہ کریں کیونکہ

دونوں میں تضاد ہے۔ مدرس اور علمی خدمت کرنے والوں کے لئے یہی زیبا ہے کہ اپنے اسی شغل میں لگے رہیں۔ مقامی اور ملکی سیاست سے یکسور ہیں۔ (رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ)

ذکر جہر اور اشغال صوفیہ اور بدعت کی حقیقت

(۷۳) ارشاد فرمایا کہ عام احادیث سے ذکر اللہ میں جہر کی ممانعت مستفاد ہوتی ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے ہمارے بزرگوں میں سب سے بڑے فقیہہ اور محتاط بزرگ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ تھے ان کی تحقیق اس معاملہ میں یہ ہے کہ ذکر اللہ میں جہر کو کوئی شخص افضل یا زیادتی ثواب کا موجب سمجھ کر جہر کرے تو بدعت ہے۔ ہاں جمعیت خاطر اور قطع وساوس کی ایک تدبیر وعلاج کی حیثیت سے کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کی مثال بعینہٖ یہ ہے کہ زکام میں گل بنفشہ پکا کر پینے کو اگر کوئی شخص خاص عبادت اور ثواب سمجھنے لگے تو یہ بھی بدعت ہو جائے گا۔ اور محض علاج وتدبیر کے لئے کرے تو بدعت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

اس معاملہ میں امیر شاہ خان صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ایک حدیث کی جو تحقیق نقل کی ہے وہ اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

من احدث فی امرنا ھذافھو رد. یعنی ''جس شخص نے ہمارے دین میں کسی نئی چیز کو بڑھایا وہ مردود ہے۔

حضرت مولانا نانوتویؒ نے فرمایا کہ حدیث میں جس چیز کی ممانعت فرمائی ہے وہ احداث فی الدین ہے لیکن دین کے اکام کو برروئے کار لانے کے لئے جن ذرائع وسائل کی ضرورت پیش آئے اس کا حدیث وقرآن میں منصوص یا مذکور ہونا ضروری نہیں۔ وہ ہر زمانہ میں ہر کام کی مناسبت سے اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ جیسے اس زمانے میں حج کے لئے ہوائی جہاز اور جہاد کے لئے ٹینک اور بم وغیرہ کا استعمال ہے کہ اس کو احداث فی الدین نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ احداث للدین کہا جائے گا وہ جائز ہے۔

اسی طرح جمعیت خاطر اور قطع وساوس کے لئے ذکر میں جہر یا اشغال صوفیہ میں سے کوئی شغل اختیار کرنا بھی احداث فی الدین نہیں بلکہ للدین ہے۔

حضرت سیّد احمد شہید بریلویؒ اور مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ

(۷۴) حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ جنھوں نے مثنوی مولانا رومیؒ کا تکملہ لکھا ہے اور خاتم مثنوی کے نام سے معروف ہیں بڑے عالم اور مفتی تو معروف ہیں ہی ان کا تقویٰ بھی بے مثال تھا۔ حضرت سیّد احمد صاحب بریلوی شہیدؒ سے بیعت ہوئے تو فرمایا کہ ہم قرآن کریم کو پہلے بھی پڑھتے تھے مگر حضرت سید صاحبؒ سے تعلق کے بعد اس کا اور ہی رنگ نظر آنے لگا۔

بچوں کے معلّم ایک متقی بزرگ

(۷۵) ارشاد فرمایا کہ گنگوہ میں حافظ حسین علی ایک متقی بزرگ تھے گنگوہ کی لال مسجد میں امام اور بچوں کے معلم تھے۔ ان کی بزرگی کے لئے تو حضرت گنگوہی کی یہ شہادت کافی ہے کہ ایک مرتبہ کسی گاؤں میں لوگوں نے ان کو اپنے یہاں لے جانا چاہا تو انہوں نے کہہ دیا کہ میں حضرت گنگوہیؒ کا خادم ہوں اپنے معاملہ میں خود مختار نہیں۔ حضرت سے اجازت لے لوں تو چلا آؤں گا۔ ان لوگوں نے حضرت گنگوہیؒ سے اجازت چاہی تو آپؒ نے فرمایا۔

''واہ میاں گنگوہ میں ایک ہی تو مسلمان ہے وہی تمھیں دے دوں یہ کیسے ہوسکتا ہے''۔

ان کے تقویٰ اور خشیت کا یہ حال تھا کہ بعض اوقات کسی کوتاہی پر بچوں کو مارنے کی نوبت آجاتی تو پھر یہ سوچتے تھے کہ شاید مجھ سے کچھ زیادتی ہوگئی ہو تو ان بچوں کو بلا کر کہتے کہ ہم نے تمھیں مارا ہے تم ہمیں مار کر اپنا بدلہ اتار لو۔ بعض شریر بچے اس کے لئے تیار بھی ہوجاتے تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ جب مجھے ان کے اس معاملہ کی خبر ہوئی تو میں نے کہا کہ ان کے اس عمل کا منشاء تو خوف خدا اور خشیت ہے جو انسان کے لئے بہترین سرمایا ہے۔ مگر اس طرز عمل سے

بچوں کی تربیت خراب ہو جائیگی وہ بے ادب ہو جائیں گے۔ اچھی صورت یہ ہے کہ اول تو مارنے کے وقت اس کا پورا خیال رکھیں کہ حد اور ضرورت سے تجاوز نہ ہو پھر دوسرے وقت ان کے ساتھ ایسا شفقت و محبت کا برتاؤ کریں کہ وہ خوش ہو جاویں۔

بعض اوقات عمل غلط ہوتا ہے مگر اس کا داعیہ صحیح اور قابلِ قدر ہوتا ہے

حضرت جنیدؒ کی حکایت

(۷۶) ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادیؒ نے دیکھا کہ ایک شخص کو سولی پر لٹکایا ہوا ہے۔ دریافت کیا کہ اس نے کیا جرم کیا تھا لوگوں نے بتلایا کہ یہ ڈاکو ہے۔ اول چوری میں اس کا داہنا ہاتھ کاٹا گیا مگر پھر بھی یہ چوری سے باز نہیں آیا۔ تو بایاں پاؤں کاٹا گیا۔ پھر بھی باز نہ آیا تو سولی کی نوبت آئی۔ حضرت جنیدؒ آگے بڑھے اور اس کے پاؤں کو آنکھوں سے لگایا بوسہ دیا۔ لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ فرمایا کہ میں نے اس کے پاؤں کو بوسہ نہیں دیا بلکہ اس کے وصف استقلال و استقامت کو بوسہ دیا ہے جو اس کے نفس میں تھا اگر چہ اس بے وقوف نے اس کو شر و معصیت میں استعمال کیا اور اس کی بجا طور پر سزا پائی مگر ہم یہ سوچتے ہیں کہ کاش ہمیں بھی خیر و طاعت کے معاملات میں ایسی ہی استقامت نصیب ہو جائے۔

سبحان اللہ ان حضرات کی نظر کس قدر عمیق اور گہری ہوتی ہے کہ ہر چیز کے حدود کو ہر حال میں پہنچانتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے نفس میں جو ملکات اور جذبات حق تعالیٰ نے رکھے ہیں وہ اگر اپنی جگہ محمود ہی ہوتے ہیں ان کو بے جا اور شر و گناہ میں استعمال کیا جائے تو گناہ کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ انہیں کو نیک کام میں لگا دیا جائے تو انسان کے اعلیٰ ترقیات کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اس کی تائید حضرت فاروق اعظمؓ کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے سامنے عراق کے خزائن اور فاروقِ اعظمؓ کی دعاء

(۷۷) حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں جب عراق فتح ہوا۔ کسریٰ کے خزائن مسجد نبوی

میں لاکر ڈھیر کر دیئے گئے تو حضرت فاروق اعظمؓ نے بارگاہِ حق تعالیٰ میں عرض کیا کہ یا اللہ آپ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیز المقنطرۃ من الذھب و الفضۃ.
یعنی ''لوگوں کے دلوں میں خواہشاتِ نفسانی کی چیزیں،عورتیں، بچے، سونے چاندی کے ڈھیر وغیرہ کی محبت ڈال دی گئی ہے۔

اس لئے میں یہ دعا تو نہیں کرتا کہ یہ فطرت بدل دی جائے مگر یہ دعاء کرتا ہوں کہ ان چیزوں کی محبت آپ کے راستہ اور آپ کی رضاجوئی میں ہمارے لئے معین و مددگار ہو جائے۔ حضرتؒ نے اس واقعہ کو نقل کر کے فرمایا کہ اسی لئے ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ رذائل کا ازالہ مقصود نہیں۔ امالہ مقصود ہے یعنی رذائل کے جذبات و داعی کو خیر و طاعت کی طرف مائل کر دینا مطلوب ہے اصل داعیہ کو زائل کرنا نہیں۔ کیونکہ ملکات اور دواعی مثلاً شہوت وغضب وغیرہ یہ اپنی ذات میں مذموم نہیں۔ شہوات کو حلال میں صرف کیا جائے اور قوت غضب کو شیطان اور کفر کے مقابلہ میں خرچ کیا جائے تو یہی درجات عالیہ کا ذریعہ بن جاتی ہیں حضرت مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ؎

شہوت دنیا مثال گلخن ست — کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

ایک رومی بزرگ خلیل پاشا

(۷۸) ارشاد فرمایا کہ مکہ معظمہ میں ایک رومی بزرگ خلیل پاشا نامی تھے۔ پہلے ترکی سلطنت کی طرف سے ینبوع کے گورنر رہے۔ پھر عہدہ چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی۔ ان کی درویشی کا بھی ایک خاص واقعہ یہ ہے کہ ان کے والد بڑے بزرگ، اور کامل شیخ تھے۔ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوتے تھے۔ ایک روز حضرت

حاجی صاحب سے شکایت کی کہ میرا بیٹا دنیادار ہوگیا۔ حضرت نے فرمایا کہ غم نہ کرو وہ بھی آپ جیسا ہی ہو جائے گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں خود بخود ان کا دل دنیا سے اٹھ گیا۔ گورنری چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔

میری ان سے کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم خلیل پاشا سے کیوں نہیں ملے۔ میں نے کہا کہ حضرت حاجی صاحب کے ہوتے ہوئے میں نے کسی دوسرے بزرگ سے ملنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہ مثال بھی خواب ہی میں بیان کی کہ مقصود بیت اللہ شریف کے پاس حاضری ہے جو شخص ایک راستہ سے وہاں پہنچ جائے اس کے ذمہ نہیں کہ پھر لوٹ کر جائے اور دوسرے راستہ سے پہنچے۔ وہ بزرگ خاموش ہو گئے۔

میں نے صبح کو یہ خواب حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا تو فرمایا کہ ان کی زیارت ضرور کرو۔ میں نے عرض کیا کہ اب حضرت کے حکم سے ضرور جاؤں گا چنانچہ میں حاضر ہوا۔ خلیل پاشا نے فرمایا کہ میں تین زبانیں جانتا ہوں۔ عربی، ترکی اور فارسی۔ اب میں آپ سے کس زبان میں بات کروں۔ میں نے عرض کیا کہ میں ترکی زبان کو تو نہ سمجھ سکتا ہوں نہ بول سکتا ہوں۔ عربی کو سمجھ لیتا ہوں بولنے کی عادت نہیں فارسی کو سمجھ بھی لیتا ہوں بول بھی سکتا ہوں۔ انہوں نے بڑی بشاشت کے ساتھ فارسی ہی میں گفتگو فرمائی۔ بہت سی باتیں ہوئیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔

خلیل پاشا نے فرمایا کہ میں عرب و عجم کے بہت سے علماء سے ملا ہوں ہندوستان کے علماء سے بہتر علماء کہیں نہیں پائے۔ میں نے پوچھا کہ آپؒ نے ان میں کونسا وصف ایسا پایا تو فرمایا کہ وہ محب دنیا نہیں ہیں اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت میں لگے ہیں۔

ایک آیت کی تفسیر پر شبہ اور اس کا جواب

(۷۹) چند نو تعلیم یافتہ حضرات نے سوال کیا کہ حضرت آیت ھدی للمتقین کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ اس کے معنے تو یہ ہیں کہ قرآن ہدایت ہے متقی لوگوں کے لئے حالانکہ متقی لوگ تو

خود ہی ہدایت پر ہیں ان کو تو ضرورت نہیں۔ غیر متقی جن کو ضرورت ہے ان کے لئے یہ ہدایت نہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ میں ایک مثال پیش کرتا ہوں اس سے یہ مفہوم سمجھ میں آ جائے گا۔ کہ کسی جگہ چند انگریزی کی کتابیں رکھی ہوں جو بی اے کے کورس میں داخل ہیں ان کو یہ کہنا کہ یہ بی اے کا کورس ہے صحیح ہے یا نہیں؟ سب نے کہا کہ بالکل صحیح ہے حضرت نے فرمایا کہ جو شخص بی اے کر چکا ہے اس کو تو اس کورس کی ضرورت نہیں۔ اور جس نے نہیں کیا وہ بی اے نہیں جو جواب آپ یہاں دیتے ہیں وہی ھدی للمتقین کا جواب ہے سب کے سب مطمئن ہو کر خاموش ہو گئے مطلب واضح ہو گیا کہ یہ کتاب متقی بنانے والی ہے۔

۱۸۵۷ء کی ایک نصیحت آمیز حکایت

(۸۰) حضرت نے فرمایا کہ ہمارے ماموں جو ایک آزاد منش درویش تھے انہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے زمانے کا ایک واقعہ نقل کیا کہ ایک مقام پر بہت سی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک لالہ جی (بنیہ) دور کھڑے ہو کر تماشا دیکھ رہے تھے۔ لاشوں میں سے ایک زخمی نے جو ابھی مرا نہیں تھا آواز دی لالہ جی ذرا یہاں آؤ۔ لالہ جی گھبرا گئے اور بھاگنے لگے کہ مردہ بول اٹھا ہے۔ اس نے پھر آواز دی کہ لالہ جی گھبراؤ نہیں میں مردہ نہیں زخمی ہو گیا ہوں اور مرنے والا ہوں۔ میری کمر میں بہت سے روپے بندھے ہوئے ہیں۔ مجھے خیال آیا کہ اب یہ روپیہ میرے تو کام کا نہیں۔ تمھیں ہی دے دوں تمھارے کام آ جائیگا۔ روپیہ کا نام سن کر لالہ جی پگھل گئے اور ڈرتے ڈرتے زخمی کے پاس گئے۔ جب بالکل قریب آ گئے تو زخمی نے تلوار اٹھائی اور لالہ جی کی ٹانگ کاٹ دی۔ اب تو لالہ جی گر پڑے مگر گرتے ہی اس کی کمر ٹٹولی کہ روپیہ تو سنگوالوں۔ زخمی نے کہا لالہ جی تم باؤلے ہوئے ہو کوئی میدان جنگ میں روپیہ بھی باندھ کر لایا کرتا ہے۔

بات اتنی ہے کہ یہاں سب مردے پڑے ہیں میں تنہا زندہ ہوں رات ہو رہی ہے میں نے چاہا کہ کوئی بات چیت کے لئے آدمی ہو تو رات آسان ہو جائے گی تمھیں ویسے ٹھہرنے کو کہتا تو

کہاں رہتے۔ میں نے اُنس کے لئے تمھیں اپنے ساتھ کر لیا ہے لالہ جی غصہ میں بھر کر بولے، ''مَگامَگا اُوت کے اُوت'' نہ خود چلیں نہ دوسرے کو چلنے دیں۔

ماموں صاحب نے یہ حکایت نقل کر کے فرمایا کہ آج کل اللہ کے راستہ میں لوگوں کا یہی حال ہے کہ خود تو چلتے ہی نہیں۔ کوئی دوسرا چلنا چاہے تو اسکی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

نفس کی اصلاح کبھی مال کے خرچ کرنے سے ہوتی ہے کبھی خرچ نہ کرنے سے

(۸۱) ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب جو میرے مخصوص دوستوں میں ہیں انہوں نے بعض رذائل کی اصلاح میں بار بار خلاف ورزی ہو جانے سے تنگ ہو کر اپنے نفس پر بطور سزا ایک بڑی رقم ماہوار صدقہ کرنا تجویز کرالیا۔ مجھے اطلاع ہوئی تو میں نے منع کر دیا کہ تمھیں ایک پیسہ خرچ کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ خرچ کریں گے تو تشویش میں پڑ جائیں گے اور اہل و عیال کے حقوق جو ان کے ذمہ ہیں ان میں کوتاہی ہوگی۔ (۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ)

ملفوظات رمضان ۱۳۴۸ھ

حجاج بن یوسف ظالم پر بھی کوئی جھوٹا الزام لگائے گا تو سزا پائے گا

حجاج بن یوسف اس امت کا سب سے بڑا ظالم مشہور ہے مگر کسی بزرگ کی مجلس میں ایک شخص نے اس پر کوئی الزام لگایا اور غیبت کی تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اگرچہ ظالم و فاسق ہے مگر حق تعالیٰ کو اس سے کوئی دشمنی نہیں۔ وہ جس طرح دوسرے مظلوموں کا انتقام حجاج سے لے گا۔ اسی طرح اگر کوئی حجاج پر ظلم کرے گا تو اس سے بھی انتقام لیا جائے گا۔

اختلاف مسلک کی صورت میں ضابطہ تعلقات باہمی

۱۔ ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں سے خاص مشرب کا اختلاف ہو۔ ان سے نہ از خود ملنے (اور مجالست) کی کوشش کی جائے نہ ترک ملاقات کی۔ وقت پر جو صورت پیش آجائے اسی میں مصلحت سمجھی جائے۔ انقباض طبعی غیر اختیاری ہے اس کی پرواہ نہ کی جائے کہ مقتضائے غیرت بھی ہے۔ البتہ

بدگمانی اور بدزبانی سے اجتناب کی سعی کی جائے۔

۲۔ جولوگ ان کے متعلق روایات و حکایات نقل کرتے ہیں جو بدگمانی پھر بدزبانی کا سبب بنتی ہیں ان کو ایسی روایات نقل کرنے کا موقع دیا جائے۔

۳۔ اپنے ہم مشرب لوگوں میں سے اگر کوئی شخص ان سے ملتا ہے تو اس کی فکر میں نہ پڑا جائے اور اس کی طرف سے عذر یا مصلحت کی تاویل کر لی جاوے اور جب تک وہ اپنے سے ملتا رہے تعلق نباہا جائے کہ لوگ دنیا کے لئے تعلقات نباہتے ہیں اگر کوئی دین کے لئے ایسا کرے تو کیا حرج ہے۔

(۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ)

بزرگوں کی صحبت سے اصل مقصود کیا چیز ہے

ارشاد فرمایا کہ بزرگوں کی صحبت میں رہنے سے اصل مطلوب ان کا مذاق حاصل کرنا ہے مگر وہ درحقیقت سعی و عمل سے حاصل نہیں ہوتا۔ محض اللہ تعالیٰ کی موہبت ہے وہ جب چاہتے ہیں جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ باقی رہے اعمال و افعال وہ اختیاری ہیں ایک دم میں بدل سکتے ہیں مگر مذاق صحیح بعض اوقات پچاس برس میں بھی حاصل نہیں ہوتا۔

قبل از ہجرت جہاد اور مقابلہ کفار کی اجازت ہونے پر ایک اشکال و جواب

ارشاد فرمایا کہ قبل از ہجرت جتنے حضرات آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے وہ کسی حال ان لوگوں سے کم نہ تھے جن کو حضرت خالد بن ولید نے جبلہ بن ایہم کے مقابلہ پر جنگِ یرموک میں بھیجا تھا۔ کیونکہ جبلہ کا لشکر ساٹھ ہزار تھا اور حضرت خالدؓ نے ان کے مقابلہ کے لئے صرف تیس صحابہ کا انتخاب کیا تھا۔ جس پر حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا کہ کیا آپ مسلمانوں کو ہلاک کرانا چاہتے ہیں؟ حضرت خالدؓ نے جواب دیا نہیں میں نے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا ہے جو ساٹھ ہزار سے کم نہیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے پھر فرمایا کہ میرا اطمینان نہیں ہوتا تو ان کے اصرار پر تیس صحابہ کا اور اضافہ کر کے ساٹھ کر دیا اور ان کو ساٹھ ہزار کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ دن بھر تلوار چلنے کے بعد ساٹھ

ہزار بھاگتے نظر آئے۔

اب یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ قبل از ہجرت حضرات صحابہ میں ضعف وقلت ضرور تھی مگر ساٹھ کے عدد سے تو زیادہ تھے اور ان سے قوت میں کم بھی نہ تھے۔ پھر ان کو قتال سے منع کیوں کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اس وقت مجموعی حالات کے اعتبار سے موقع قتال کا نہ تھا۔ اگرچہ نفس قوت فی الجملہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ شاید یہ مصلحت بھی مانع قتال ہو کہ یہ زمانہ افراد سازی کا تھا۔ دشمنوں کے ہاتھوں مصائب وشدائد جھیلنے اور اس پر صبر کرنے سے ان حضرات کا تزکیہ مقصود تھا کہ ان کا ہر عمل صلح وجنگ خاص اللہ کے لئے ہو جائے نفسانی جذبات کے لئے نہ رہے۔ اس لئے اس زمانے میں نفسانی جذبات کو کچلنے اور عفو ودرگزر اور صبر سے کام لینے کے احکام آتے رہے۔ جب تزکیہ نفوس کا اطمینان ہو گیا۔ اس وقت قتال کے احکام آئے۔

(جمادی الاولیٰ ۶۱ھ)

حصولِ علم کے لئے کثرت مطالعہ سے زیادہ ادب مشائخ ضروری ہے

فرمایا علمی تحقیق سے زیادہ ضرورت ادب کی ہے بلکہ بزرگانِ سلف کا ادب کرنے سے حق تعالیٰ تحقیق کی شان بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ بزرگانِ سلف کا ادب چھوڑ کر جو تحقیق کی جائے اس میں لغزش اور غلط فہمی کا بڑا خطرہ ہے۔

شبہات سمجھنا آسان اور جواب سمجھنا مشکل کیوں ہے

ارشاد فرمایا کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ شبہات کو تو عوام بھی اکثر سمجھ لیتے ہیں۔ مگر جواب کا سمجھنا انہیں مشکل ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شبہات کا منشاء جہل ہے۔ جہل کی بات عوام کی سمجھ میں جلد اتر جاتی ہے اور جواب کا منشاء علم ہوتا ہے وہ ہر شخص کے بس میں نہیں آتا۔

حضرت کے اُجلا لباس رکھنے پر بعض لوگوں کا اعتراض

حضرت عموماً لباس صاف ستھرا اچھا استعمال فرماتے تھے اکثر کرتہ چکن کا بھی زیب تن دیکھا گیا ہے۔ اس پر بعض ناواقف لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ تکلّف کا لباس درویشی کے خلاف ہے۔ ایک روز فرمایا کہ میں ایسا شبہ کرنے والوں کو تو جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتا اور نہ دیتا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے طبعی طور پر تکلف کا بڑھیا لباس پسند نہیں۔ اور خود جب کبھی بناتا ہوں تو بہت سادہ ہی بناتا ہوں۔ اور جو مجھ سے اجازت لے کر بناتا ہے اس کو بھی سادگی کی تاکید کر دیتا ہوں۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ بہت سے دوست اپنی محبت سے کوئی بڑھیا لباس لاتے ہیں۔ ان سے کہہ بھی دیتا ہوں کہ یہ تکلف کا لباس پسند نہیں مگر اپنے بدن کے بنے ہوئے لباس کو واپس کرنا بھی اس کو بیکار کرنا ہے اور اس کا استعمال نہ کرنا بھی ایک قسم کا تکلف ہے اس لئے شکر کے ساتھ استعمال کرتا ہوں۔

حضرت کے ماموں صاحب کا ایک پسندیدہ شعر

اے فخر رسل عز و بسالت بتو نازد　　　معراج کند فخرِ رسالت بتو نازد

عورتوں کے مہر میں افراط و تفریط

فرمایا کہ عورتوں کے مہر میں ایک طرف تو یہ افراط پایا جاتا ہے کہ لوگ اس کو نام آوری سمجھتے ہیں کہ مہر بڑا ہو خواہ اتنا زیادہ ہو کہ اس کے ادا کرنے یا وصول کرنے کا تصور بھی نہ ہو سکے یہ شرعاً مذموم ہے۔ حدیث میں اس سے منع کیا گیا۔ مہر بقدر وسعت رکھنے کو پسند کیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے زیادہ دنیا میں کون باعزت ہو سکتا ہے آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کا مہر پانسو درہم مقرر فرمایا۔ لیکن دوسری طرف بہت سے ناواقف بلکہ بعض علماء بھی اس پر نظر نہیں کرتے کہ مہر مثل خاندان کا معتبر ہوتا ہے۔ اس خاندان کی ہر لڑکی کا وہی حق ہے۔ سارا خاندان مل کر مہر کی مقدار گھٹا دے تو بہت اچھا اور حدیث کے حکم کی تعمیل ہے لیکن سارے خاندان کا مہر زیادہ ہو اور کوئی باپ اپنی

بیٹی کا مہر اس سے بہت کم دے تو یہ بیٹی کی حق تلفی ہے جو اس کے لئے جائز نہیں۔ اور باپ دادا کے سوا کوئی دوسرا آدمی مہر مثل سے کم پر نکاح کر دے تو متأخرین کے فتویٰ کے مطابق نکاح ہی نہیں ہوگا اور متقدمین کے قول پر خاندان کے اولیاء کو بذریعہ اسلامی عدالت یہ نکاح فسخ کرا دینے کا اختیار ہوگا۔ آج کل بہت سے نکاح خوان مہر فاطمی پر اصرار کرتے ہیں اور بغیر مرضی لڑکی و اولیاء کے مہر فاطمی مقرر کر دیتے ہیں اس میں بڑی احتیاط لازم ہے۔

زمانہ فتنہ کے متعلق ایک حدیث

ایک حدیث میں یہ دعاء تلقین فرمائی گئی ہے کہ

واذا اردت بقوم فتنة فتوفني اليك غير مفتون. یعنی ''یا اللہ جب آپ کسی قوم کو فتنہ ہی میں مبتلا کرنے کا ارادہ فرمالیں تو مجھے فتنہ سے محفوظ رہتے ہوئے موت دے دیجئے''۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ اس دعاء سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہر فتنہ کے ازالہ کی کوشش اور دعاء مناسب نہیں ہوتی بلکہ ایسے موقع پر اپنے آپ کے فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعاء کی جائے۔

شرعی حیلہ

بہت سے معاملات میں فقہاء رحمہم اللہ نے بعض ناجائز معاملوں کی صورت بدلنے کے حیلے لکھے ہیں جس کے بعد وہ جائز ہو جاتے ہیں۔ اور خود رسول کریم ﷺ سے بعض معاملات میں اس طرح کے حیلہ و تدبیر کی اجازت منقول ہے مگر بعض لوگ اس میں مغالطہ میں مبتلا ہیں۔ اس کو معاملات اور دیانات سب میں عام کر لیا ہے حالانکہ حیلۂ شرعی صرف معاملات میں ہو سکتا ہے دیانات میں نہیں ہوتا۔ اسی لئے کوئی شخص زکوٰۃ سے بچنے کا یہ حیلہ کرے کہ سال ختم ہونے سے پہلے اپنی کل ملکیت اپنی بیوی یا کسی لڑکے وغیرہ کے نام کر لے اور ہبہ کر کے اس کا قبضہ بھی کرا دے اور

درحقیقت نیت ہبہ کرنے کی نہ ہو بلکہ یہ قصد ہو کہ جب اگلا سال پورا ہونے آویگا تو وہ مجھے ہبہ کردیں گے اس طرح نہ ان پر زکوۃ فرض ہوگی نہ ان پر یہ حیلہ حرام ہے اور بغیر حیلہ کے زکوۃ نہ لگانے کے گناہ سے زیادہ سخت گناہ ہے کیونکہ یہ حیلہ اللہ کے فرض۔سے بچنے کے لئے کیا گیا ہے جو دیانات سے متعلق ہے۔بنی اسرائیل نے جن پر یوم السبت میں مچھلی کا شکار حرام قرار دے دیا گیا۔ تھا حیلے کر کے شکار کرنے کی صورتیں نکالی تھیں۔اس پر اللہ کا غضب اور عذاب نازل ہوا۔

فرمایا کہ حیلہ کبھی مقصود شرع کے ابطال کے لئے ہوتا ہے وہ حرام ہے اور کبھی مقصود شرعی کی تحصیل وتعمیل کے لئے ہوتا ہے وہ جائز ہے۔اور جو حیلہ ایسا ہو کہ اس سے عوام کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو وہ بھی حرام ہے جیسے سود سے بچنے کے ایسے حیلے جن سے لوگ سود ہی کو حلال سمجھنے لگیں سب حرام ہیں۔

تعویز گنڈے

حضرتؒ عملیات مروجہ کی پابندیوں کو پسند نہ فرماتے تھے۔آپؒ کو آپ کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ نے یہ فرمایا دیا تھا کہ کوئی کسی ضرورت سے تعویز مانگے تو انکار نہ کرو اور وقت پر جو کوئی قرآن کی آیت یا اللہ کا نام اس مرض کے مناسب سمجھ میں آجاوے وہ لکھ دیا کرو۔ حضرت کا معمول اسی کے مطابق رہا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک کاشتکار نے مجھ سے کہا کہ میرے کھیت میں چوہے بہت پیدا ہوجاتے ہیں اور بڑا نقصان پہنچاتے ہیں۔اس کے لئے کوئی تعویز دے دیں۔حضرتؒ نے پانچ پرچوں پر قرآن کریم کے یہ الفاظ لکھ دیئے:۔

"لنهلكن الظالمين"

اور فرمایا کہ ان کو کسی مٹی کی کلھیا یا ڈبے وغیرہ میں بند کر کے ایک کھیت کے درمیان اور چار چاروں گوشوں میں دفن کردیں۔

اسی طرح ایک شخص نے بچے کی ولادت کے بعد بیوی کی چھاتیوں میں دودھ کی زیادتی اور

اس سے شدید تکلیف کی شکایت کی تو حضرت نے آیت قرآن "قیل یا ارض ابلعی ماء ک ویاسماء اقلعی و عیض الماء"

کاغذ پر لکھ کر دے دیں کہ اس کو سینہ پر بندھوا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے تکلیف دور فرما دی۔

اہل اللہ پر جوش تقریروں کے عادی نہیں ہوتے، اس کی وجہ

فرمایا کہ جس شخص کو معرفت حق کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اس کے نزدیک نظریات بھی بدیہیات بن جاتے ہیں۔ اور بدیہی امور کے بیان کا کوئی آدمی خاص اہتمام نہیں کیا کرتا۔ نصف النہار کے وقت آفتاب کا وجود ثابت کرنے کے لئے کوئی پُر جوش تقریر نہیں کی جا سکتی۔ اسی حالت کے متعلق صوفیہ کرام نے فرمایا ہے:۔

من عرف الله كل لسانه

یعنی "جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے اس کی زبان گویائی سے تھک جاتی ہے۔

ایک حدیث میں جو ارشاد ہے:۔

الحياء و العيّ من الايمان.

یعنی "حیا اور کلام سے عاجز ہونا ایمان میں سے ہے۔

اس کا مفہوم بھی کلام اور تقریر سے وہ عجز ہے جو معرفت حق کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ نااہلیت اور جہل کی وجہ سے جو عجز ہوتا ہے وہ مراد نہیں۔ کیونکہ وہ ایمان کا شعبہ نہیں ہو سکتا۔ وہ شرعاً مذموم۔ اس پر فرمایا کہ حافظ شیرازی کا مشہور شعر ہے:۔

"کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا"

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دریا کے پہلے کنارے پر کھڑے ہیں دریا کو عبور نہیں کر سکے اور جو لوگ دریا کو عبور کر کے اس کی مشکلات کو حل کر کے دوسرے کنارے پر پہنچے ہوئے ہیں اگر چہ وہ بھی دریا کے کنارے ہی پر کھڑے ہیں مگر ان دونوں میں بڑا فرق ہے ان کے متعلق "کجا دانند" نہیں کہا جا سکتا وہ سب کچھ جانتے ہیں مگر صورت کے اعتبار سے دو کناروں پر کھڑے ہوئے یکساں نظر

آتے ہیں۔اسی طرح ایک تو وہ جاہل ہے جو کسی چیز کی حقیقت سے واقف ہی نہیں۔اس سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ جواب اور گفتگو سے حقیقۃً عاجز ہوتا ہے دوسرا وہ عارف کامل ہے جو سب چیزوں سے اتنا واقف ہے کہ نظری چیزیں بھی اسے بدیہی معلوم ہوتی ہیں وہ بھی زیادہ لمبی گفتگو اور بڑی تقریر سے عاجز ہوتا ہے یہی وہ عجز ہے۔جس کو حدیث میں جزوایمان قرار دیا ہے۔

دین کے معاملے میں ہر شخص کی خودرائی عجیب ہے

فرمایا کہ دنیا کے تمام فنون اور سب شعبہائے زندگی میں جو شخص کسی خاص فن سے واقف نہیں ہوتا اس کو یہ کہنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی کہ میں اس فن کو نہیں جانتا۔ایک بڑے ماہر انجینئر سے آپ آنکھ کی تکلیف کا علاج پوچھیں تو بے ساختہ کہہ دے گا کہ میں ڈاکٹر نہیں۔کسی ڈاکٹر سے انجینئری کا مسئلہ پوچھیں تو وہ کہے گا کہ میں انجینئر نہیں۔مگر دین کو ایسا لاوارث سمجھ لیا گیا ہے کہ ہر شخص اس میں اپنی رائے ٹھونسنے کی فکر میں ہے۔وہاں یہ نہیں کہا جاتا کہ میں عالم نہیں۔

سہارنپور کے ایک ڈپٹی مجسٹریٹ تھانہ بھون حاضر ہوئے۔ان کے ذہن پر یہ سوار تھا کہ دنیا میں سودخواری کے بغیر ترقی نہیں ہوسکتی اس لئے کسی طرح اسے حلال کیا جائے۔حضرتؒ نے فرمایا کہ بنی امیہ کے دور میں مسلمانوں کو ترقی حاصل ہوئی تھی یا نہیں۔اقرار کیا کہ بڑی ترقی ہوئی۔حضرتؒ نے پوچھا کہ کیا انہوں نے سودی کاروبار کیا تھا یا سود کو حلال کیا تھا۔تو کوئی جواب نہیں تھا۔حضرتؒ نے فرمایا کہ اس سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ ترقی سود پر موقوف نہیں پھر انہوں نے ایک آیت کے متعلق کچھ سوال کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ فلاں صاحب نے اس کی تفسیر اس طرح لکھی ہے۔وہ صاحب نرے ایک اردو ادیب تھے عالم نہیں تھے۔حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ جس قانون پر عدالت میں فیصلے کرتے ہیں وہ مجھے دے دیجئے میں اس کی ایک شرح لکھوں اور آپ میری شرح کے مطابق عدالتی فیصلے نافذ کریں اور حکومت سے مواخذہ ہو تو آپ یہ کہہ دیجئے کہ اشرف علی نے اس قانون کی یہی شرح کی ہے پھر دیکھئے کہ حکومت کی طرف سے آپ کو کیسے کیسے خطاب ملتے ہیں۔

بزرگوں کے تبرکات کا اثر

فرمایا کہ ایک متقی پرہیزگار بزرگ نے مجھے ایک انگرکھا (اچکن) مومی چھینٹ کا دیا تھا میں اس کو متبرک سمجھ کر پہنتا تھا۔ اس کا یہ اثر تھا کہ جب تک وہ بدن پر رہتا۔ معصیت اور گناہ کا خطرہ تک نہ آتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کے کپڑوں میں کیا رکھا ہے مگر میں نے تو یہ مشاہدہ کیا ہے۔

مسلمانوں کی مالی خوشحالی بھی نعمت ہے

فرمایا کہ میں جب کسی مسلمان کو مستغنی اور خوشحال دیکھتا ہوں تو بڑی مسرت ہوتی ہے۔ دارالعلوم کے سابق صدر مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب صاحبزادہ حضرت نانوتویؒ کا جب دکن حیدرآباد میں بحیثیت مفتی ریاست ایک ہزار ماہوار تنخواہ پر تقرر ہوا تو گو یہ صورت مجھے طبعاً پسند نہ تھی مگر اس لحاظ سے مسرت ہوئی کہ ایک عالم دین کی قدر اہلِ دنیا کی نظر میں بڑھی۔ میں پہلی مرتبہ حیدرآباد دکن صرف چند گھنٹے کے لئے گیا۔ جس کا اصل سبب مولوی شبیر علی صاحب کی شادی نکاح میں اورنگ آباد جانا تھا وہاں دوستوں کا خیال ہوا کہ حیدرآباد کے قریب چل کر اس کو دیکھیں۔ میں نے صرف اس نیت سے انکی رفاقت قبول کر لی کہ یہاں انگریزوں اور ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمان مالی اور جاہ کے اعتبار سے کم نظر آتے ہیں وہاں مسلمان ریاست ہے۔ مسلمانوں کی خوشحالی اور عزت وشوکت دیکھ کر دل خوش ہوگا۔

باہمی اتفاق تواضع سے پیدا ہوتا ہے

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے ''اتفاق کی جڑ تواضع ہے'' ''دو متکبروں میں کبھی اتفاق نہیں ہوتا'' کیونکہ جب کسی شخص میں تواضع ہوتی ہے تو اس کو یہ کچھ مشکل نہیں معلوم ہوتا کہ اپنے آپ کو دوسرے کا تابع بنادے اور اپنی رائے کو دوسرے کی رائے کے مقابلہ میں اصرار نہ کرے اور متکبر سے یہ کام کبھی نہیں ہوتا۔

ایک حدیث پر اشکال اور اس کا جواب از حضرت گنگوہیؒ

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:۔

''مجھے یونس ابن متّٰی نبی پر فضیلت نہ دو''

مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ نے اپنے استاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے اس کے متعلق یہ سوال کیا کہ سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے رسول ﷺ تمام انبیاء کرام سے افضل سب کے سردار سب کے امام ہیں پھر اس حدیث میں حضرت یونس علیہ السلام پر رسول اللہ ﷺ کی فضیلت بیان کرنے کو کیوں منع فرمایا ہے۔ یہ اشکال حدیث کے تمام شارحین نے نقل کیا اور اپنی اپنی طرز کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ حضرت گنگوہیؒ نے اصحاب کے انداز پر یہ جواب دیا کہ خود یہی حدیث آنحضرت ﷺ کی افضلیت کی دلیل ہے کہ اپنے کو افضل کہنے سے منع فرمایا جو لوگ افضل ہوتے ہیں ان کا یہی طریق ہے۔

مولانا فخر الحسن صاحب کا اس جواب سے اطمینان نہ ہوا۔ تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تم مجھے اپنی نسبت سے کیسا سمجھتے ہو۔ مجھے اپنے سے افضل کہتے ہو یا نہیں؟ سب نے کہا کہ اس میں تو ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں۔ حضرت گنگوہیؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ اگر میں آپ سے کوئی بات قسم کھا کر کہوں تو آپ اس کو سچ سمجھو گے یا نہیں؟ سب نے کہا کہ بلا کسی شبہ و تردّد کے اس کو سچ سمجھیں گے۔ اس پر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تم سے ہر ایک کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ حضرتؒ کی اس قسم پر سارا مجمع محو حیرت رہ گیا اور حضرتؒ مجلس سے اٹھ کر اپنے حجرہ تشریف لے گئے۔

حضرت گنگوہیؒ کا اپنے اوپر تنقید کرنے والوں کے ساتھ معاملہ

فرمایا کہ ایک معاملہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے ایک فتویٰ لکھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مشہور مرید امیر شاہ خان صاحب نے اس پر کچھ اعتراض کیا اور لکھ کر ڈاک میں ڈال دیا۔ اس کے بعد خیال آیا کہ میں نے بے ادبی کی تو دوسرا خط معذرت اور معافی

کے لئے لکھا۔ حضرت گنگوہیؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ مجھے آپ کا پہلا خط جس میں اعتراض تھا پسند آیا یہ دوسرا پسند نہیں آیا۔ کیونکہ پہلے خط میں آپ نے جو کچھ لکھا وہ خالص دین کے لئے تھا۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ کی نیت بے ادبی کرنے کی نہیں تھی۔ اس لئے ذرہ برابر ناگواری نہیں ہوئی۔

بقول مولانا رومی ؎

گفتگو عاشقان در کار رب　　　　جوشش عشق است نے ترک ادب

اس کے برعکس ایسا ہی ایک واقعہ اور پیش آیا کہ جس شخص نے حضرت سے کوئی فتوی لیا تھا اس نے اس پر مناظرانہ انداز سے اعتراضات لکھ کر بھیجے۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ہم نے اپنی معلومات کے مطابق جواب لکھ دیا ہے اگر پسند نہیں تو جس عالم پر اعتماد ہو اس سے رجوع کرو۔ فوق کل ذی علم علیم۔

مثنوی رومی کا خلاصہ دو چیزیں ہیں، توحید اور ضرورتِ شیخ

حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے جتنا مثنوی مولانا رومیؒ کا مطالعہ کیا یہ ثابت ہوا کہ ساری مثنوی کا خلاصہ ایک توحید کو بیان کرنا ہے دوسرے اصلاحِ نفس اور وصول الی اللہ کے لئے شیخ کامل کی ضرورت۔

حضرت حکیم الامت کی کتب بینی

ارشاد فرمایا کہ مجھے زیادہ کتب بینی کا ذوق نہیں ہوا کیونکہ نفس علم کو مقصود نہیں سمجھا۔ عمل کے لئے جتنے علم کی ضرورت ہے اس میں اپنے بزرگوں پر مکمل اعتماد و اعتقاد تھا۔ جو کچھ قرآن و سنت کی تعبیر میں انہوں نے فرمایا تھا اس پر دل مطمئن تھا۔

ایک صاحب نے حضرتؒ کی تصانیف جو ایک ہزار کے قریب ہیں ان کا ذکر کر کے عرض کیا کہ آپؒ نے اتنی تصنیفات فرمائی ہیں تو ہزاروں کتابیں دیکھی ہوں گی۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں چند کتابیں دیکھی ہیں جن کے نام یہ ہیں:۔

حاجی امداد اللہؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔

ان کتابوں نے مجھے سب دوسری کتابوں سے بے نیاز بنا دیا۔ شاید ایسے ہی حضرات کے متعلق کسی کا شعر ہے۔

وانت الکتاب المبین الذی　　　　باحرفہ یظھر المضمر

تو ہی وہ واضح کتاب ہے جس کے حروف سے مخفی مضامین ظاہر ہو جاتے ہیں۔

صحابہ کرام کی خاص شان

ایک صاحب کو بعض حضرات صحابہ کے متعلق کچھ شبہات رہتے تھے۔ ایک مرتبہ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ سمندر میں اگر چہ ہزاروں گندگیاں اور نجاستیں ڈال دی جائیں مگر سمندر ہی سب پر غالب رہتا ہے گندگیوں کا اثر اس پر غالب نہیں آتا۔

نیت صحیح ہو تو عملی کوتاہیاں اکثر معاف ہو جاتی ہیں

فرمایا کہ حق تعالیٰ کی نظر انسان کے قلب اور اس کی نیت وارادہ پر ہوتی ہے اگر وہ خالص اللہ کے لئے ہو مگر عمل میں کوتاہی ہو جائے تو وہ اکثر معاف ہو جاتی ہے۔

مدارس دینیہ عربیہ کی خاص اہمیت

فرمایا کہ جوں جوں آزادی اور الحاد و بے دینی پھیلتی جاتی ہے اسی طرح میرے خیال میں مدارس دینیہ کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے۔ یہ منجانب اللہ ہے کہ مجھے مدرسہ دیوبند سے ایسی محبت اور تعلق بڑھ گیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنا نہ تھا اسی طرح دوسرے مدارس دینیہ کی بھی اہمیت دل میں بڑھ گئی ہے۔ یہاں تک کہ فنونِ عقلیہ، منطق، فلسفہ، ریاضی وغیرہ جو ان مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں ان کو بھی مفید اور ضروری سمجھنے لگا۔ کیونکہ موجودہ دہریت اور سائنس پرستی کا علاج اس

کے سوا نہیں کہ علماء خود ان فنون سے واقف ہوں تا کہ تعلیم یافتہ لوگوں کے شبہات کا جواب ان کی نفسیات کے مطابق دے سکیں۔ اور ان کی نظروں میں کم حیثیت نہ سمجھے جائیں۔ یہ فنون خود کوئی دین نہیں ہیں مگر ان سے دین کی خدمت بھی لی جاسکتی ہے۔

حال میں ایک صاحب نے قرآن کریم کی دو آیتوں کے ظاہری تعارض کے متعلق مجھ سے سوال کیا تو ریاضی کی مدد سے ہی اس کا جواب دیا اور انکی تسلی ہوگئی۔

سوال یہ تھا کہ قیامت کے دن کا طویل ہونا ایک آیت میں بقدر ایک ہزار سال کے آیا ہے۔ دوسری آیت میں خمسین الف سنۃ یعنی پچاس ہزار سال کے برابر آیا ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرتؒ نے ریاضی کے اصول پر فرمایا کہ اس میں کیا بعد ہے کہ ایک افق کے اعتبار سے ایک ہزار سال کے برابر ہو اور دوسرے افق کے اعتبار سے پچاس ہزار سال کے برابر۔ اس کی پوری تفصیل بیان القرآن میں لکھ دی گئی ہے۔ (ملفوظ ۱۹ شعبان ۱۳۴۸ھ)

عبادت کے اظہار اور اخفاء میں اعتدال

فرمایا کہ اپنی نفلی عبادات اور دینی کمالات کا اظہار جو عموماً نفس کے تقاضا سے ہوتا ہے اس کا مذموم ہونا تو سبھی جانتے ہیں۔ بہت زیادہ اخفاء کا اہتمام بھی کچھ اچھا نہیں کیونکہ اس میں بھی غیر اللہ کی طرف ایک گونہ التفات تو پایا جاتا ہے اگرچہ منفی انداز سے سہی۔ محققین کا مذاق یہ ہے کہ اپنے کام سے کام رکھے نہ اظہار کا قصد کرے نہ اخفاء کا۔ صوفیائے کرام میں جو ایک فرقہ ملامتیہ کے نام سے معروف ہے۔ درحقیقت ان کا مقصد اخفاء اعمال کا اہتمام تھا نہ کہ ارتکاب معاصی کا۔ عوارف میں ملامتیہ کی یہی تعریف لکھی ہے۔

خواب اور تعبیرِ خواب

ایک صاحب نے خط میں اپنا خواب لکھا تھا۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:۔

"جاگنے کی باتیں لکھو، خوابوں کے پیچھے مت پڑو"

پھر فرمایا اگر کوئی شبہ کرے کہ رسول اللہ ﷺ تو خواب سننے اور تعبیر دینے کا اہتمام فرماتے

تھے تو جواب یہ ہے کہ اب نہ ایسے خواب دیکھنے والے ہیں نہ ایسے تعبیر دینے والے۔

کسی کو قبلہ و کعبہ کہنا

حضرت سے سوال کیا گیا کہ لوگ اپنے بڑوں کو قبلہ کعبہ لکھتے ہیں یہ کیسا ہے۔ فرمایا کہ مجاز ہے اس لئے کوئی حرج نہیں مگر ترک اس کا اولی ہے۔

سنت نبوی پر عمل بلا نیت و ارادہ بھی ہو تو برکت سے خالی نہیں

سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک کام سنت کے مطابق کرتا ہے مگر اس کو نہ اس کا سنت ہونا معلوم ہے نہ اس نے اتباع سنت کی نیت سے کیا۔ تو کیا پھر بھی اس کو ثواب ملے گا۔ فرمایا کہ ثواب تو بغیر نیت کے نہیں ملے گا۔ مگر موافقت سنت کی برکت سے پھر بھی محروم نہ رہے گا۔

دل کے متعلق چند اشعار

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا ایک فارسی شعر ہے۔

دلے دارم جواہر خانہ عشق است تحویلش   کہ دارد زیر گردون میر سامانے کہ من دارم

خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ نے حضرتؒ کی مجلس میں یہ شعر پیش کیا، تو حضرتؒ نے بہت پسند فرمایا اور فرمایا دل کے متعلق بزرگوں کے مختلف مذاق ہیں۔ قدسی کے اشعار بھی اس بارہ میں خوب ہیں۔

دارم دلے اما چہ دل صد گونہ حرمان در بغل   چشمے و خون در آستین اشکے و طوفان در بغل
روز قیامت ہر کسے آید بدستش نامۂ   من نیز حاضر میشوم تصویر جانان در بغل

اس کے آخری شعر کو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ بتصرف کر کے اس طرح پڑھا کرتے تھے۔

من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآن در بغل

ارشاد

میں بے ادبی کو معاصی سے زیادہ مضر سمجھتا ہوں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ مشائخ اور علماء کی شان

میں بے ادبی کرنے سے مجھے بہت ڈر لگتا ہے کیونکہ اس کے عواقب اور نتائج بہت خطرناک ہیں۔

رشوت کی تعریف

فرمایا کہ رشوت کی جامع تعریف جو تمام اقسام رشوت پر حاوی ہے یہ ہے کہ کسی غیر متقوم چیز کا عوض لینا۔

طریقِ صوفیاء کی اصل

فرمایا کہ اس طریق میں اصل چیز صحبتِ شیخ اور محبت شیخ ہے۔ تعلیم و تلقین اس کے بغیر کارگر نہیں ہوتی اور صحبت بلا تعلیم و تلقین کے بھی مفید ہوتی ہے۔ پہلے بزرگوں کی عام عادت زیادہ تعلیم و تلقین کی نہ تھی ان کی صحبت کی برکت ہی سے اصلاح ہو جاتی تھی۔ غالباً حضرت مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ نے منصب امامت میں لکھا ہے کہ بزرگوں کا فیض صحبتِ آفتاب کے مشابہ ہوتا ہے کہ اس کا فائدہ سب کو پہنچتا ہے۔ خواہ استفادہ کرنے والے کو اس کی خبر بھی نہ ہو اور قصداً استفادہ کرے یا نہ کرے۔ آفتاب کا فائدہ سب کو برابر ملتا ہے۔ اسی طرح خاص خاص بزرگوں کا فیض صحبت بھی ایسا ہی عام ہوتا ہے۔ اور علامت ایسے بزرگوں کی یہ ہوتی ہے کہ ان کی وفات کے وقت عام قلوب میں ایک ظلمت و کدورت محسوس ہونے لگتی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس کی تائید اس جملہ سے ہوئی ہے جو صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی وفات پر فرمایا تھا۔

واللہ ماانفضنا ایدینا من التراب حتی انکونا قلوبنا۔ یعنی "خدا کی قسم کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دفن کرنے کے بعد اپنے ہاتھ بھی مٹی سے نہیں جھاڑے تھے کہ ہمارے قلوب میں تغیر محسوس ہونے لگا"۔

فرمایا مشائخ کی صحبت میں رہنے والا ہر وقت اس سے نفع حاصل کرتا رہتا ہے خواہ اس کو نفع کا احساس اور استحضار ہو یا نہ ہو۔

رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

سماع جائز کے شرائط از سلطان نظام الدین اولیاءؒ

ارشادفرمایا کہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ نے ''فوائد الفواد'' میں جائز سماع کی شرائط لکھی ہیں جن کا خلاصہ چار چیزیں ہیں جن کا تعلق سماع کے ارکان اربعہ سے ہے یعنی سامع، مُسمع، مسموع، آلاتِ سماع۔ ہر ایک کے متعلق جواز کی شرائط حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے نزدیک یہ ہیں۔

سامع: اہل دل باشد از اہلِ ہوئی نباشد۔ یعنی سننے والا صاحبِ دل ہو، صاحب ہوئی نہ ہو، جو اپنی خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے چلے۔

مسمع: (یعنی سنانے والا) مرد باشد زن وکودک نباشد۔ یعنی سنانے والا مرد ہونا چاہیے کوئی عورت یا امرد لڑکا نہ ہو۔

مسموع: (یعنی جونظم یا اشعار وغیرہ سنائے جائیں) ہزل وفحش نباشد۔ یعنی وہ کلام جو سنایا جائے ہزلیات اور فحش کلام نہ ہو۔

آلاتِ سماع: اس کے متعلق فرمایا۔ چنگ ورباب درمیان نباشد۔ (یعنی چنگ ورباب وغیرہ مزامیر کے ساتھ گانا نہ ہو) یہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ پہلے زمانے کے بعض صوفیاء سے جو سماع ثابت ہے وہ انہیں شرطوں کے ساتھ ہے۔ آج کل اہلِ ہوس نے گانا بجانا تو لے لیا۔ ان کے اصلی کمالات سے بالکل بیگانہ وہ اہلِ سماع بھی اہلِ سماء تھے اور اب اہل ارض ہیں جو اخلد الی الارض کے مصداق نظر آتے ہیں۔

اہل کمال کے پہچاننے کا حکیمانہ معیار

ارشادفرمایا کہ کسی عالم کے علم کا مقام اور درجہ معلوم کرنا ہو تو طلباء سے دریافت کیا جائے اور کسی صوفی بزرگ کا درجہ معلوم کرنا ہو تو اس زمانے کے مشائخ اہل طریق کا معاملہ دیکھا جائے کہ

اس کے ساتھ کیا اور کیسا ہے وہ اس کو بزرگ صادق الحال سمجھ کر اسی طرح کا معاملہ کرتے ہیں یا نہیں۔

پھر فرمایا کہ اس پر ایک شاہی حجام کا قصہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ بادشاہ نے حجام کو خط بنانے کے لئے طلب کیا وہ اس وقت حاضر نہ ہو سکا۔ یہ بڑا پریشان ہوا کہ اب اس کی تلافی کیسے کروں۔ اس نے شاہی خدام سے بات کر لی کہ جب بادشاہ سو جائیں تو مجھے موقع دیں کہ میں خط بنادوں۔ خدام شاہی نے اس کی ہمدردی سے اس کو منظور کر لیا۔ اس نے پہنچ کر سوئے ہوئے بادشاہ کا خط اس طرح بنادیا کہ اس کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ وہ بیدار ہوئے تو خط بنا ہوا دیکھا۔ درباریوں سے پوچھا تو انہوں نے پورا واقعہ سنادیا۔ بادشاہ اس کے کمال سے خوش ہوئے اور اس کو استاد کا شاہی خطاب دیا گیا۔ یہ معاملہ شہر میں مشہور ہوا تو ان کے رشتہ برادری کی عورتیں ان کے گھر میں بیوی کو مبارکباد دینے کے لئے جمع ہو گئیں۔ جب بیوی کو معاملہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے ایک بڑی دانشمندانہ بات کہی وہ یہ کہ یہ خطاب اگر حجاموں کی برادری یا کسی ماہر حجام کی طرف سے ملتا تو مجھے خوشی ہوتی کہ وہ اس کے کمال کی دلیل تھی۔ بادشاہ اس فن کو کیا جانے۔ اس کے لقب و خطاب دینے سے میرے نزدیک اس کی کوئی عزت نہیں بڑھی۔

جب خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت حلیہ شریفہ کے خلاف ہو

اس میں حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر دہلوی کے درمیان اختلاف تھا کہ اگر کسی شخص نے آنحضرت ﷺ کی خواب میں زیارت کسی ایسی ہیئت وصورت میں کی جو منقول و مذکور حلیہ شریفہ کے خلاف ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ شریعت کی مسنون ہیئت سے بھی مختلف ہو تو یہ رؤیا صادقہ ہے یا نہیں۔

شجاعت اور رحم عموماً متلازم ہوتے ہیں

ارشاد فرمایا کہ آجکل لوگوں نے ظلم و چوری اور بے رحمی کا نام شجاعت رکھ لیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس شخص میں حقیقی شجاعت زیادہ ہوتی ہے اس میں ضعیفوں پر رحم بھی زیادہ ہوتا ہے۔ بے

رحمی اور سنگدلی کا مظاہرہ ان ہی لوگوں سے ہوتا ہے جن میں شجاعت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں میں رحم وترس نہیں۔ جب مقابلہ پر آتے ہیں تو مخالف کے ساتھ ایسے برتاؤ کرتے ہیں کہ انسانیت لرز اٹھتی ہے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی شجاعت عطا فرمائی ہے۔ تاریخ اس کی گواہ ہے کہ کمزور دشمن قبضہ میں آ گیا تو اس کے ساتھ کبھی بے رحمی کا معاملہ نہیں کرتے۔

جس شخص کی بیوی بے پردہ ہو، اس کی امامت

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے پاس ایک سوال آیا کہ جس شخص کی بیوی پردہ نہ کرتی ہو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ حضرتؒ نے تحریر فرمایا کہ جہاں مقتدی بھی سب ایسے ہی ہوں وہاں جائز ہے جیسے ننگوں کی جماعت پھر فرمایا کہ پورا پردہ آج کل کہاں ہے کسی کی عورتیں باہر پھرتی ہیں اور کسی کے گھر میں اجنبی غیر محرم مرد آتے ہیں ان کی عورتوں کو دیکھتے ہیں ان دونوں شقوں سے کون خالی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

سرسیّد اور حضرت مولانا محمد یعقوبؒ

جس زمانے میں سرسیّد نے علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی ہے اسی زمانے میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد اکابر علماء نے رکھی۔ سرسید کو خبر ملی تو کہنے لگے کیا ہوگا۔ مسجدوں کے ٹکڑے کھانے والے اور دو چار بڑھ جائیں گے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جو دارالعلوم دیوبند کے قرن اول میں اس کے صدر مدرس تھے ان کو سرسید کا یہ جملہ پہنچا تو دعا کی کہ یا اللہ اس کا عملی جواب تو آپ ہی دے سکتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے کہ اس مدرسہ کا پڑھا ہوا کوئی آدمی دس روپیہ سے کم کا ملازم نہ ہوگا۔ یہ اب سے تقریباً سو سال پہلے کی بات ہے جبکہ اس وقت کے دس روپیہ آجکل کے پانسو کے برابر تھے مراد غالباً یہ تھی کہ وہ معاشی پریشانی کا شکار نہ ہوگا۔

جن ملکوں میں عشاء کا وقت نہیں آتا صبح ہوجاتی ہے، ان میں نماز کا مسئلہ

اس مسئلے کے متعلق اس مجلس میں جو ارشاد فرمایا اس کے نقل کرنے سے پہلے اصل مسئلہ سمجھ لیا

جائے وہ یہ ہے کہ قطب شمالی کی جانب کے بعض ملکوں میں رات اور دن کا یہ نظام نہیں ہے جو ہمارے عام بلاد میں پایا جاتا ہے۔ بلغار وغیرہ میں سال کے بعض ایام ایسے آتے ہیں کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد ابھی شفق سفید غائب نہیں ہوتا کہ پھر آفتاب نکل آتا ہے گویا عشاء اور وتر کی نمازوں کا وقت ان ایام میں آتا ہی نہیں۔ یہ سوال قدیم فقہا کے زمانے میں زیرِ بحث آیا تو ان میں رائیں مختلف ہوئیں۔ ایک جماعت نے فرمایا کہ ان پر بھی نمازِ عشاء فرض ہے۔ اگرچہ اس کی ادائیگی طلوعِ آفتاب کے بعد کرنا ہوگی کیونکہ ہر روز میں پانچ نمازوں کا فرض ہونا قرآن وسنت سے ثابت ہے اس میں کسی ملک یا کسی خطہ کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا اور اپنے اس فتویٰ پر انہوں نے زمانہ دجال کی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے جسمیں آیا ہے کہ دجال کے زمانے میں ایک دن ایک سال کا ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جو دن سال بھر کا ہوگا کیا اس دن میں بھی صرف پانچ نمازیں پڑھی جائیں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اس میں اندازہ لگا کر ہر روز کی پانچ نمازیں ادا کرنا ہوں گی۔

دوسری جماعت فقہاء نے فرمایا کہ پانچ نمازوں کی فرضیت ان کے پانچ اوقات کے ساتھ مشروط ہے۔ جس جگہ کسی نماز کا وقت بالکل ہی نہ آئے وہاں وہ نماز ساقط ہو جائے گی۔ جیسے وضوء کے چار فرض ہیں لیکن اگر کسی کے پاؤں کٹے ہوئے ہوں تو اس پر پاؤں دھونے کا فرض عائد نہیں ہوتا۔ صرف تین فرض رہ جاتے ہیں۔ اور حدیث دجال پر اس مسئلے کے قیاس کو صحیح نہیں قرار دیا۔

قطب شمالی کی جانب کے ملکوں میں لیل ونہار کے اوقات میں اس کے سواء اور بھی مختلف صورتیں آفتاب کے طلوع غروب کی پیش آتی ہیں۔ ان سب میں نمازوں کے متعلق یہی دو نظریئے فقہی ہیں۔ بعض فقہاء پانچوں نمازوں کو فرض قرار دیتے ہیں۔ بعض کے نزدیک جس نماز کا وقت وہاں نہ ملے وہ نماز ساقط ہو جاتی ہے فرض ہی نہیں ہوئی۔

علامہ ابن عابدین شامی نے ''ردّ المحتار'' میں اس مسئلے کی تحقیق اور فقہاء کی دونوں جماعتوں کی تحقیقی بحثیں نقل فرمائی ہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے سامنے بھی یہ سوالات چند مرتبہ آئے جو امداد الفتاویٰ مبوب جلد اول ص ۱۱۱ تا ص ۱۱۷ میں درج ہیں۔ حضرت نے فتویٰ ان حضرات فقہاء کے قول پر دیا ہے جن کے نزدیک ایسی صورت میں وہ نماز فرض ہی نہیں رہتی جس کا وقت نہ ملتا ہو۔ اس تفصیل کے بعد وہ ملفوظ لکھا جاتا ہے جو اس مجلس میں ارشاد فرمایا۔

فرمایا کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ نے فتوحات میں تصریح کی ہے کہ دجّال کے زمانے میں جو دن ایک سال کا ہوگا وہ درحقیقت ایک سال نہیں ہوگا بلکہ نظامِ شمسی اپنی حالت پر بدستور رہے گا۔ طلوع وغروب آفتاب کا اپنے مقررہ اوقات پر ہوتا رہیگا۔ مگر لوگوں کو دجال کے دجل کے سبب یہ طلوع وغروب نظر نہ آئیں گے۔ وہ سال بھر تک مسلسل ایک ہی دن محسوس کریں گے۔ ابو حنفیہ عصر حضرت مولانا رشید احمدؒ صاحب گنگوہی نے فتوحات کی اس تحقیق کی بناء پر فرمایا کہ اس سے واضح ہوگیا کہ اہلِ بلغار اور قطب شمالی کی طرف ملکوں کے مسئلے کو زمانہ دجال کے مسئلے پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ وہاں درحقیقت ہر نماز کا وقت اپنے مقررہ وقت میں آئیگا۔ لوگوں کو نظر نہ آئیگا۔ اس لئے وہاں یہ حکم دیا گیا کہ اوقات کا اندازہ کر کے سال بھر کے دنوں کی نمازیں اس ایک دن میں پڑھیں۔ بخلاف اہل بلغار وغیرہ کے کہ ان پر وقت عشاء آتا ہی نہیں۔ اس لئے ان پر عشاء کی نماز ان ایام میں فرض ہی نہیں ہوگی۔

پھر فرمایا کہ اصل مدار قرآنِ کریم کی آیت ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا کی تفسیر پر ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ بے شک نماز مومنین پر ایک فرض موقت ہے۔ اس آیت کی تفسیر اگر یہ کی جائے کہ ہر چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازیں فرض ہیں تب تو اہلِ بلغار وغیرہ پر ہر روز کی پانچ نمازیں فرض ہوں گی کسی نماز کا وقت ملے یا نہ ملے۔ لیکن اگر تفسیر آیت کی یہ ہو جیسا کہ الفاظ قرآن سے یہی ظاہر ہے کہ ہر روز کے مقررہ اوقات میں پانچ نمازیں فرض ہیں تو جن بلاد میں کسی نماز کا وقت ہی نہ آتا ہو وہ نماز ان کے لئے فرض نہ ہوگی۔ (انتہیٰ)

حضرت گنگوہیؒ کی تحقیق تو شیخ اکبر کی تحقیق سے مستفاد ہے حضرت قاضی عیاضؒ نے بھی

حدیث دجال کے متعلق تقریباً یہی موقف اختیار کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حدیث دجال ایک خلاف قیاس حکم کو بیان کر رہی ہے اس لئے وہ صرف زمانہ دجال کے ساتھ مخصوص حکم ہوگا۔ جو صاحبِ شرع نے اس خاص زمانے کے لئے جاری فرمادیا ہے۔ اگر آپ یہ صریح حکم اس زمانے کے لئے ارشاد نہ فرماتے تو اجتہادِ فقہی کے اعتبار سے وہاں بھی یہی کہا جاتا کہ اس ایک سال کے دن میں صرف پانچ ہی نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھی جائیں گی۔ مگر حدیث صریح کی بناء پر وہاں قیاس کو چھوڑ دیا گیا اور جو حکم خلافِ قیاس کسی خاص مسئلے میں وارد ہو اس میں اصول یہی ہے کہ دوسرے مسائل کو اس پر قیاس نہیں کیا جاتا۔ (ردالمحتار شامی ص ۳۴۷۔ ج۱)

قاضی عیاض کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ اگر زمانہ دجال کے یکسالہ دن کو اپنی حقیقت پر رکھ کر ایک ہی دن قرار دیا جائے اور شیخ اکبر کے قول کو نظر انداز کیا جائے پھر بھی حکم فقہی یہی ہے کہ ان ممالک میں جس نماز کا وقت نہ ملے وہ نماز فرض نہیں اس سے ساقط ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

یہ جگہ فقہی مسائل کی مکمل تحقیق و تفصیل بیان کرنے کی نہیں ہے وہ ردالمحتار شامی وغیرہ کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے اس میں طویل النہار یا طویل الیل ملکوں میں نماز کے مسائل کے ساتھ روزے کے احکام بھی بیان کردیئے ہیں۔

تنبیہ

اس مسئلے میں ان فقہاء کے اقوال کی ترجیح جو ایسے مواقع میں سقوط فرض کے قائل ہیں۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے تو امداد الفتاویٰ میں بھی منقول ہے۔ اس ملفوظ میں اہم بات قابل یادرکھنے کے یہ ہے کہ فقیہ العصر حضرت مولانا گنگوہیؒ کے نزدیک بھی اسی کو ترجیح ہے۔

جو کشف تلبیس سے خالی ہو وہ بھی شرعی حجت نہیں

مذکور الصدر ملفوظ میں شیخ اکبر نے جو کچھ فرمایا وہ ظاہر ہے کہ ان کا ایک کشف ہے اس پر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ اس سے احکامِ شرعیہ میں استدلال کیسے درست ہوا۔ اس پر فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ کا اصل استدلال اس کشف پر مبنی نہیں۔ بلکہ آیت قرآن کتاباً موقوتاً کی ظاہر تفسیر پر مبنی ہے ان کے

کشف کو محض تائید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ حضرت شیخ اکبر کے بعض کشف تلبیس شیطانی سے پاک ہوتے ہیں جو تجربہ سے ثابت ہے لیکن کسی کشف کا خالی از تلبیس ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اس کو شرعی حجت بنا لیا جائے۔ جیسے کسی شخص نے عید کا چاند تنہا دیکھا ہو اور اس کو اس دیکھنے میں کوئی شبہ اور تلبیس بھی نہ ہو مگر اس کا تنہا دیکھنا حجت شرعیہ نہیں اس کی بناء پر قاضی لوگوں کو عید کرنے کا حکم نہیں دے سکتا۔

مثنوی کے ایک شعر کی شرح و تقریر

مولانا رومی نے فرمایا ؎

پس زبون وسوسہ باش دلا　　گر طرب را باز دانے از بلا

گر مرادت را مذاق شکر است　　نامرادی نے مراد دلبر ست

فرمایا کہ مومن کی شان یہ ہونا چاہیے کہ جس طرح وہ اپنی خواہش کے مطابق کام ہونے پر خوش اور راضی رہتا ہے۔ خلاف طبع خلاف تمنا کام ہو جانے پر بھی اسی طرح دل سے راضی رہے جیسا کہ حدیث میں رضا بالقدر کی دعاء تلقین فرمائی گی یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے مقدر کر دیا ہے وہ اگر چہ اس کی طبیعت اور خواہش کے خلاف ہو مگر یہ تصور کرے کہ ہمارا رب کریم رحیم بھی ہے حکیم بھی۔ اس نے جو کچھ کیا وہ کسی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اور انجام کار میرے لئے رحمت ہے۔ اسی مضمون کو پہلے شعر میں اس طرح ادا کیا ہے کہ اپنی خواہش اور خوشی کو بہتر اور جو کچھ تقدیری طور پر سامنے آیا اس کو برا سمجھا۔ یہ وسوسہ شیطانی ہے۔

اور دوسرے شعر میں اسی رضاء بالقضاء کی تحصیل کے لئے ایک عاشقانہ تصور یہ دیا ہے کہ تم غور کرو کہ تمھیں ایک چیز بھلی معلوم ہو رہی تھی اس کی طلب میں تھے۔ محبوب حقیقی کو وہ چیز پسند نہ تھی۔ اس نے دوسری صورت اختیار فرمائی تو عاشق کا فرض ہے کہ محبوب کی پسند پر اپنی پسند کو قربان کر دے۔ اور فرمایا کہ اگر تمھیں اپنی مراد اور خواہش شیرین معلوم ہوتی ہے اور تمھارے محبوب حقیقی کو تمھاری نامرادی اور ناکامی پسند ہے تو تم اپنی پسند کو اس کی پسند پر قربان کر کے دل سے راضی

رہو۔ایک اور بزرگ نے بھی یہی مضمون اس شعر میں فرمایا ہے ؎

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب　　　　کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

تقلیل کلام کے متعلق ایک حدیث کی شرح

مشکوٰۃ باب حفظ اللسان میں ایک حدیث ہے:۔

العیّ من الایمان۔　　　　یعنی ''بولنے اور کلام کرنے میں کمی اور رکاوٹ ایمان کا جز ہے''۔

فرمایا کہ مومن کی اصل شان یہ ہونا چاہیے کہ اس کا قلب فکرِ آخرت میں ہمہ وقت مشغول ہو اور جب یہ حالت ہوگی تو اس کے ساتھ عیّ یعنی کلام کی بستگی لازمی ہے۔طلاقت لسان اور بیان کی روانی ایسی حالت میں نہیں ہوسکتی۔البتہ کسی عارضی ضرورت سے کوئی دوسرا حال غالب آجائے تو اس وقت طلاقت لسان اور بیان کی روانی اور خطابت کا زور بھی تقریر میں پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے خطبات کے وقت آپ ﷺ کی حالت کا بیان صحابہ کرام سے منقول ہے۔

طالبین کے لئے ایک حکیمانہ نصیحت

ارشاد فرمایا کہ اس عالم میں جیسے اسباب سے آثار پیدا ہوتے ہیں مثلاً گرم چیز کے استعمال سے گرمی اور سرد سے سردی پیدا ہوتی ہے اس طرح بعض اوقات آثار سے بھی اسباب پیدا ہوتے ہیں۔دیکھو کھانا کھانے کا سبب بھوک اور کھانے کی رغبت ہے اور عموماً یہی ہوتا ہے کہ پہلے بھوک لگتی ہے اور کھانے کی رغبت پیدا ہوتی ہے پھر اس کے تقاضا سے کھانا کھایا جاتا ہے۔مگر شیر خوار بچے کو دیکھیئے کہ جب ماں باپ اس کا دودھ چھڑانا چاہیں تو وہاں پہلے سے رغبت نہیں بلکہ نفرت و اعراض ہوتا ہے اس کی رغبت تو صرف ماں کے دودھ کی طرف ہوتی ہے مگر ماں باپ اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے کچھ کھلاتے چٹاتے ہیں۔اس کھلانے سے بچے میں رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔

جو لوگ تمباکو کھانے یا پینے کے عادی ہیں ان سے پوچھیئے کہ تمباکو کا عشق پہلے ان کے دل میں پیدا ہوا تھا اس کی مجبوری سے کھانا شروع کیا یا معاملہ برعکس ہوا کہ پہلے کھانا شروع کیا اس سے

عشق کے درجہ تک رغبت پہنچ گئی اسی طرح جس طرح باطن میں کمال ایمان انسان کے اعمالِ صالحہ کا سبب بنتا ہے اسی طرح بعض اوقات دل میں داعیہ نہیں ہوتا مگر عمل شروع کر دینے سے دل میں بھی شوق و رغبت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے سالک اور طالب کو چاہیے کہ مرشد نے جو معمولات بتلا دیئے ہیں ان کے پورا کرنے میں اسکا انتظار نہ کرے کہ دل لگے گا تو کروں گا بلکہ ہونا یوں چاہیے کہ ان کو کرنا شروع کر دے۔ آہستہ آہستہ دل بھی لگ جائے گا۔

۱۶ صفر ۱۳۵۵ھ

ایک صاحب نے حضرتؒ کو خط میں لکھا کہ میں ڈاڑھی منڈواتا ہوں اور فلاں فلاں گناہوں کا مرتکب ہوں مگر دل چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اگر ان حالات میں آپ اجازت دیں تو حاضر ہو جاؤں۔

حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ کا ظاہر خراب ہے اور باطن اچھا ہے اور میرا باطن خراب ہے ظاہر اچھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دونوں میں کوئی مناسبت نہیں۔ اگر دونوں کے عیوب ایک جیسے ہوتے تو مناسبت ہو جاتی اور عدم مناسبت کی صورت میں کام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تکلیف سفر ضائع ہوگی۔ مناسب نہیں۔

اور پھر خود ہی فرمایا کہ اسی طرح کا ایک مضمون ایک اور صاحب نے بھی لکھ کر اجازت مانگی تھی۔ ان کو میں نے لکھ دیا تھا کہ جس حال میں بھی ہو آ جاؤ۔ وجہ یہ تھی کہ ان کا خط پڑھ کر فکرِ اِصْلاح مترشح ہوئی تھی اور ان کے خط سے اسکی امید نہ ہوئی اس لئے جواب مختلف ہو گئے۔

خطرات نفسانیہ اور شیطانیہ میں فرق

ارشاد فرمایا کہ اگر ایک ہی معصیت کا تقاضا نفس میں بار بار پیدا ہو تو یہ علامت اس کی ہے کہ یہ خطرہ نفسانی ہے اور اگر ہر مرتبہ مختلف قسم کے گناہوں کا تقاضا اور خطرہ دل میں پیدا ہو تو وہ خطرہ شیطانی سمجھا جائے۔ کیونکہ نفس کا خطرہ اپنی خواہش شہوت و لذت پورا کرنے پر مبنی ہوتا ہے اسی کو مکرر پیش کرتا رہتا ہے اور شیطان کی غرض تو صرف یہ ہے کہ یہ کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا

ہو جائے۔ایک گناہ کے خطرہ کو اس نے دفع کر دیا تو وہ دوسرے گناہ کا خیال پیدا کر دیتا ہے اور جو خطرات عقائد کے متعلق ہوں وہ سب محض شیطانی ہوتے ہیں۔

۹ صفر ۱۳۵۵ھ کو میرے والد ماجدؒ کی وفات ہوگئی۔اس کے بعد میں ۱۶ صفر ۱۳۵۵ھ کو تھانہ بھون حاضر ہوا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ تم نے یہاں آنے میں اب بھی جلدی کی کیونکہ والدہ صاحبہ ابھی زیادہ پریشان ہوں گی۔میرا تو دل چاہتا تھا کہ اگر میں سفر کے قابل ہوتا تو ایک دو روز کے لئے خود وہاں پہنچتا اور ان کو تسلی دیتا۔مگر میں تو کسی کام کا نہیں رہا۔اور فرمایا کہ دل تو یہی گواہی دیتا ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ والد صاحب مرحوم پر فضل ہوا ہوگا۔

شعر شاعری میں بزرگانِ دیوبند کی احتیاط اور اعتدال پسندی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے سامنے ایک فارسی قطعہ پیش کیا گیا جس کا تعلق ایسے لوگوں سے تھا جو بلا وجہ شرعی کسی مسلمان کو کافر کہہ دیتے ہیں قطعہ یہ تھا ؎

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست	چراغ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش	دروغے را جزا شد دروغے

حضرت مولانا نے سنا تو فرمایا کہ اس میں تو مخاطب کو کافر ہی کہہ دیا گیا ہے کیونکہ اس کے مسلمان ہونے کو جھوٹ قرار دینا کافر ہی کہنا ہے۔پھر خود اس میں ایک شعر کا اضافہ اپنی طرف سے اس طرح کر دیا ؎

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست	چراغ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش	دہم شکر بجائے تلخ دوغے
اگر خود مؤمنی فبہا والّا	دروغے را جزا باشد دروغے

تعویز گنڈا

ایک سلسلہ گفتگو میں ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگ اپنے مقاصد میں اور دفع امراض و مصائب میں تعویز گنڈے وغیرہ کی تو بڑی قدر کرتے ہیں۔اس کے لئے کوشش بھی کرتے ہیں اور جو اصل

تدبیر ہے یعنی اللہ سے دعاء اس میں غفلت برتتے ہیں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ کوئی نقش وتعویز دعاء کے برابر مؤثر نہیں۔ ہاں دعاء کو دعاء کی طرح مانگا جائے اور موانع قبول سے پرہیز کیا جائے۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ جب میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں مدرس تھا اتفاقاً کانپور میں طاعون کی وباء پھیلی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں کہ کھانے پینے کی چیزوں پر تین مرتبہ سورۂ قدر انا انزلناہ پوری پڑھ کر دم کر کے کھلایا پلایا جائے۔ مریض کو صحت ہو جائے گی اور تندرست محفوظ رہے گا اور فرمایا کہ پھر اس کا مشاہدہ تجربہ سے ہو گیا۔

انگریزوں کی دوستی بھی فتنہ ہے دشمنی بھی

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ انگریزوں کی دوستی فتنہ باطنہ ہے اور ان کی دشمنی (بحالت موجودہ کہ مسلمانوں میں مقابلہ کی طاقت نہیں) فتنہ ظاہرہ ہے اور ہم دونوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دعاء میں تلقین فرمائی ہے:۔

اللھم انا نعوذبک من الفتن ماظھر منھا وما بطن یعنی "یا اللہ ہم تمام فتنوں سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں جو ظاہر اور کھلے ہوئے فتنے ہیں یا جو چھپے ہوئے فتنے ہیں"۔

بڑھاپے میں بھی غیر محرم عورتوں اور امرد لڑکوں سے علیحدہ رہنے کا اہتمام پورا کرنا چاہیے۔

بعض مشائخ سن رسیدہ بوڑھے ہو جانے کے وجہ سے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب غیر محرم عورتیں بے پردہ سامنے آویں یا امرد لڑکوں سے کام لیں تو کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں۔

حضرتؒ نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس میں اکثر دھوکہ اور مغالطہ ہوتا ہے۔ بڑھاپا کتنا ہی چھا جائے مگر شہوت اور میلان باقی رہتا ہے۔ اور بوڑھوں کے لئے یہ میلان زیادہ مضر ہوتا ہے کیونکہ قوت مقاومت ضعیف ہو جاتی ہے۔ قلبی گناہ اور نظر کے گناہ میں ابتلاء تو ہو ہی جاتا ہے۔ اس لئے اس سے بہت پرہیز اور احتیاط کرنا چاہیے۔

اہل بدعت اور خلافِ مسلک لوگ جو عبادت گزار ہوں انکی شخصیات کے معاملہ میں احتیاط

اکابر دیوبند کی جس طرح مسائل میں حق گوئی اور صاف گوئی معروف ومشہور ہے جس کو سب جانتے ہیں۔ اسی طرح ان کے تقوٰی اور تواضع کا ایک دوسرا رخ بھی ہے جس کو بہت کم لوگ جانتے وہ یہ کہ مسئلہ میں تو کسی کی رعایت نہیں۔ اپنے نزدیک جو حق بات ہے وہ صاف کہہ دیں لیکن اس کے خلاف کرنے والے حضرات کی شخصیات اور ذاتیات پر گفتگو آئے تو اس میں بڑی احتیاط کرتے ہیں۔ ان کی بدگوئی سے خود بھی احتیاط کرتے ہیں دوسروں کو بھی احتیاط کی تلقین کرتے ہیں۔ جس پر ان کی زندگی کے واقعات بکثرت شاہد ہیں اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ

حضرت مولانا محمد قاسمؒ سے کسی نے کہا کہ میرٹھ کے مولانا عبدالسمیع صاحب بیدل بکثرت میلاد پڑھتے اور پڑھواتے ہیں آپ کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا کہ بھائی ان کو حبِ رسول ﷺ کا بڑا درجہ حاصل ہے دعاء کرو مجھے بھی وہ حاصل ہو جائے۔ (ملفوظ حکیم الامت ۱۲ رمضان ۱۳۴۵ھ)

یہ سوال چونکہ دوسرے ایک عالم کی شخصیت اور اپنی ذلت کے تقابل کا تھا اس لئے اس وقت کسی مسئلہ کی تحقیق کی جاتی تو وہ اپنے نفس کی طرف سے مدافعت اور دوسرے عالم کی شخصیت پر جرح ہوتی اس سے اجتناب فرمایا اور تواضع کا پہلو اختیار کیا۔

اگر صرف مسئلہ پوچھا جاتا کہ مروجہ قسم کی محفلِ میلاد کا کیا حکم ہے تو وہی فرماتے جو ان کی تحریرات اور فتاوٰی میں مذکور ہیں۔

ایک مشہور پیر صاحب بازاری عورتوں کو بھی مرید کر لیتے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی مجلس میں کچھ لوگ ان کو برا کہنے لگے تو حضرتؒ نے بہت خفا ہو کر فرمایا کہ تم نے ان کا عیب تو دیکھ لیا یہ نہیں دیکھا کہ وہ راتوں کو اللہ کے سامنے عبادت گزاری اور گریہ وزاری کرتے ہیں۔ لوگوں کو خاموش کر دیا اور اشارہ اس بات کی طرف کیا کہ کسی شخص کے اچھے عمل کو اچھا اور برے کو برا کہہ دینا تو دینی حق ہے لیکن کسی شخص کو برا یا بھلا اس کے مجموعہ اعمال کی بنا پر کہا جا سکتا ہے

جس کا عموماً لوگوں کو علم نہیں ہوتا اس لئے کسی شخص کی ذات کو برا کہنے میں بہت احتیاط چاہیے۔

حضرت مولانا نانوتویؒ کے خاص بے تکلف مرید امیر شاہ خان نے ایک مرتبہ فضل رسول صاحب جو اس زمانے کے اہل بدعت میں سے تھے۔ ان کا نام بگاڑ کر فضل رسول کے بجائے فصل رسول حرف صاد کے ساتھ کہا حضرتؒ نے ناراض ہو کر سختی سے منع فرمایا کہ وہ جیسے بھی کچھ ہوں تم تو آیت قرآن و لاتنابزوا بالالقاب خلاف کر کے گناہگار ہو ہی گئے۔ ایک معروف و مشہور اہل بدعت عالم جو اکابر دیوبند کی تکفیر کرتے تھے اور ان کے خلاف بہت سے رسائل میں نہایت سخت الفاظ استعمال کرتے تھے۔ ان کا ذکر آ گیا تو فرمایا میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھے ان کے متعلق معذب ہونے کا گمان نہیں۔ کیونکہ ان کی نیت ان سب چیزوں سے ممکن ہے کہ تعظیم رسول ہی کی ہو۔

مجالس رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ

ارشاد فرمایا کہ آج کل دو چیزیں منکرات میں سے بہت عام ہو گئیں۔ ایک تصویر، دوسرے اسپرٹ اور الکحل کا استعمال۔ احقر نے عرض کیا کہ کیا اس ابتلاء عام اور عموم بلوے کی کوئی رعایت حکم میں کی جا سکتی ہے تو ارشاد فرمایا کہ حلّت و حرمت میں عموم بلوے معتبر نہیں بلکہ نجاست و طہارت میں معتبر ہے وہ بھی جبکہ کسی چیز کی نجاست وطہارت میں مجتہدین سلف کا اختلاف ہو۔

ارشاد فرمایا کہ جب میں مدرسہ دیوبند میں تعلیم پا کر فارغ ہوا تو یہ ارادہ تھا کہ اب اپنے اخراجات کا بار والد صاحب پر نہ ڈالوں گا۔ کہیں بقدر ضرورت ملازمت کر کے اپنی ضروریات پوری کروں گا۔ لیکن دس روپیہ سے زائد کی طرف کبھی دھیان بھی نہ جاتا تھا۔ (حالانکہ حضرت ایک متمول گھرانے کے فرد تھے مگر اپنی زندگی سادہ رکھنے کے عادی)۔

پھر فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے فوراً بعد اپنے بزرگوں کی تجویز پر مدرسہ جامع العلوم کانپور میں مدرس مقرر ہو گیا اور میری تنخواہ وہاں پچیس روپیہ ماہوار تجویز ہوئی تو میں دل میں کہتا تھا کہ اتنا روپیہ کیا کروں گا۔

ارشاد فرمایا کہ انسان کے دل میں جو سوالات آتے رہتے ہیں ان کے جواب کبھی کسی عالم کی مجلس میں اور بیان میں خود بخود آ جاتے ہیں مگر تجویز یہ ہے کہ خود سوال کرنا اور جواب حاصل کرنا زیادہ نافع بھی ہوتا ہے اور اس کا اثر بھی دیرپا ہوتا ہے۔

قیافہ کے واقعات کا ذکر تھا۔ ارشاد فرمایا کہ نوشیرواں کے پاس ایک پست قد آدمی آیا اور فریاد کی کہ مجھ پر فلاں شخص نے ظلم کیا ہے۔ نوشیرواں نے کہا تو غلط کہتا ہے۔ پست قد کا آدمی خود فتنہ ہوتا ہے۔ اس پر ظلم کون کر سکتا ہے۔ اس نے کہا بجا ہے مگر جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے وہ مجھ سے زیادہ پست قد ہے۔ دیکھا گیا تو بات صحیح نکلی۔

حضرتؒ جن لوگوں کے نام خلافِ شرع دیکھتے ان کو سنت کے موافق بدل دینے کا اہتمام فرماتے تھے مگر یہ کمال تھا کہ نام کی تبدیلی ایسی کر دیتے تھے کہ نمایاں فرق معلوم نہ ہو اور نام بدلنے میں زیادہ الجھن نہ ہو۔

ایک انگریز خاتون کو مولانا حبیب احمد کیرانویؒ نے مسلمان کیا تھا۔ اس کا خاندانی نام بُرادہ تھا۔ حضرت نے اس کا اسلامی نام بُریدہ رکھ دیا۔ اسی طرح ایک شخص کا نام پیر بخش تھا حضرت نے اس کا نام کبیر بخش تجویز فرما دیا۔

ایک خاتون نے خط میں سوال کیا کہ ایامِ حیض میں قرآن مجید کی چند سورتوں کی تلاوت کا سونے کے وقت جو معمول ہے وہ جاری نہیں رہتا؟ تو اس وقت مجھے کیا پڑھنا چاہیے؟ حضرتؒ نے تحریر فرمایا لا الہ الا اللہ، اور استغفار پڑھا کریں لیکن جس وقت نجاست کا تسلسل ہو اس وقت یہ بھی نہ پڑھیں کہ خلافِ ادب ہے جیسے استنجا کے وقت۔

ارشاد فرمایا کہ ملازمت کانپور کے زمانے میں ایک درویش کانپور آئے۔ مجھ پر مہربان تھے۔ مجھے چار روپیہ روز ایک عمل دستِ غیب کا لکھ کر دے گئے۔ میں نے تحقیق کرنا چاہا کہ یہ چار روپیہ کہاں سے آئیں گے تو معلوم ہوا کہ اس عمل کے ذریعہ چار روپیہ مسخر ہو جاتے ہیں وہ جہاں کہیں جاویں۔ بعینہٖ پھر اس کے پاس واپس آ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں جنات کے عمل کو

دخل ہوگا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ تو چوری ہوئی۔ ہم نے یہ چار روپیہ گھر کا کوئی سامان کسی سے خریدا وہ چار روپیہ پھر واپس ہمارے پاس آ گئے جو اس کا حق تھا اس لئے یہ عمل حرام ہے۔

افسوس ہے کہ بعض ناواقف درویش بھی اس کو کرامت سمجھ کر خوش ہوتے ہیں جو قطعی حرام اور گناہ ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہر زمانے کے مناسب ظہور میں آئے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بے مثال سلطنت جن وانس اور وحوش وطیور پر اور ہوا پر۔ یہ بھی بطور معجزہ تھی۔ اسی لئے سلیمان علیہ السلام نے یہ دعاء کی کہ

هب لی ملكا لا ينبغی لاحد من بعدی۔ یا اللہ مجھے ایسی حکومت عطا فرمادیجئے جو میرے بعد کسی دوسرے کو نہ ملے۔

اس کی وجہ یہی تھی کہ سلطنت وحکومت بطور معجزہ تھی اور معجزہ ہر پیغمبر کا غیر مشترک ہوتا ہے۔

جنکو کوئی کام کرنا ہوتا ہے انکو شبہات بہت کم ہوتے ہیں اور بہت جلد رفع ہو جاتے ہیں زیادہ تدقیق میں وہ پڑتے ہیں جنکو کام کرنا نہیں ہوتا۔

ارشاد فرمایا کہ میرا تجربہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے پیشِ نظر کوئی مقصد ہوتا ہے اور وہ اس کے کام کرنا چاہتے ہیں ان کو شبہات بہت کم پیش آتے ہیں۔ اور ذرا سے اشارہ میں دفع ہو جاتے ہیں۔ سوالات اور شبہات کی بھر مار صرف وہ لوگ کیا کرتے ہیں جن کو کام کرنا نہیں ہوتا۔

یہاں سے دہلی جانے والے کو جب کہیں راستہ میں شبہ ہو جائے کسی سے راستہ پوچھتا ہے تو بقدرِ ضرورت معلوم ہو جانے پر چلنا شروع کر دیتا ہے بہت زیادہ تدقیقات میں نہیں پڑتا نہ زیادہ قیل وقال کرتا ہے اسی طرح کسی بھوکے آدمی کو کھانا دیا جائے تو وہ بہت سوالات وتدقیقات میں نہیں پڑتا کہ گندم کہاں کا ہے چاول کہاں سے آیا ہے آٹا کہاں پیسا گیا ہے۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتا ہے کہ کھانا بھوک کو رفع کرنے کے لئے اللہ نے دے دیا ہے اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

حضرات صحابہ کرام کا دین کے معاملات میں یہی رنگ تھا کہ کام کی دھن لگی ہوئی تھی۔ گوش

برآواز رہتے جب کسی کام کا حکم ہو فوراً اس طرف چل دیں۔ اول تو دین کے معاملات میں ان کو شبہات وسوالات پیدا ہی نہ ہوتے تھے اور جو ہوتے تو ادنیٰ اشارہ اور مختصر تقریر سے کافور ہو جاتے تھے اور کیوں نہ ہو کہ سچی اور صحیح بات کا یہی طبعی اثر ہے۔ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

الصدق طمانینة و الکذب ریبه — یعنی ''سچی بات اطمینان کا سبب بنتی ہے اور جھوٹ شک وشبہ کا''۔

ایک طرف بات سیدھی سچی دوسری طرف قبول اور اطاعت کا جذبہ قوی، اس لئے شبہات کی کوئی عمر ہی نہ ہوتی تھی۔

حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کے درمیان ایک معاملہ میں اختلاف رائے پیش آیا۔ صدیقِ اکبرؓ نے ایک دومرتبہ فرمادیا:۔

والله هو خیر، والله هو خیر. — یعنی ''خدا کی قسم خیر اسی میں ہے''۔

فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ ان کلمات سے مجھے بھی اس معاملہ میں شرح صدر ہو گیا جس میں حضرت صدیقؓ کا شرح صدر پہلے ہو چکا تھا اور اختلاف رائے ختم ہو گیا۔

یہ ظاہر ہے کہ واللہ ھو خیر نہ کوئی معاملے اور مسئلے کی دلیل ہے نہ کسی بحث کا جواب ہے مگر طالبِ حق کے لئے غور وفکر کی دعوت ہے وہ ہی اس جگہ کافی ہوگئی۔

باپ جو بیٹے کو نصیحت کرتا ہے عادۃً وہ دلائل بیان نہیں کرتا۔ لمبی تقریر نہیں کرتا۔ بیٹے کی مصلحت کو مختصر لفظوں میں بتلاتا ہے وہی کافی ہو جاتی ہے قرآن کریم کے ارشادات عموماً اسی رنگ کے ہوتے ہیں۔

کسی مسلمان کی تکفیر یا تفسیق کے معاملہ میں بڑی احتیاط لازم ہے

ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اپنے انجام اور آخرت کی فکر درپیش ہوتی ہے اس کی زبان دوسروں کے حق میں آزادانہ نہیں کھلتی۔ وہ کسی کافر کو بھی حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے کیونکہ اس

کے اور اپنے انجام کا علم نہیں ۔

ہیچ کافر را بخواری منگرید   کہ مسلمان بودنش باشد امید

پھر فرمایا کہ علماء اہل فتویٰ کو مجبور ہونا پڑتا ہے کہ یہ فیصلہ کرے کون مسلم ہے کون کافر۔ کون صالح ہے کون فاسق۔ مگر کسی معین شخص کے لئے ایسا حکم کرنا بڑا کٹھن مسئلہ ہے۔ بڑی احتیاط لازم ہے اور الحمد للہ علمائے حق ہمیشہ اس کی رعایت رکھتے ہیں لیکن بے فکرے لوگ پھر بھی علماء پر زبان طعن دراز کرتے ہیں کہتے ہیں۔ کہ یہ علماء لوگوں کو کافر بناتے ہیں۔ میں ان کے جواب میں کہتا ہوں کہ کافر بناتے نہیں کافر بتاتے ہیں۔ یعنی جو شخص اپنے باطل عقیدے کے سبب کافر ہو چکا ہے مگر اس کا کفر مخفی ہے مسلمانوں کو تنبیہ کرنے کے لئے بتاتے ہیں کہ یہ اپنے عمل سے کافر ہو چکا ہے۔

تکبر کی حقیقت اور ایک اشکال کا جواب

ارشاد فرمایا کہ اوصاف کمال میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مختلف درجات رکھے ہیں کوئی ناقص ہے کوئی کامل کوئی اکمل۔ مثلاً ایک شخص کی نگاہ قوی بہت باریک اور دور کی چیز کو دیکھتی ہے دوسرے کی ضعیف ہے جو ان کو نہیں دیکھ سکتی۔ ایک شخص کو دو آنکھیں سالم ملی ہیں دوسرے کی دونوں یا ایک آنکھ ضائع ہو چکی ہے۔ اب اگر کوئی بینا آدمی اپنے آپ کو نابینا سے اکمل سمجھے یا قوی البصر بہ نسبت ضعیف البصر کے اپنے کو اکمل سمجھے تو یہ تکبر میں داخل نہیں۔ اس کے خلاف پر مجبور کیا جائے تو تکلیف مالا یطاق ہو جائے گی۔ ایک شخص جو کسی کتاب کا ایک حرف نہ پڑھ سکتا ہو نہ لکھ سکتا ہو دوسرا آدمی عالم فاضل حافظ و قاری اور مفسر محدث ہے۔ وہ یہ کیسے باور کرے کہ ناخواندہ آدمی اس سے زیادہ کامل ہے۔ اس لئے اگر ایک عالم یہ سمجھے کہ مجھے لکھنا پڑھنا آتا ہے۔ اس وصف میں میں بہ نسبت دوسرے کے کامل ہوں اور یہ کمال بھی کوئی میری ذاتی جاگیر نہیں بلکہ اللہ جل شانہ کا انعام اور عطیہ ہے تو یہ تکبر میں داخل نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے کو کسی خاص وصف میں دوسرے سے اکمل جاننا تکبر نہیں۔ ہاں افضل اور بہتر جاننا تکبر ہے۔ کیونکہ افضل اور بہتر ہونے کا مدار اللہ

تعالیٰ کے نزدیک قبول اور انجام بخیر ہونے پر ہے اس کا کسی کو علم نہیں۔ اس لئے اپنے آپ کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ انسان سے افضل جاننا جائز نہیں۔

حاضرات محض خیالی چیز اور مسمریزم کی قسم ہے

ارشاد فرمایا کہ بہت سے گنڈے والے حاضرات کے ذریعہ معلومات حاصل کرنے کے قائل ہیں میرا تجربہ یہ ہے کہ حاضرات محض خیالات کا تصرف ہے اگر اس مجلس میں کوئی آدمی یہ خیال جما کر بیٹھے کہ یہ کچھ نہیں، بالکل باطل ہے تو حاضرات کا ظہور اسے نہ ہو سکے گا۔ ہم نے خود اس کا تجربہ کیا ہے کہ جب تک یہ خیال جمائے بیٹھے رہے حاضرات والے عاجز ہو گئے کچھ نظر نہ آیا اور جب یہ خیال ہٹالیا تو سب کچھ نظر آنے لگا۔

علمِ کلام کا صحیح مقام

ارشاد فرمایا کہ علمِ کلام کی ضرورت بدعات اعتقادیہ کی وجہ سے پیدا ہوئی لوگوں نے عقائد اسلامیہ میں طرح طرح کے شبہات پیدا کرنے شروع کئے تو علماء کو شبہات دور کرنا ضروری ہو گیا اس سے علمِ کلام پیدا ہوا۔ اور یہ ٹھیک ایسا ہی ہے کہ جیسے ہمارے زمانے میں علمِ فقہ میں جزئیات فقہیہ۔ اور یہ تحقیق کہ نماز میں فرض کتنے ہیں واجب کتنے اور سنت مؤکدہ کیا ہیں۔ اور مستحبات یا مکروہات کیا۔ جب لوگوں نے نماز کی ادائیگی میں کوتاہیاں، اور نقائص پیدا کئے تو فقہا کے لئے ضروری ہو گیا کہ اعمالِ نماز کا تجزیہ کر کے بتلائیں کہ اس میں کون سا فرض یا واجب ہے جس کے بغیر نماز ادا نہیں ہوتی۔ کونسا عمل مسنون یا مستحب ہے جس کے ترک کر دینے کے باوجود نماز ادا ہو جاتی ہے گو ناقص ہو۔

حضرات صحابہ کرام کے زمانے میں نہ یہ بدعات اعتقادیہ پیش آئی تھیں اور نہ احکام شرعیہ میں اتنے نقائص اور کوتاہیاں اس لئے اس وقت نہ علمِ کلام کی ضرورت تھی نہ موجودہ طرز کے علم فقہ کی۔ بعد میں جب ضرورت پیدا ہوئی تو یہ علوم و فنون ضروری سمجھے گئے مگر ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ علمِ کلام کی تحقیقات کو صرف مانع اصطلاحی کا درجہ دیا جائے جس کا حاصل ایک احتمال پیدا

کرنا ہے کہ یوں بھی ہوسکتا ہے اس کو عقیدہ کا درجہ دینا حد سے تجاوز کرنا ہے۔جن حضرات علماء نے علم کلام کے اشتغال کو منع کیا ہے وہ اسی غلو اور حد سے تجاوز کی بناء پر کیا ہے مثلاً حضرات متکلمین نے فلاسفہ کے اس قول کو رد کیا کہ جسم ہیولیٰ اور صورت سے مرکب ہے اس کے بالمقابل جسم کی ترکیب اجزاء لایتجزیٰ سے قرار دی۔تو جو لوگ جزءلایتجزیٰ کے مسئلے کو مانع یعنی احتمال پیدا کرنے کے درجے میں رکھیں وہ کوئی خلاف شرع کام نہیں کر رہے لیکن اگر یہ عقیدہ بنالیں کہ جسم کی ترکیب اجزاء لایتجزیٰ سے ہے تو شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہونے کی بناء پر ایسا عقیدہ رکھنا غلط اور ناجائز ہوگا۔

عمل میں احتیاط اور بدگمانی میں فرق

ارشاد فرمایا کہ گلستان اور بوستان کے دو شعروں میں تضاد ہے شیخ سعدیؒ نے گلستان میں تو یہ فرمایا کہ ؎

ہر کرا جامہ پارسا بینی   پارساداں و نیک مرد انگار

اس کا حاصل تو یہ ہے کہ کسی کے باطنی معاملات کی تفتیش نہ کرے جو ظاہر میں نیک ہو اس کو نیک ہی سمجھے۔

اور بوستان میں فرمایا کہ ؎

نگہ دارد آن شوخ در کیسہ دُر   کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

اس کا حاصل یہ ہے کہ سارے لوگوں کو چور سمجھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ در حقیقت یہ کوئی تضاد نہیں۔پہلا شعر اعتقاد رکھنے کے متعلق ہے کہ جن کی ظاہری صورت نیک لوگوں کی دیکھو اس کو نیک ہی اعتقاد کرو۔بلاوجہ بدگمانی نہ کرو۔اور بوستان کا شعر عملی احتیاط اور معاملات میں بیدار مغزی کیلئے ہے کہ عمل میں ہر ایک نیک و بد سے اپنی چیز کی ایسی حفاظت کرو جیسے چوروں سے کی جاتی ہے۔پھر فرمایا کہ حاصل یہ ہے کہ اعتقاد رکھنے کی

صورت میں تو گلستان پر عمل کرو اور معاملہ کرنے میں بوستان پر۔

احقر کہتا ہے کہ حدیث میں بھی اس طرح کے بظاہر مختلف ارشادات آئے ہیں۔ ایک حدیث میں اھل الجنتہ بلہ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگ سب بھولے بھالے ہوتے ہیں اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ مومن ذہین صاحبِ فراست ہوتا ہے وہ کسی کے دھوکے میں نہیں آتا۔

ان دونوں حدیثوں کا یہی محمل ہے کہ پہلی حدیث میں مؤمن کا یہ حال بتلایا ہے کہ وہ دوسروں کے عیوب پر نظر نہیں کرتا۔ اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور دوسری حدیث میں معاملات کے اندر احتیاط کرنے کی تلقین ہے تاکہ دھوکہ نہ کھائے۔ واللہ اعلم

طریقِ تصوف میں ترک تعلقات اور ترک عزائم

ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک اس طریق کا پہلا قدم یہ ہے کہ آدمی تمام تعلقات سے یکسو ہو کر اصلاح باطن کی فکر میں لگے اور اپنے سب عزائم اور ارادوں کو بھی شیخ کے حوالے کر کے فارغ ہو جائے۔ تعلقات اس طریق میں سخت مضر ہیں بلکہ عزم تعلقات بھی مضر ہے۔

کسی شخص میں کوئی عیب دیکھو تو اسکے دوسرے کمالات سے قطع نظر نہ کرو

ارشاد فرمایا کہ میرا تجربہ ہے کہ جو عورتیں انتظام میں پھوہڑ (بدنظم) ہوتی ہیں ان میں جوہرِ عفت پورا ہوتا ہے اگر کوئی شخص اسمیں مبتلا ہو تو اس کو چاہیے کہ اس کی عفت و پاکدامنی کے اعلیٰ وصف کا استحضار کیا کرے تاکہ دل کی کدورت دور ہو جائے۔ قرآنِ کریم کی یہی تعلیم ہے

عسی ان یجعل اللہ فیھن خیرا کثیرا۔ یعنی ''کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں ہی خیر کثیر اور بڑی بھلائی عطا فرمادیں''۔

بیوی کو واجب نفقہ سے کچھ زائد دینے کا مشورہ

ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے دوستوں کو مشورہ دیا ہے کہ بیوی کو جو تم بطور نفقہ کے دیتے ہو وہ

اس کی شرعاً مالک نہیں ہوتی۔ اگر کچھ بچ جائے تو وہ شوہر کی ہی ملکیت ہوتی ہے بجز اس کے کہ یہ تصریح کر کے اس کے سپرد کرے کہ یہ تمھاری ملکیت ہے اس لئے گھر کے خرچ کے لئے جو رقم اس کو دی گئی ہے وہ اس کو اپنی ضروریات سے زائد کسی کام میں خرچ کرنے کی مجاز نہیں۔ مثلاً وہ اپنے کسی حاجت مند عزیز کی یا اور کسی مسکین کی مدد کرنا چاہے تو گھر کے خرچ کے لئے دی ہوئی رقم سے خرچ کرنے کا اختیار نہیں۔ اس لئے مصلحت اس میں ہے کہ بیوی کو نفقہ ضروریہ کے علاوہ بھی کچھ رقم مالک بنا کر دے دی جائے تا کہ وہ آزادی سے اس کو اپنی منشاء کے مطابق خرچ کر سکے۔ دوسروں کی دست نگر نہ رہے۔ اور فرمایا کہ بیوی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ کی خاطر اس نے اپنے سب تعلقات کو چھوڑ دیا۔ میں تو اہلِ طریق سے کہا کرتا ہوں کہ ایک نوعمر لڑکی جو کام ایک دن میں کر کے دکھا دیتی ہے وہ تم نے برسوں میں بھی اللہ کے لئے کیا کہ سب تعلقات کو اس پر قربان کر دیتے۔

امراءِ دنیا کے ساتھ بزرگوں کا معاملہ

ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی خدمت میں جب امراء و رؤسا میں سے کچھ لوگ آتے تھے تو ان کے ساتھ کبھی بے رخی کا معاملہ نہ کرتے بلکہ حسبِ حیثیت ان کا اکرام فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بعض جاہل یا مغلوب الحال صوفی دنیا داروں سے بے رخی اور اعراض کا معاملہ کرتے ہیں یہ سنت کے خلاف ہے کیونکہ جب یہ لوگ کسی عالم یا درویش کے پاس حاضر ہوں تو یہ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی دنیوی غرض تو ہوتی نہیں، دین ہی کا فائدہ حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں اس وقت وہ نعم الامیر (اچھا امیر) کہلانے کے مستحق ہیں بزرگوں نے فرمایا ہے:۔

نعم الامیر علی باب الفقیر وبئس الفقیر علی باب الامیر۔ یعنی ”وہ امیر بہت اچھا ہے جو کسی درویش کے دروازہ پر جائے اور وہ درویش بہت برا ہے جو کسی امیر کے دروازے پر (دنیا کی غرض کے لئے) جائے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ آنے والے امراء سے اپنی کوئی حاجت پیش نہ کرے سب سے استغناء کا معاملہ رکھے جب ہی ان کو کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

دیانت وامانت وہ ہے کہ ہر قدم ہر معاملے میں اسکی فکر رہے

شاہ لطف رسول صاحبؒ ایک بزرگ حضرت کے خلیفہ مجاز تھے۔ تھانہ بھون ہی میں قیام رہتا تھا۔ صاحب کشف وکرامات تھے۔ ایک روز حضرتؒ نے ان کا واقعہ نقل فرمایا کہ ان کے پاس ایک کارڈ بیرنگ آیا۔ (پہلے کارڈ بھی لفافہ کی طرح بیرنگ چلتے تھے) انہوں نے بے ضرورت سمجھ کر اس کو بغیر پڑھے ہوئے واپس کر دیا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ آپ کارڈ کا مضمون تو پڑھ لیتے پھر ہی واپس کرتے۔ تو شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مضمون پڑھ لینے کے بعد واپس کرنا خیانت ہوتی کیونکہ کارڈ سے فائدہ اٹھانا مقصود ہے وہ فائدہ میں اٹھا لیتا اور ڈاک خانہ کو اس کی خدمت کا معاوضہ نہ ملتا۔ ایسے چھوٹے چھوٹے معاملات پر نظر انہی لوگوں کی جاتی ہے جن کے دل پر آخرت کی فکر اور خوف خدا چھایا ہوا ہو۔

ارشاد فرمایا کہ علماء کی ایک مجلس میں ایک سرکاری افسر موجود تھے ایک عالم نے اپنی بات ان سے چھپانے کے لئے عربی زبان میں بات شروع کی۔ یہ افسر بزرگوں کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے اور عربی زبان جانتے تھے فوراً بول اٹھے کہ غالباً آپ عربی زبان میں جو بات کرنا چاہتے ہیں وہ آپ کا کوئی راز ہے اس لئے میں اطلاع دیتا ہوں کہ میں عربی زبان سمجھتا ہوں اگر اس کا اظہار نہ کروں تو خیانت ہوگی۔ اس لئے میں یہاں سے اُٹھ جاتا ہوں یہ عالم صاحب حیرت میں رہ گئے اور فرمایا کہ اب تک تو واقعی راز ہی تھا آپ سے اس کا اخفاء مقصود تھا۔ مگر اب آپ کی دیانت داری معلوم کر کے آپ بھی ہمراز ہو گئے۔ میں صفائی سے اردو ہی میں بات کرتا ہوں آپ تشریف رکھیں۔

یہ سب بزرگوں کی صحبت کا اثر تھا ورنہ آج کل تو لوگ اس کو بڑی عقلمندی سمجھتے ہیں کہ کسی کا راز ان کو معلوم ہو جاتا اور پھر جتاتے پھرتے ہیں کہ ہم نے ان کو بے وقوف بنایا ان کی سب باتیں

معلوم کرلیں۔ یہ ہیں آدابِ معاشرت جس سے مسلمان مسلمان بنتا ہے۔

مسئلہ تقدیر کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت معلوم ہونے پر موقوف ہے وہ کس کو حاصل نہیں ہوسکتی

فرمایا کہ ایک زمانے میں مسئلہ تقدیر میں مجھے ایسی الجھن پیش آئی کہ سخت پریشان رہتا تھا موت کو زندگی پر ترجیح دیتا تھا مگر پھر سکون ہوا تو اس طرح کہ اس کی حقیقت معلوم کرنے کے درپے ہونا ہی بے عقلی ہے کیونکہ تقدیر درحقیقت اللہ جل شانہ کی ایک صفت ہے اور جس طرح انسان کو حق تعالیٰ کی ذات کی کنہ اور حقیقت کا علم ناممکن ہے۔ اسی طرح اس کی کسی صفت کی اصل حقیقت کا ادراک بھی ناممکن ہے۔ جس طرح ہم ذات وصفات پر بغیر علم حقیقت کے ایمان لائے ہیں اسی طرح اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

جو کام لایعنی (بے فائدہ) ہو وہ اگرچہ گناہ نہ ہو مگر مضر پھر بھی ہے

ارشاد فرمایا کہ انسان کا ہر عمل خواہ دین کے متعلق ہو یا دنیا کے، سرسری نظر میں تجزیہ کیا جائے تو اس کی تین قسم معلوم ہوتی ہیں اور بعض حضرات نے تین ہی قسمیں لکھی بھی ہیں۔ ایک وہ عمل جو اس کے لئے مفید ہے دوسرے وہ جو مضر ہے تیسرے وہ جو نافع ہے نہ مضر۔ لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ تیسری قسم بھی دوسری یعنی مضر کی فہرست میں داخل ہے کیونکہ جتنا وقت اور توانائی اس بے فائدہ کام میں صرف ہوئے اگر وہ کسی مفید کام میں صرف کئے جاتے تو اس سے بڑا فائدہ ہوتا اس فائدہ سے محرومی خود ایک مضرت اور خسارہ ہے جیسے کوئی تاجر اپنا سرمایہ کسی کام میں لگائے اور اس سے نہ نفع ہو نہ نقصان مگر وہ پھر بھی اس کو اپنا نقصان اور خسارہ سمجھتا ہے کہ متوقع نفع سے محرومی ہوگئی۔

دین کے معاملے میں شبہات کا اصل سبب اللہ کی محبت وعظمت کی کمی ہے

ارشاد فرمایا کہ دین کے احکام ومعاملات میں شبہات پیدا ہونے کا اصل سبب یہ ہوتا ہے کہ

جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور محبت پوری نہیں ہوتی وہ طرح طرح کے شبہات کا شکار ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین کبھی اس طرح کے شبہات میں مبتلا نہیں ہوئے۔اس سے معلوم ہوا کہ شبہات کا اصل علاج بھی دو چیزیں ہیں۔محبت و عظمت۔ اور ان دونوں کے حصول کا طریقہ اہل محبت و عظمت کے ساتھ مجالست ان کی صحبت میں رہنا ہے جس کا جی چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے کہ کسی محقق بزرگ اللہ والے کی خدمت میں چندروز عقیدت کے ساتھ بیٹھنے سے اکثر شبہات خود بخود دور ہو جاویں گے جو برسوں کے بحث و مباحثہ سے کبھی دور نہ ہوئے۔

اور فرمایا کہ اگر کسی شخص کو طبعاً یہی پسند ہو کہ احکام دین کے اسرار اور حکمتیں اس کو معلوم ہو جاویں تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ اسرار کی تفتیش اور اس میں بحث و مباحثہ کو ترک کرے۔ انقیاد و اطاعت میں لگ جائے تو یہ اسرار اس پر خود بخود منکشف ہو جائیں گے پھر فرمایا واللہ ثم واللہ یہی طریق ہے۔

میں نے جب سے درس تدریس کا کام شروع کیا اس کا التزام کر رکھا ہے کہ جو بات مجھے معلوم نہ ہو صاف کہہ دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔خواہ شاگرد سوال کرے یا کوئی اور یہ بات مجھے اپنے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے حاصل ہوئی ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ دنیا میں اسلام مباحثوں اور تحقیقی مجلسوں سے نہیں پھیلا بلکہ عمل اور اطاعت سے پھیلا ہے ایک انگریز نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں اسلام دو جماعتوں سے پھیلا ہے تجار اور صوفیہ اور فرمایا کہ حقیقت میں دین کی سب سے بڑی تبلیغ یہ ہے کہ اپنے حالات معاملات اخلاق کو درست کر لیا جائے اس کو دیکھ کر لوگ خود بخود مسلمان اور نیک ہو جاویں گے۔

مدارس اسلامیہ کے لئے ایک مفید مشورہ

عام طور سے مدارس اسلامیہ کے منتظمین ان کی مشکلات کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں۔اور خزانہ وقف سے قرض دینا درست نہیں۔حضرت قدس سرہ نے دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام

کو یہ مشورہ دیا کہ اس کام کے لئے الگ چندہ کر کے ایک قرضہ فنڈ قائم کرلیا جائے اسی میں سے قرض دیا جائے۔ اور خود پیش قدمی کر کے اپنی طرف سے پانچ سو روپیہ اس مد کے لئے عطا فرمادیئے (الحمدللہ دارالعلوم کراچی میں بھی ایک بندہ خدا نے قرضہ کے لئے ایک رقم جمع کردی ہے قرض اسی مد سے دیا جاتا ہے۔۱۲منہ)۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو سب اہلِ مدارس سے کہتا ہوں کہ مدرسین، ملازمین، طلباء کے متعلق جتنے معاملات اور حالات پیش آتے ہیں اہلِ فتویٰ علماء سے استفتاء کر کے ان سب کے احکام جمع کر لئے جاویں وہی مدارس اسلامیہ کا قانون ہوجاوے۔ اس میں سب سے بڑی مصلحت تو اتباعِ شریعت ہے اور اہلِ انتظام کے لئے بھی یہ سہولت ہے کہ جس شخص کی منشاء کے خلاف ان کو کچھ کرنا پڑے گا۔ وہ شرعی قانون پیش کر کے اپنا عذر بتاسکیں گے اور دوسروں کے لئے بھی حجت ہوگا۔

حقیقی تصوف کے احکام ومسائل درحقیقت شرعی احکام ہیں مگر کتب فقہ میں انکی تدوین ایک خاص وجہ سے نہیں ہوتی

عام طور پر لوگوں نے تصوف کی اصل حقیقت کو نہیں سمجھا۔ اوراد واشغال اور کشف والہام یا اذواق ومواجید کا نام تصوف رکھ دیا ہے اسی سبب سے وہ احکامِ شرعیہ سے الگ سا محسوس ہوتا ہے درحقیقت طریقت نام ہے شریعت پر مکمل اور پورے پورے عمل کا جس میں اعمالِ ظاہرہ نماز روزہ وغیرہ کی طرح اعمالِ باطنہ کی اصلاح بھی ایک اہم جز ہے اعمالِ باطنہ میں سب سے پہلے عقائد کی درستی اس کے بعد اخلاق کی اصلاح ہے تکبر، حسد، بغض، حرص، حب جاہ ومال وغیرہ سے بچنے، تواضع، قناعت اور صبر وشکر اللہ ورسول ﷺ کی کامل محبت وغیرہ حاصل کرنے کا اہتمام ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے اپنی کتاب الیواقیت والجواہر جلد اول فصل سوم میں لکھا ہے کہ اعمالِ باطنہ اور ان کے احکام کی تدوین سلف صالحین صحابہ وتابعین پھر آئمہ مجتہدین کے زمانے میں اس لئے ضروری نہیں سمجھی گئی کہ ان کا اہتمام عملی طور پر ہر مسلمان کے گھرانے میں ایسا تھا کہ ان کا ہر شخص واقف اور ان پر عامل تھا۔ بعد میں جب لوگوں میں جہالت غفلت اور کوتاہیاں شروع

ہوئیں تو عہدِ سلف ہی کے آخری دور میں اس کی تدوین بھی شروع ہوگئی۔ اور یہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسے آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں حدیث وفقہ کی تدوین نہیں ہوئی۔ اکابر امت نے جوں جوں ضرورت تدوین محسوس کی اسی تدریج سے حدیث کی پھر فقہ اور اصول فقہ کی تدوین ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعمالِ باطنہ کے احکام کتب فقہ میں مدون نہ ہونے سے اس دھوکے میں نہ پڑیں کہ شرعی احکام نہیں یا ان کی اہمیت نماز روزہ وغیرہ احکام سے کچھ کم ہے۔

شیخ کی مجلس میں بیٹھنے والوں کو کیا کرنا چاہیے

ارشاد فرمایا کہ جو طالب اپنے شیخ کی مجلس میں بیٹھے اس کے لئے ادب یہ ہے کہ جب شیخ کچھ کلام کرے تو پوری توجہ سے اس کو سنے۔ اور جب خاموش رہے تو یہ ذکر اللہ میں مشغول رہے اگر چہ ذکر قلبی بھی اس وقت کافی ہے مگر میں ذکر لسانی کو اس لئے ترجیح دیتا ہوں کہ ذکر قلبی میں اکثر غفلت پیش آجاتی ہے اور یہ آدمی سمجھتا رہتا ہے کہ میں ذکر میں مشغول ہوں اور فرمایا کہ ذکر قلبی کی دو صورتیں ہیں ایک الفاظ متخیلہ یعنی اللہ تعالیٰ کے کسی نام کے الفاظ دھیان میں رہیں۔ دوسرے محض تفکر یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اس کی رحمت اور اس کی نعمتوں میں غور و فکر۔

نماز میں خشوع اور حضور قلب کا آسان نسخہ

ارشاد فرمایا کہ خشوع نماز کی روح ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے مشائخ نے بہت سے طریقے اور اعمال لکھے ہیں تجربہ شاہد ہے کہ اس کی کوشش میں زیادہ کھپ جانے سے تکان پھر اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اس میں اعتدال چاہیے اور اس کی حد یہ ہے کہ جو الفاظ نماز میں زبان سے ادا کرتا ہے وہ محض یاد سے پڑھتا نہ چلا جائے بلکہ ایک ایک لفظ پر اس طرح دھیان لگائے جیسے کچا حافظ قرآن کے الفاظ کو سوچ سوچ کر نکالتا ہے اور اس میں بھی اگر کسی وقت غفلت ہو جائے تو اس کے قلق اور آئندہ کی فکر چھوڑ کر فوراً اسی طریقہ پر آجائے کہ جو الفاظ زبان سے ادا کر رہا ہے اس پر دھیان لگا دے۔ نماز میں استغراق کی کیفیت مطلوب نہیں کہ اس کو اور کسی چیز کی

خبر ہی نہ رہے۔ استغراق اور چیز ہے خشوع اور چیز۔ رسول اللہ ﷺ کو نماز میں استغراق نہیں ہوتا تھا۔ اس پر وہ حدیث شاہد ہے جس میں فرمایا ہے کہ جماعت نماز کے وقت اگر کسی بچے کے رونے کی آواز آتی تھی تو آنحضرت ﷺ نماز کو مختصر فرما دیتے تھے کہ بچے کی ماں اس کے رونے سے نماز میں پریشان ہوگی۔ اگر استغراق کی کیفیت ہوتی تو بچے کے رونے کی آواز کیسے آپ کو معلوم ہوئی۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ استغراق ایک غیر اختیاری حالت ہے اس میں ترقی نہیں ہوتی ترقی انہی اعمال میں ہوتی ہے جو اپنے اختیار سے کئے جاویں۔ خشوع بھی ایک اختیاری عمل ہے وہی مطلوب ہے۔

علماء کو صوفیاء پر ترجیح

ارشاد فرمایا کہ میں ہمیشہ علماء کو صوفیہ پر ترجیح دیتا ہوں کیونکہ دین اور اس کی حدود کے محافظ علماء ہی ہیں اسی لئے میں علماء کے لئے خلوت نشینی پر اس کو ترجیح دیتا ہوں کہ وہ درس تدریس وعظ و تبلیغ یا تصنیف وفتویٰ میں اپنا زیادہ وقت صرف کیا کریں۔ یہ میرا فیصلہ عقلی ہے ورنہ طبعی طور پر میں صوفیاء سے عشق رکھتا ہوں۔

اہلِ طریقت کے لئے ہدایت

فرمایا کہ ذکر اللہ اور نوافل وعبادت میں ایک خاص لذت ہے جو دنیا کی ساری لذتوں سے فائق ہے مگر مبتدی کو اس لذت وحلاوت کی فکر میں نہ رہنا چاہیے کیونکہ اعمال دین مبتدی کے لئے دواء کا حکم رکھتے ہیں۔ دواؤں میں مزا اور لذت کہاں۔ البتہ منتہی کے لئے یہی اعمالِ غذا لذیذ بن جاتے ہیں پھر فرمایا کہ لوگ اس طریق میں مزے کے طالب ہیں حالانکہ یہاں تو لوہے کے چنے چباتے ہیں جب تک اس منزل سے نہ گزر جائے لذت وحلاوت حاصل نہیں ہوتی۔

جس کسی کو کوئی کام بتاؤ آسان کر کے بتاؤ خواہ وہ اپنا نوکر ہی ہو

ارشاد فرمایا کہ عام طور پر لوگ کسی کو کام کے لئے مامور کرتے ہیں اور پوری بات بتاتے نہیں

پھر وہ گڑ بڑ کرتا ہے تو خفاء ہوتے ہیں۔ خصوصاً شاگردوں اور گھریلو نوکروں کے معاملے میں یہ بہت پیش آتا ہے ادب کی بات یہ ہے کہ کسی کام پر مامور کرنے کے وقت پوری بات صاف اور سہل طریقے سے سمجھا دی جائے۔

کشف والہام کے ذریعہ جو علم حاصل ہو قابل اطمینان نہیں اطمینان صرف اس علم سے ہوسکتا ہے جو بواسطہ نبی کریم ﷺ ملا ہے

ارشاد فرمایا کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تحقیق اگرچہ یہ ہے کہ مشائخ کاملین کے کشف و الہام میں غلطی نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے فرمایا ہے کہ جو علم کسی امتی کو کشف والہام کے طریقے سے حاصل ہوتا ہے وہ مستحکم قابل اطمینان نہیں بلکہ مکمل اطمینان اس علم پر ہوسکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے ملتا ہے۔ فرمایا کہ کشف والہام میں بعض اوقات صاحب کشف کا امتحان بھی مطلوب ہوتا ہے اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم میں ابتلاء وامتحان کا امکان نہیں کیونکہ نبی کی شان صرف ہادی کی ہوتی ہے۔

ضلالت و گمراہی اس کے راستے میں نہیں آسکتی۔ بخلاف کشف کے کہ اس کا تعلق تکوینی امور سے ہے اور تکوین و تقدیر میں ہدایت وضلالت دونوں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی شان جدا ہے۔ ہدایت اور ضلالت دونوں ان کی قدرت و مشیت سے ہوتی ہیں اسی لئے خواب میں شیطان ملعون اپنی خدائی کا دعویٰ تو کرسکتا ہے مگر خواب میں بھی اس کو یہ کہنے کی قدرت نہیں دی گئی کہ وہ اپنے آپ کو نبی یا رسول ظاہر کرے۔ کیونکہ ایسی صورت میں انسان دھوکہ کھا سکتا ہے اور خدائی کے دعویٰ میں ایسا دھوکہ نہیں ہوسکتا ادنیٰ عقل والا بھی خود اس کو باطل سمجھے گا۔

طریق میں مبتدی اور منتہیٰ کے حالات کا فرق

ارشاد فرمایا کہ ابتداء میں انسان کا قلب اسکی نظر کے تابع ہوتا ہے جس طرف نظر جاتی ہے اسی طرف قلب کا دھیان لگ جاتا ہے اور رسوخ کے بعد معاملہ برعکس ہوجاتا ہے کہ نظر قلب کے تابع ہوجاتی ہے اسی لئے مبتدیٰ کے لئے خشوع حاصل کرنے کے واسطے آنکھ بند کرنے کی

اجازت دی گئی ہے۔ کاملین کو اس کی ضرورت نہیں رہتی۔

جذب وسلوک کے معاملے میں رحمتِ حق کا ایک خاص مظہر

ارشاد فرمایا کہ مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹویؒ (خلیفہ حضرت گنگوہیؒ) فرمایا کرتے تھے کہ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں جس چیز کو وصول الی اللہ (اللہ تک پہنچنا) کہا جاتا ہے اس کے لئے عادۃ اللہ یہ ہے کہ پہلے بندہ کی طرف سے سلوک ہوتا ہے یعنی اپنی سعی وعمل کے ذریعہ اللہ کا راستہ طے کرنا جب انسان اپنے حدِ اختیار تک یہ کام کر لیتا ہے تو پھر حق تعالیٰ کی طرف سے جذب ہوتا ہے اور اسی جذب سے منزل مقصود تک رسائی ہوتی ہے۔ بغیر جذب حق کے سلوک محض کافی نہیں ہوتا۔ مگر قدیم زمانے میں اس سلوک کے لئے محنت شاقہ اور بڑے مجاہدات شرط تھے اس کے بعد جذب کی نوبت آتی تھی۔ اس زمانے میں انسانی قویٰ کا انحطاط ہے۔ اس لئے مجاہدات شاقہ کے بغیر ہی جذب حق نصیب ہو جاتا ہے شرط یہ ہے کہ اتباع سنت کا پورا اہتمام کرے کیونکہ جذب علامت محبوبیت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ (اس میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے) آپ ﷺ لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو میرا اتباع کرو۔ اس اتباع سنت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہو جاؤ گے۔

آئمہ مجتہدین سب کے سب صاحبِ مقامات اولیاء اللہ تھے

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب فاتحۃ العلوم میں اکثر ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کے متعلق ثابت کیا ہے کہ یہ حضرات صحابہ وتابعین کی طرح ظاہر و باطن ہر حیثیت سے مکمل اولیاء اللہ تھے۔ اگرچہ ان کو اسی طرح کی رسمی مجاہدات کو نوبت نہیں آئی جو عموماً صوفیاء کرام میں معروف تھے۔ اسی سلسلہ ذکر میں ارشاد فرمایا کہ مولانا رومیؒ کے ایک شعر کا عام لوگ غلط مفہوم لے کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے طریقت دوسری چیز یہ آئمہ مجتہدین اصحابِ شریعت تھے اصحابِ طریقت نہ تھے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

زان طرف کہ عشق می افزود درد   بوحنیفہ شافعی درسے نہ کرد

فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے اس شعر کے بین السطور میں دو لفظ لکھ کر سارا اشکال ختم کر دیا ہے وہ یہ کہ بوحنیفہ شافعی کے نیچے لکھ دیا۔ اے علماء ظاہر مقصد یہ ہے کہ اس شعر میں ابوحنیفہ و شافعی کی ذات مراد نہیں۔ بلکہ اس کا وصف مشہور مراد ہے یعنی ظاہر شریعت کا علم رکھنے والے جیسے مشہور ضرب المثل میں لکل فرعون موسیٰ کہا جاتا ہے وہاں خاص فرعون اور حضرت موسیٰ کی ذات مراد نہیں ہوتی بلکہ فرعون سے مراد مطلق گمراہ اور موسیٰ سے مراد مطلق ہادی ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مفہوم شعر کا یہ ہے جو شخص صرف جزئیات فقہیہ کو یاد کر لے اور صرف ظاہر شریعت پر عامل اور باطن کے فرائض اور محرمات و مکروہات سے واقف نہ ہو۔ اور ان حضرات آئمہ مجتہدین کا یہ حال نہ تھا کہ باطن کے احکام سے ناواقف یا عامل ہوں کیونکہ وہ بھی قرآن وسنت کے ایسے ہی ضروری احکام ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے احکام۔

تقلید شخصی

ارشاد فرمایا کہ نفس کی آزادی اور بے راہ روی کا علاج تقلید شخصی سے بہتر کوئی نہیں۔ ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ تو اپنے معاصرین کی بھی تقلید کرتے تھے۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں تقلید شخصی ہی کا نام وحدتِ مطلب ہے یعنی کسی ایک شیخ کو اپنا مربی و مصلح بنا کر تمام معاملات میں اسی کے تابع عمل کیا جائے۔ مختلف مشائخ اور بزرگوں کے اعمال پر نظر ڈال کر اپنے لئے کوئی راہِ عمل تجویز کرنے والا نفس کے دھوکے سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔

عورتوں میں علمِ دین

فرمایا کہ قصبہ کاندھلہ کی اکثر عورتیں مشکوٰۃ اور درمختار تک پڑھی ہوئی ہیں اور بہت کم عورتیں ہیں جو حافظہ نہ ہوں اور رمضان میں تمام رات سوتی ہوں۔

خط کا جواب اُسی کاغذ پر لکھنا

حضرتؒ کا بڑا حکیمانہ معمول تھا کہ ہر خط کا جواب اُسی خط کے حاشیہ پر لکھتے تھے تا کہ سوال جواب دونوں ساتھ رہیں اور جواب لکھنے میں بھی تطویل کی ضرورت نہ ہو۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ لوگ میرے اس معمول کو اہانت سمجھتے ہیں اور میں اس کو اعانت سمجھتا ہوں۔

مدارسِ اسلامیہ کے چندہ کے متعلق اہم مشورہ

ارشاد فرمایا کہ ان مدارس دینیہ کا وجود بھی ضروری ہے اور ان کی بقاء بھی چندہ پر موتوف ہے (مگر چندہ جمع کرنے میں آج کل بیشمار خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں جن میں سب سے بڑی خرابی چندہ جمع کرنے والے علماء کا وقار مجروح ہوتا ہے جو عوام کے لئے زہر ہے اور پھر چندہ کرنے والے حضرات بھی اکثر احتاط نہیں ہوتے ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں کہ دینے والا شرما شرمی کچھ دے نکلے اس کا اخلاص ختم ہوا۔ ان کے لئے ایسا چندہ لینا جائز نہیں)۔ اس لئے مناسب صورت یہ ہے کہ چندہ کی تحریکِ عام کی جائے۔ خطابِ خاص سے پرہیز کیا جائے اور خطاب خاص صرف اس صورت سے جائز ہے کہ خطاب کرنے واا کوئی با اثر شخصیت کا مالک نہ ہو جس کے اثر سے مغلوب ہو کر لوگ چندہ دینے پر مجبور ہو جاویں۔

مسئلہ جبر و اختیار مختصر الفاظ میں

ارشاد فرمایا کہ ہمارے افعال تو ہمارے اختیار میں ہیں مگر اختیار ہمارے اختیار میں نہیں اور اس سے جبر لازم نہیں آتا۔ دیکھو حق تعالیٰ مختار مطلق ہیں مگر اختیار حق خود مقدور نہیں۔ بلکہ لازم ذات ہے۔

انابت الی اللہ کی برکت علوم وفنون میں

ارشاد فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے چار مسائل میں اللہ تعالیٰ نے شرح صدر عطا فرمایا ہے ان میں کبھی کوئی شک شبہ نہیں پیش آتا۔ اول مسئلہ تقدیر، دوم

مسئلہ حقیقت روح، سوم مشاجرات صحابہ، چہارم وحدت الوجود۔ ظاہر ہے کہ یہ شرح صدر کتابی علوم میں بڑی محنت اٹھانے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ توجہ الی اللہ اور اپنے آپ کو اس کی فکر میں لگا لینے کا ثمرہ تھا۔

حکیمانہ جواب

ایک صاحب نے خط میں دریافت کیا کہ آپ کے یہاں رویت ہلال کس دن ہوئی۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اگر میں لکھ دوں تو کیا یہ آپکے لئے حجت ہوگا کہ اس پر عمل کرسکیں۔ (اور جب یہ نہیں تو سوال جواب فضول ہے)۔

دلائل الخیرات اور ماثورہ درود وسلام

ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ جتنی دیر میں آدمی دلائل الخیرات کی ایک منزل پڑھتا ہے اتنی دیر تک درود وسلام کے وہ الفاظ پڑھ لیا کرے جو احادیث میں منقول و ماثور ہیں۔

ملفوظ حضرت شاہ ولی اللہ

ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے کہ:۔

نسبت صوفیہ غنیمتے است کبریٰ و مارسوم شان ہیچ نہ یرزند

ہندوستان کے مشہور بزرگوں کی تاریخ ایک انگریز کے قلم سے

انگریز دنیا کے کاموں میں بڑے ہشیار ہیں جب ہندوستان میں آنا شروع کیا تو فارسی زبان سیکھی یہاں تک کے امراء وسلاطین کے آداب سیکھے۔ پھر حکومت ہند پر غالب آنے کے بعد بھی ایک زمانے تک سلاطین اسلام کی رسوم کو جاری رکھا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک انگریز نے جنگ ۱۸۵۷ء سے پہلے ہندوستان کے مشہور بزرگوں کی تاریخ فارسی زبان میں لکھی تھی۔ جسکا نام مفتاح التواریخ رکھا تھا۔

بعض اولیاء اللہ کی سادگی

حضرت حافظ ضامن صاحب شہیدؒ جو تھانہ بھون کے اقطاب ثلاثہ میں سے ایک تھے انکا

رنگ عجیب تھا کہ انکے ظاہری حالات کو دیکھ کر کوئی پہنچان نہ سکتا تھا کہ یہ کوئی صاحب نسبت بزرگ اور ولی اللہ ہیں۔ ان کے صاحبزادے مولوی محمد یوسف صاحب کا بھی یہی رنگ تھا کہ صاحب نسبت بزرگ اور ولی اللہ ہونے کے باوجود عام لوگوں کی صف میں انہی کی طرح رہتے تھے۔ بھوپال میں تحصیلدار کی حیثیت سے ملازم رہ کر وقت گزارا ہے۔ حضرتؒ نے ان کا واقعہ ذکر فرمایا کہ ایک مشاق فقیر جس نے مسمریزم کی مشق کی ہوئی تھی اپنی خیالی قوت اور توجہ سے لوگوں پر اثر ڈالتا تھا۔ ایک دن مولوی محمد یوسف صاحب کی مجلس میں پہنچ گیا اور اپنا باطنی تصرف کرنے کا قصد کیا۔ مولوی صاحب کو فوراً احساس ہوگیا تو یہ شعر پڑھا۔

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار میں مجنوں ۔۔۔ کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

ملفوظات ۱۱ رمضان ۱۳۴۸ھ اپنے کمالات کے اخفاء و اظہار میں معتدل فیصلہ

بعض اکابر اولیاء اللہ اس کا بڑا اہتمام فرماتے تھے کہ جو عبادت کریں، چھپ کر کریں جو نیک کام کریں کسی کو خبر نہ ہو۔ بعض حضرات تو لوگوں کے سامنے ایسے کام کرتے تھے جو دیکھنے والوں کی نظر میں عیب اور گناہ ہوں حالانکہ وہ درحقیقت گناہ نہیں ہوتے تھے۔ منشاء یہ تھا کہ لوگ ہمارے معتقد نہ رہیں بدگماں ہو جائیں۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ سنت کا معتدل طریق یہ ہے کہ اپنے کام سے کام رکھے نہ اخفاء کا اہتمام کرے نہ اظہار کا۔

اور فرمایا کہ میرا تو یہ دل چاہتا ہے کہ میرے کسی قول فعل سے کسی کو دھوکہ نہ ہو کہ کسی غیر واقعی کمال کا کوئی معتقد ہو جائے۔ بلکہ غیر واقعی عیب کا کوئی معتقد ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

علماء کے درمیان اختلافی مسائل میں توسع

فرمایا کہ ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے مزاج میں ایسے اختلافی مسائل کے بارے میں بڑا توسع تھا۔ میں نے (یعنی حضرت حکیم الامۃ نے) ان سے ایک مسئلہ پوچھا جس میں مولانا کا فتویٰ حضرت گنگوہیؒ کے فتوے سے مختلف تھا۔ اپنی تحقیق کے مطابق مسئلہ

بتلا دیا اور پھر یہ بھی فرمادیا کہ مولانا گنگوہی کا فتویٰ اس معاملے میں اس طرح ہے اب تمھیں اختیار ہے جس کو چاہو اختیار کرلو۔

خلق خدا کو فائدہ نِری علمی تحقیق سے نہیں بلکہ عملی تقدس سے پہنچتا ہے

ارشاد فرمایا کہ مولانا عبید اللہ سندھی نے نقل کیا کہ علامہ شبلی نعمانی نے ان کے سامنے فرمایا کہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ قوم کو اصلاحی فائدہ وہ شخص پہنچا سکتا ہے جس میں تقدس وتقویٰ ہو۔ اس کے بغیر کتنا ہی بھاری عالم اور محقق ہو اصلاحِ خلق اس سے نہیں ہوسکتی۔

عمر رفتہ پر چند آنسو

در ۱۳۹۰ھ

اس وقت کہ مجالس حکیم الامۃ کے یہ صفحات زیرِ قلم ہیں:۔

۲۱ شعبان ۱۳۹۰ھ کو میری عمر کے پچھتر سال پورے ہوکر چھہترویں منزل شروع ہوئی۔ پون صدی کی عمر طویل اور مہلت حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور ہر قدم پر اپنے بیشمار انعامات واحسانات سے نوازا۔ حق تعالیٰ کی بیشمار نعمتوں کے سایہ میں پل کر اس کی نافرمانیوں، گناہوں، غفلتوں میں اس پون صدی کے مہلت ضائع ہوجانے کے وقتی استحضار نے چند اشعار لکھوا دیئے جن میں میرے اپنے تو صرف ابتدائی دو شعر ہی ہیں باقی سب دوسرے بزرگوں کے دعائیہ اشعار ہیں۔ جو مختلف مقامات سے لئے ہوئے حسب حال سمجھ کر اس لئے لکھ لئے ہیں کہ بزرگوں کے دل سے نکلے ہوئے کلمات ہیں۔ شاید ان کے بار بار پڑھنے سے ہی کچھ اصلاح عمل کی توفیق اور فکرِ آخرت پیدا ہو۔ اسی فائدے کے پیشِ نظر ان اشعار کو اس مجموعہ ''مجالس حکیم الامۃ'' میں شائع کیا جارہا ہے:۔

۱۔ پنج و ہفتاد آمد از عمر عزیز ——— بے عمل بے علم بے رشد وتمیز

۲۔ وائے بر من فرصت عمر دراز ——— دادہ ام در غفلت و در حرص وآز

۳۔ بے گنہ نگذشت برمن ساعتے — با حضور دل نہ کردم طاعتے

۴۔ صد ہزاران دام ودانہ است ای خدا — ما چومرغان حریص بے نوا

۵۔ می رہانی ہر دمے ماراوباز — سوئ دامے می رویم ای بینیاز

۶۔ از چو ما بیچارگان این نبد بخت — کہ کشاید جز توای سلطان بخت

۷۔ خویش را دیدیم ورسوائی خویش — امتحان ما مکن اے شاہ بیش

۸۔ اے خداوند کریم بردبار — دہ امانم زین دوشاخہ اختیار

۹۔ جذب یک راہ بہ صراط مستقیم — بہ زدو راہبر تردد اے کریم

۱۰۔ ہین کہ از تقطیع ما یک تار ماند — مصر بودیم و یکے دیوار ماند

۱۱۔ البقیہ البقیہ اے خدیو — تا نہ گردد شاد کلی جان دیو

۱۲۔ ای ہمیشہ حاجت مارا پناہ — بار دیگر ما غلط کردیم راہ

۱۳۔ گر ہزاران دام باشد ہر قدم — چون تو با مائی نباشد ہیچ غم

۱۴۔ تلخ تر از فرقت تو ہیچ نیست — بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست

۱۵۔ کار تو تبدیل اعیان وعطا — کار ما سہوست ونسیان وخطا

۱۶۔ سہو ونسیان را مبدل کن بعلم — من ہمہ جہلم مرا دہ صبر وحلم

۱۷۔ کیمیا داری کہ تبدیلش کنی — گرچہ جوئ خون بود نیلش کنی

۱۸۔ بادشاہا جرم مارا درگزار! — ما گنہگاریم وتو آمرزگار

۱۹۔ بر درآمد بندۂ بگریختہ — آبروئ خود بعصیان ریختہ

۲۰ مغفرت دارد امید از لطف تو — زانکہ خود فرمودۂ لا تقنطوا

۲۱۔ چشم دارم کز گنہ پاکم کنی — پیش ازین کاندر لحد خاکم کنی

۲۲۔ اندر آندم کز بدن جانم بری — اے خدا با نور ایمانم بری

بندہ محمد شفیع

یکم رمضان ۱۳۹۰ھ

اولیاء اللہ سے خلقِ خدا کو بلا ارادہ بھی فائدہ پہنچتا ہے

ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا تعلق حق تعالٰی کے ساتھ درست اور قوی ہو جاتا ہے اس سے مسلمانوں کو بلا قصد بھی نفع پہنچتا ہے اس کی مثال آفتاب جیسی ہوتی ہے کہ خود آفتاب کو بھی خبر نہیں نہیں کہ اس سے کس کس کو کیا کیا فائدے پہنچ رہے ہیں اور جن کو فائدہ پہنچتا ہے وہ بھی کچھ قصد و ارادہ نہیں کرتے اس کے باوجود فوائد پہنچتے ہیں اور فرمایا کہ بحمداللہ ہمارے بزرگوں کا یہی حال تھا۔

صحبتِ شیخ کا ایک خاص ادب

ارشاد فرمایا کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ مرید کو اپنے شیخ سے بھی بہت لپٹنا نہ چاہیے کہ ہر وقت ہر حال میں ساتھ ہی لگا رہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسانی کمزوریوں سے کوئی بشر خالی نہیں ہوتا۔ مرید کی نظر جب ایسی کمزوریوں پر پڑتی رہے گی تو دل میں بے اعتقادی پیدا ہوگی اور وہ اس کے لئے سخت مضر ہے کہ وہ ایک دیوار بن کر درمیان میں حائل ہو جاتی ہے۔ شیخ سے استفادہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ (انتہیٰ)

یاد آیا کہ حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی کی کسی کتاب میں نظر سے گزرا ہے کہ شیخ الاسلام محی الدین نووی شارح مسلم جب اپنے استاد کی خدمت میں حاضر ہوتے تو راستہ میں یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ یا اللہ شیخ کے کسی عیب و کمزوری پر میری نظر نہ پڑے تاکہ ان سے استفادہ میں مخلل نہ آئے۔ طالب مرید کے لئے یہ نصیحت بہت اہم ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ استاد یا پیر سے کھلے طور پر گناہ کبیرہ اور حرام چیزوں کا ارتکاب دیکھتا رہے اور اعتقاد میں فرق نہ آئے۔ ایسے حالات میں اس کی بزرگی کا اعتقاد حرام اور اس سے بیعت فسخ کرنا واجب ہے حضرتؒ نے ایک اور موقع پر ایسے ہی معاملے میں فرمایا تھا کہ ایسے حال میں عقیدہ کا زائل ہو جانا واجب ہے مگر اس کی بھی بے ادبی سے اور گستاخی سے بچنا چاہیے۔ (محمد شفیع)

اہل معصیت سے بغض بھی ضروری ہے اور اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا بھی، دونوں کو کس طرح جمع کیا جائے

سوال کیا گیا کہ معصیت اور گناہوں بغض ونفرت اور اہل معصیت سے اجتناب اور قدرت ہونے کی صورت میں ان کو سزا دینا بھی واجب ہے اور تواضع بھی واجب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں میں کھلا ہوا تضاد ہے ان کو کس طرح جمع کیا جائے اس پر فرمایا کہ جس شخص کو کسی گناہ کی بناہ پر سزا دے رہا ہے یا اس سے قطع تعلق کر رہا ہے اس کی مثال ایسی سمجھئے کہ کسی شہزادہ سے کوئی جرم صادر ہوا اور سرکاری حکم اس کو سزا دینے کا جاری ہو سزا دینے والے عموماً جلاد ہوتے ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ خصوصاً شہزادے کے مقابلہ میں۔ مگر اس کے دل میں کبھی یہ وسوسہ بھی نہیں آتا کہ میں شہزادہ سے افضل اور برتر ہوں کہ اس کو کوڑے لگا رہا ہوں۔ یہی مثال ہر مصلح اور احکام شرعیہ کی تنقید کرنے والے کو اپنے لئے سمجھنی چاہیے کہ جس گنہگار سے اجتناب کر رہا ہے یہ سمجھ کر کرے کہ میں اللہ کی طرف سے اس پر مامور ہوں کہ اس سے خصوصی تعلق نہ رکھوں لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک مجھ سے افضل و برتر ہو۔ اور اس کا کوئی عمل ایسا مقبول ہو جو اس کو مجھ سے بڑھا دے یا میرا کوئی عمل خدانخواستہ ایسا برا ہو جو مجھے اس کے درجہ سے بھی گرا دے۔ اسی طرح تواضع بھی پوری قائم رہتی اور اہل فسق و فجور سے جو معاملہ شرعی کیا جاتا ہے وہ بھی اپنی جگہ رہتا ہے۔ اس کا دوسرا عنوان یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بغض ونفرت اور قطع تعلق دراصل فساق فجار کے اعمال سے ہے خود ان کی ذات سے نہیں۔ (انتہیٰ)

یاد آیا کہ حضرتؒ نے ایک اور موقع پر کسی کالج میں اپنا وعظ ہونے کا ذکر فرمایا اور یہ کہ وعظ کے بعد ایک نوتعلیم یافتہ صاحب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں سے بڑی نفرت ہے تو حضرتؒ نے جواب دیا کہ ان سے تو نہیں ہاں ان کے بعض اعمال سے ضرور نفرت ہے۔ یہ صاحب کہنے لگے کہ وہ اعمال کیا ہیں؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ سب کا کوئی ایک عمل نہیں۔ ہر شخص کے اعمال واحوال مختلف ہیں ان کے احکام بھی مختلف ہیں۔ خلاصہ یہ

کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی کتنا ہی برا اور فاسق فاجر آدمی ہو اس کی ذات سے نفرت مقصود شرعی نہیں بلکہ اس کے ناجائز عمل سے بغض و نفرت مقصود شرعی ہے۔ (محمد شفیع)

کسی کی آزادی میں خلل نہ ڈالو

ارشاد فرمایا کہ آزادی بڑی نعمت ہے اس لئے کسی کی آزادی میں ہرگز خلل انداز نہ ہونا چاہیے۔ لوگوں کے سونے آرام کرنے یا کوئی درود وظیفہ پڑھنے اور لکھنے پڑھنے کے اوقات میں بلا ضرورت شدیدہ ان کی ملاقات کے لئے جانا یا کسی کام کو کہنا ان کی آزادی سلب کرنا ہے اس میں بڑی احتیاط چاہیے جس سے کوئی کام ہو یا ملاقات مقصود ہو اس کی فرصت کا وقت معلوم کر کے جانا چاہیے۔ اور فرمایا کہ میں ایک مجلس یا ایک کھانے پر مختلف اجناس کے لوگوں کو جمع کرنا اسی لئے پسند نہیں کرتا کہ ان کی آزادی میں خلل پڑتا ہے۔ ان کی باہم مناسبت اور بے تکلفی نہیں ہوتی سب ایک قیدی سی محسوس کرتے ہیں۔ اسی لئے میں سفر میں یہ بھی شرط لگاتا تھا کہ کھانا سب کے ساتھ کھانے کا پابند نہ رہوں گا۔

اسی پر فرمایا کہ جن کاموں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے انسان کو آزاد رکھا ہے ان میں اپنی طرف سے نئی نئی قیدیں بڑھانا خود اپنی آزادی کو سلب کرنا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے ذکر اللہ کے لئے کوئی قید وضو بے وضو کی نہیں رکھی۔ اسی طرح کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حال میں ذکر اللہ کی اجازت ہے تو اگر کوئی شخص اپنے اوپر یہ پابندی لگا لے کہ جب کوئی ذکر اللہ کرے تو باوضو ہی کرے یا کھڑے ہی ہو کر کرے یہ خود اپنی خداداد آزادی کو سلب کر کے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کرنا ہے کیونکہ انسان پر شرعی مقاصد کے ماتحت خود بہت سی پابندیاں عائد ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی پابندی نہیں لگائی وہاں بھی پابندی اپنے اوپر عائد کر لی جاوے تو عادۃً اس پر دوام والتزام نہ ہو سکے گا کیونکہ شریعت کی عائد کردہ پابندیوں کو نبھانا بھی کوئی آسان کام نہیں۔ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

لن تحصوا ولکن سددوا وقاربوا. یعنی ''تم ان تمام پابندیوں کو مکمل طور پر پورا نہ کرسکو گے جو تم پر عائد کی گئی ہیں لیکن اپنے آپ کو درست رکھنے اور قریب قریب رہنے کا انتظام و اہتمام کرلو تو یہ بھی کافی ہے''۔

پھر فرمایا کہ بدعت کے ممنوع و ناجائز ہونے کی ایک ذوکی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ انسان کی خداداد آزادی کو سلب کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ کا ثواب کسی کو پہنچانے کے لئے کوئی قید نہیں رکھی بس دل میں نیت کر لینا یا زبان سے کہہ دینا کہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچے یہ کافی ہے اس پر کچھ قرآن کی سورتیں پڑھنے پڑھوانے کی پابندیاں جو لوگوں نے اپنے اوپر لگالیں خود بھی اس سے کافی پریشان ہوتے ہیں۔

کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اس شخص پر بہت خفا ہوتے تھے جو ان کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو۔ (انتہیٰ)

(جو حضرات مقتداء ہیں ان کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس فعل پر ناپسندیدگی اور ناراضی کا اظہار کریں اگرچہ دوسروں کے لئے ایسے وقت جب کوئی بزرگ عالم مجلس میں آئے تعظیماً کھڑا ہو جانے کی اجازت ہے)

حنفی اور محمدی

فرمایا کہ بہت سے غیر مقلد حضرات اپنے کو محمدی کہتے اور لکھتے ہیں اور حنفی شافعی کہنے کو شرک قرار دیتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر حنفی شافعی شرک ہے تو محمدی کہنا کیوں شرک سے خارج ہوگیا۔

جہاد ۱۸۵۷ء

فرمایا کہ تھانہ بھون اور شاملی میں جو اس وقت جہاد ہوا اس کے امیر المومنین ہمارے سید

الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ تھے۔ ان کے سب متعلقین شریکِ جہاد تھے۔ بحکم قضا و قدر مسلمانوں کو آخر کار اس میں ناکامی ہوئی۔ مجاہدین کی گرفتاری کے احکام انگریزوں کی طرف سے جاری ہوئے۔ حضرت گنگوہیؒ گرفتار ہو کر جیل بھیج دیئے گئے۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ روپوش ہو گئے مگر تین روز کے بعد خود ہی ظاہر ہو گئے اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جبلِ ثور میں تین روز روپوش رہے تھے۔ یہ سنت پوری کر لی۔ اب روپوش نہ رہوں گا۔ گرفتاری مقدر ہے تو ہو جائیگی مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا فرما دیئے کہ گرفتاری سے بھی بچ گئے۔ حضرت سید الطائفہ روپوش رہے اور اسی حال میں ایک روز گنگوہ تشریف لے گئے۔ حضرت گنگوہیؒ جیل میں تھے ان کے گھر والوں کو تسلی دینا مقصود تھا۔ حضرت گنگوہیؒ کی صاحبزادی صفیہ چھوٹی بچی تھی ان کو گود میں بٹھایا اور دو روپیہ ان کو دیئے۔ انہوں نے یہ روپیہ لے کر حضرت ہی کے قدموں پر رکھ دیئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ لڑکی زاہدہ ہوگی۔ حضرت گنگوہیؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق اس لڑکی کو زاہدہ ہی بنایا ہے اس پر کبھی زکوٰۃ فرض ہونے کی نوبت نہیں آتی کیونکہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے سب غریبوں اور عزیزوں پر خرچ کر ڈالتی ہیں۔

نرمی اور سختی

فرمایا کہ میں نرمی چھوڑنے کو سختی کے ساتھ روکتا ہوں تو یہ سختی ظاہر میں تو سختی ہے مگر درحقیقت نرمی پر مجبور کرنا اور اس کا خوگر بنانا ہے۔

محفلِ میلاد

فرمایا کہ اس کے متعلق پہلے میرا یہ خیال تھا کہ اس محفل کا اصل کام ذکر رسول ﷺ تو سب کے نزدیک خیر و سعادت اور مستحب ہی ہے۔ البتہ اس میں جو منکرات اور غلط رسمیں شامل کر دی گئی ہیں ان کے ازالہ کی کوشش کرنی چاہیے۔ اصل امر محفل مستحب کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ اور یہ دراصل ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ قدس سرہ کا مسلک تھا۔ حضرت کی غایت شفقت و عنایت اور محبت کے سبب میرا بھی ذوق یہی تھا۔ اور یہی عام طور پر صوفیائے کرام کا مسلک ہے۔ حضرت

مولانا رومی بھی اسی کے قائل ہیں انہوں نے فرمایا ۔

بہر کیکے تو گلیمے را مسوز

لیکن ہمارے فقہاء حنفیہ کا مسلک ان معاملات میں یہ ہے کہ جو مباح یا مستحب مقاصد شرعیہ میں سے ہو اس کے ساتھ تو یہی معاملہ کرنا چاہیے کہ اگر اس میں کچھ منکرات شامل ہو جائیں تو منکرات کے ازالہ کی فکر کی جائے اصل کام کو نہ چھوڑا جائے ۔ مثلاً مسجدوں کی جماعت میں کچھ منکرات شامل ہو جائیں تو اس کی وجہ سے جماعت چھوڑ دینا جائز نہیں ہوگا بلکہ منکرات کے ازالہ کی کوشش مقدور بھر واجب ہوگی ۔ اسی طرح اذان تعلیم قرآن وغیرہ کا معاملہ ہے کہ وہ مقاصد شرعیہ میں سے ہیں اگر ان میں سے کچھ منکرات شامل ہو جاویں تو ازالہ منکرات کی کوشش کی جاوے گی اصل کام کو نہ چھوڑا جاوے ۔ لیکن جو مستحبات ایسے ہیں کہ اصل مقاصد شرعیہ ان پر موقوف نہیں ۔ اگر ان میں کچھ منکرات و بدعات شامل ہو جاویں تو ایسے مستحبات ہی کو ترک کر دینا چاہیے مثلاً زیارت قبول ذکر رسول ﷺ کے لئے کسی محفل و مجلس کا انعقاد کہ اس پر کوئی مقصد شرعی موقوف نہیں ۔ وہ بغیر اس مجلس خاص صورت کے بعد پورے کر سکتے ہیں اگر ان میں منکرات و بدعات شامل ہو جاویں تو یہاں ایسی مجالس اور ایسے اجتماعات ہی کو ترک کر دینا لازم ہو جاتا ہے احادیث اور آثار صحابہ اور اقوال آئمہ میں اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں جن کو علامہ شاطبی نے کتاب الاعتصام میں جمع فرما دیا ہے ۔

جس درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کا بیعت لینا اس پر اللہ تعالیٰ کی رضا قرآن میں مذکور ہے جب اس کے نیچے لوگوں کا اجتماع اور بعض منکرات کا خطرہ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے محسوس فرمایا تو اس درخت ہی کو کٹوا دیا حالانکہ اس کے نیچے جمع ہونے والے حضرات صحابہؓ کوئی ناجائز کام نہ کرتے تھے محض تبرکاً جمع ہوتے اور ذکر اللہ و ذکر رسول ﷺ ہی میں مشغول رہتے تھے مگر چونکہ ایسا اجتماع مقصود شرعی نہیں تھا اور آئندہ اس میں شرک و بدعت کا خطرہ تھا اس لئے اس اجتماع ہی کو ختم کر دیا گیا ۔ اس طرح کے اور بھی متعدد واقعات حضرت فاروق اعظمؓ اور دوسرے

حضرات صحابہ سے بکثرت منقول ہیں۔ کتاب الاعتصام میں وہ مستند کتابوں کے حوالے سے نقل کئے گئے ہیں ان احادیث و آثار کی بناء پر فقہا حنفیہ کا مسلک ایسے معاملات میں یہی ہے کہ جو امر اپنی ذات میں مستحب ہو مگر مقصود شرعی نہ ہو۔ اگر اس میں منکرات، بدعات شامل ہو جائیں یا شامل ہونے کا خطرہ قوی ہو تو ایسے مستحبات کو سرے سے ترک کر دیا جائے۔ لیکن جو امر مستحب مقاصد شرعیہ میں سے ہو یا اس پر کوئی مقصد شرعی موقوف ہو تو اس کو شمول منکرات کی وجہ سے ترک نہ کیا جائے بلکہ ازالہ منکرات کی کوشش کرنا چاہیے۔

حضرت گنگوہیؒ اسی مسلک حنفی کے پابند تھے اس لئے مروجہ محفل میلاد جو بہت سے منکرات و بدعات پر مشتمل ہو گئی ہے اس میں شرکت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ کچھ زمانے تک اس مسئلہ میں حضرت گنگوہیؒ سے بھی میرا اختلاف رہا مگر بالآخر دلائل کی قوت اور دین کی حفاظت کے پیش نظر یہی مسلک احوط اور اسلم نظر آیا اسی کو اختیار کر لیا لیکن جو مسلک صوفیائے کرام نے اختیار فرمایا ہے میں اس کو بھی بے اصل نہیں جانتا۔ فقہا مجتہدین سے حضرات شافعیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ علامہ شامی نے مصافہ بعد الصلوٰۃ کے مسئلے میں شیخ محی الدین نووی شافعیؒ کا یہی مسلک نقل کیا ہے اس لئے جو صوفیائے کرام محفل میلاد خالی از منکرات پر عامل ہیں ان پر بھی اعتراض اور بدگمانی نہیں کرنا چاہیے۔ (اس ملفوظ میں سب حضرتؒ کے الفاظ نہیں۔ شرح و توضیح احقر کی طرف سے شامل ہے) (محمد شفیع)

رذائل کی اصلاح کا ایک خاص طریقہ

ارشاد فرمایا کہ میں اپنے نفس میں جس رذیلہ (یعنی بری بات) کو محسوس کرتا ہوں کبھی کبھی اس کا علاج اس طرح بھی کرتا ہوں کہ اس کے متعلق عام مجلس میں ایک وعظ کہہ دیا۔ اس سے اس رذیلہ کا داعیہ قلب میں مضمحل ہو جاتا ہے اور اس سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

خوف صرف اللہ سے اور اپنے نفس سے چاہیے

ایک مرتبہ مکہ معظمہ کے حکام حضرت حاجی صاحبؒ سے ناراض ہو گئے اور مکہ مکرمہ سے ان

کے اخراج کا ارادہ کرلیا۔ حضرتؒ کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ اور اپنے نفس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا تو عین ایمان ہے سبھی جانتے ہیں نفس سے ڈرنا اس لئے کہ سب سے بڑا دشمن انسان کا وہی ہے جو اس کو بے راہی پر ڈالتا اور برائیوں میں مبتلا کرتا ہے۔

مطالعہ کتب کے لئے ایک ہدایت

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی کتاب کے مطالعہ کا ارادہ کرو تو پہلے اس کے نام کو دیکھو اگر نام ہی اصل مضمون کتاب کے مناسب نہ ہو تو اس کو چھوڑ دو پھر تمہید کو دیکھو اگر وہ مضمون کتاب کے مناسب نہیں ہے تو چھوڑ دو۔ اس کے مطالعہ میں وقت ضائع نہ کرو جب نام اور تمہید متناسب دیکھو تب آگے بڑھو۔

قواعد فقہیہ اور اختلاف علماء

فرمایا کہ بعض اوقات قواعد فقہیہ کسی خاص واقعہ میں متعارض ہو جاتے ہیں۔ ایک عالم کی نظر ایک ضابطہ پر ہوتی ہے۔ دوسرے کی نظر دوسرے ضابطے پر اس لئے اختلاف رائے پیدا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے سورۂ عبس میں جس واقعہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ پر عتاب آیا کہ آپ ﷺ نے ایک غریب نابینا مسلمان کی طرف زیادہ توجہ دینے کی بجائے رؤساء مشرکین کی طرف زیادہ توجہ کیوں فرمائی۔ یہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ رسول کریم ﷺ کے پیش نظر یہ قاعدہ تھا کہ اصول دین کی تعلیم مقدم ہے۔ فروع کی تعلیم پر رؤساء مشرکین سے جو خطاب ہو رہا تھا وہ اصولی تعلیم کا تھا نہ نابینا صحابی جو کچھ بات کرتے وہ فروع دین کے متعلق ہوتی۔ کیونکہ وہ مومن اور اصول دین کے پہلے سے پابند تھے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ان سے مقدم کر دیا لیکن اس کے بالمقابل ایک دوسرا ضابطہ بھی تھا۔ جس پر آنحضرت ﷺ کی اس وقت نظر نہ گئی وہ یہ کہ وہ کام مقدم رکھنا چاہیے جس کا نفع متوقع اور اس کے کامیاب ہونے کی امید زیادہ ہو بمقابلہ اس کام کے جس کا نفع موہوم اور کامیابی کی توقع کم ہو۔ یہاں معاملہ ایسا ہی تھا کہ رؤساء مشرکین کے لئے تعلیم اصول کا اثر موہوم تھا اور مسلمان کے لئے تعلیم فروع کا نفع یقینی اس لئے قرآن کریم

نے اس کو ترجیح دینے کی ہدایت فرمائی۔ اور عتاب اس پر ہوا کہ آپ ﷺ نے اس ضابطہ پر توجہ کیوں نہ فرمائی۔

حضرت معاویہؓ

حضرت معاویہؓ کے متعلق ایک صاحب کے سوال پر حضرتؒ نے فرمایا کہ انتہائی بات یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ سے گناہ ہو گیا اور فرض کر لو کہ گناہ بھی کبیرہ ہوا مگر اب یہ فیصلہ کر دو اگر کسی صحابی سے گناہ سرزد ہو جائے تو ہمیں ان کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے کیا ان کی بدگوئی اور غیبت جائز ہو جاوے گی۔ دیکھو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا گناہ کبیرہ یعنی زنا پھر خود رسول اللہ ﷺ سے ان پر سزائے رجم جاری کرنا مخصوص احادیث سے ثابت ہے مگر جب ایک صحابی نے حضرت ماعزؓ کی غیبت کی تو حضور ﷺ نے سختی سے منع فرمایا۔

الفاظ اور ناموں میں بھی اللہ تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے پڑوس میں ایک رافضی نے اپنے دو خچروں کا نام ابوبکر اور عمر رکھا تھا (روافض کی ایسی ذلیل حرکتیں بہت معروف ہیں) ایک روز ایک خچر نے لات مار کر اس رافضی شخص کا پیٹ پھاڑ دیا۔ امام اعظمؒ کو خبر ہوئی تو فوراً فرمایا کہ یہ وہ خچر ہوگا جس کا نام اس نے عمر رکھا تھا۔ اس نام کا یہی اثر ہونا چاہیے تھا۔ تحقیق کی گئی تو اس کی تصدیق ہوگئی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ناموں اور الفاظ میں بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی ہے۔ ایک لڑکے کا نام والدین نے کلیم اللہ رکھا وہ اکثر بیمار رہتا تھا میں نے اس کا نام بدل کر سلیم اللہ رکھ دیا اس وقت سے تندرست رہنے لگا کیونکہ کلیم کے معنی معروف مجروح اور زخمی کے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی انتہائی ذکاوت

مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا صدرالدین صاحب جو علوم عقلیات فلسفہ منطق وغیرہ کے بڑے امام مانے جاتے تھے اور دونوں عربی ادب کے بھی ماہر ادیب تھے ایک مرتبہ ان دونوں

نے ارادہ کیا کہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے علم وفضل کا بڑا چرچا ہے چلو ذرا امتحان کریں کتنا اور کیسا علم رکھتے ہیں۔ راستہ میں دونوں نے عربی زبان میں دو قصیدے لکھے اور آزمائش کے لئے آپس میں یہ قصیدے باہم بدل لئے ایک کا قصیدہ دوسرے نے لے لیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگے حضرت ہم نے کچھ بکا ہے ذرا اس کو سن لیجئے۔ حضرت نے فرمایا سنایئے۔ دونوں نے یہ دو قصیدے پڑھ کر سنائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ خاموش بیٹھے سنتے رہے۔ ان دونوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اشارے کئے کہ بڑے میاں کچھ سمجھے ہی نہیں، بولتے کیا۔ پھر عرض کیا کہ حضرت آپ نے ان قصیدوں کے متعلق کچھ فرمایا نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کچھ کہہ دوں گا مگر پہلے یہ تو بتلاؤ کہ قصیدوں میں تبدیلی کہاں اور کیوں ہوئی۔ اب تو انہوں نے حیرت سے سوال کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا کہ میں نے آپ دونوں کی گفتگو اور طرزِ کلام سے دونوں کے مزاج مذاق کا جو اندازہ لگایا تھا ان قصیدوں کو اس سے مختلف پایا اس سے اندازہ ہوا کہ ان میں تبدیلی ہوگئی ہے۔ اس کے بعد قصیدوں کے ایک ایک شعر پر اصلاح کے لئے فرمانا شروع کیا تو کوئی شعر بغیر اصلاح کے نہیں چھوڑا۔

غیر اللہ کے لئے نذر اور منّت کے ایک مسئلہ کی تحقیق

ارشاد فرمایا کہ حیوانات کے علاوہ جس کھانے یا مٹھائی وغیرہ کی کسی غیر اللہ کے نام پر نذر مانی جائے اس کو بھی فقہاء نے حرام و نجس قرار دیا ہے، جیسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے۔ میں بھی اس کو صحیح سمجھتا ہوں مگر اس کو **ما اهل به لغير الله** کے تحت میں داخل نہیں کرتا کیونکہ **ما اهل به لغير الله** حیوانات کے معاملہ میں تو نص قطعی ہے مگر غیر حیوانات کو شامل نہیں۔ اس لئے غیر حیوانات میں یہ حرمت قیاسی ہے کہ قیاس فقہی سے دونوں کا حکم مشترک معلوم ہوتا ہے۔

اور میں یہ نہیں کہتا کہ **ما اهل** میں لفظ ما کے عموم میں غیر حیوانات بھی داخل ہیں کیونکہ عموم الفاظ سے اصولی طور پر اسی حد تک عموم لیا جا سکتا ہے جہاں تک مقصود متکلم سے تجاوز نہ ہو۔ اس سے زیادہ عموم معتبر نہیں۔ اگر کوئی مریض اپنے معالج سے پرہیز کے متعلق پوچھے اور وہ یہ کہہ دے

کہ تیل اور ترشی کے سوا سب چیز کھا سکتے ہو تو اس سب چیز کے عموم میں لوہا، پتھر، مٹی وغیرہ داخل نہیں مانی جائیں گی کہ مقصود متکلم سے تجاوز ہے۔ نص قطعی حیوانات کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اس کے عموم کو غیر حیوانات میں متجاوز کرنا میرے نزدیک اسی کی مثال ہے اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ نص ما اھل بہ سے تو صرف وہ حیوانات حرام ہیں جن کو غیر اللہ کے لئے ذبح کیا گیا ہو باقی رہی دوسری اشیاء غیر حیوانات کی قسم سے جیسے کھانا اور مٹھائی وہ اگر چہ اس عموم لفظ میں داخل نہیں۔ مگر باشتراک علت ان کی حرمت بھی اس پر قیاس فقہی سے ثابت کی گئی ہے۔

(از محمد شفیع بتوضیح الفاظ)

حضرات صوفیہ کے مجاہدات اصل مقصود نہیں بلکہ ذریعہ مقصود ہیں ان میں کمی بیشی اور تبدیلی مزاج کے مناسب کی جانی چاہیے

حضرات صوفیاء کرام میں جو مجاہدات شب بیداری بہت کم کھانا بہت کم بولنا وغیرہ معروف و مشہور ہیں نہ وہ کوئی شرعی حکم ہے نہ اصل مقصود ہیں بلکہ ان مجاہدات کا مقصد نفس کو ایسی ریاضت کرانا ہے جس سے وہ بے قابو نہ ہو۔ شرعی حدود کے دائرہ میں رہے۔ اس لئے شیخ مصلح اور مربی کا فرض ہے کہ طالب کی طاقت فرصت اور مزاج کو دیکھ کر اس کے مطابق مجاہدات تجویز کرے۔ پہلے زمانے کے مشائخ نے جو شدید مجاہدات تجویز کئے تھے وہ اس زمانے کے مناسب تھے کیونکہ طبائع میں قوت و شدت تھی بغیر شدید مجاہدات کے نفس کو اعتدال پر قائم کرنا مشکل تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ آج کل طبائع میں خود ضعف ہے قویٰ عام طور پر کمزور ہیں پہلے چالیس روز کے مجاہدہ سے جتنا اثر ہوتا تھا وہ اب طبعی ضعف کے سبب خود بخود حاصل ہے اس لئے اس زمانے میں تقلیل طعام اور تقلیل منام کے مجاہدات نہ کرانے چاہئیں کہ دوسری صحت مختل ہو جاتی ہے پھر کوئی بھی کام نہیں ہوتا۔

فرمایا کہ اطباء سے معلوم ہوا ہے کہ پہلے زمانے کے نسخوں میں ایک آدمی کے لئے دواؤں کی جو مقدار لکھی جاتی تھی وہ اب چار آدمی بھی نہیں کھا سکتے اب تقریباً اس مقدار کا چوتھائی لکھا جاتا

ہے۔ یہی حال مجاہدات صوفیہ کا بھی ہے کہ وہ دراصل دوائیں ہیں غذا نہیں۔ ان کو بقدر ضرورت مزاج وطبیعت کی مناسبت سے استعمال کرانا چاہیے۔ غرض یہ ہے کہ مجاہدات مقصود نہیں بلکہ طریق مقصود اور ذریعہ ہیں طریق اور مقصود میں امتیاز کرنا چاہیے۔

۱۷ رمضان ۱۳۴۸ھ

دو بزرگوں کا ایک مسئلہ میں مکالمہ رخصت اور عزیمت سے متعلق

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مرض وفات میں باوجود شرعی گنجائش کے تیمم نہ کرتے تھے بلکہ تکلیف کے ساتھ وضوء ہی کا اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ دیکھ کر فرمایا کہ آپ تو اس کو کمال سمجھتے ہونگے کہ تیمم کی رخصت ہونے کے باوجود وضو کرتے ہیں مگر میرے خیال میں یہ کمال نہیں بلکہ ایک نقص ہے کہ تیمم جو اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت کے طور پر بیمار کے لئے مشروع اور جائز قرار دیا ہے اللہ کے اس انعام سے دل میں تنگی پیدا ہونا کوئی کمال نہیں ہوسکتا بلکہ ایک روگ ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور اس کے مطابق عمل کرنے لگے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ شرعی رخصتوں سے دل میں عقلی انقباض اور تنگی محسوس ہو تو وہ مذموم ہے طبعی انقباض کا مضائقہ نہیں۔

ایک اور مقام پر حضرتؒ نے فرمایا کہ عبدیت کا تقاضا تو یہی ہے کہ بیمار اپنی کمزوری اور ضعف کا اعتراف کرے۔ اللہ کی دی ہوئی رخصتوں پر خوشدلی سے عمل کرے کیونکہ حدیث میں ارشاد ہے:۔

ان اللہ یحب ان توتی رخصہ کما یحب ان توتی عزائمہ۔ یعنی ''اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کو بھی ایسا ہی پسند فرماتے ہیں جیسا کہ عزیمت پر عمل کرنے کو پسند فرماتے ہیں''۔

مولانا رومیؒ نے اسی مضمون کو خوب انداز میں فرمایا ہے ۔

چونکہ برمیخت بہ بند و بستہ باش   چون کشاید چابک و برجستہ باش

عورت کو غیر محرم سے چہرہ کا پردہ بھی واجب ہے

حضرات فقہاء نے عورت کے چہرہ اور ہاتھ کی ہتھیلیوں کو ستر سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں یہ چیزیں کھلی رہیں تو نماز ہو جائے گی اس میں خلل نہ آئے گا۔ اس میں فقہاء نے قدموں کا بھی یہی حکم بتلایا ہے اس کے علاوہ عورت کا سارا بدن ستر میں داخل ہے اس میں سے کوئی بھی عضو نماز میں کھلا رہا تو نماز نہ ہوگی۔ یہ مسئلہ ستر پوشی کا ہے غیر محرموں سے عورت کا پردہ الگ مسئلہ ہے اس کا مدار فتنہ کے اندیشہ پر ہے اور ظاہر ہے کہ عورت کا چہرہ اس کے بدن کا ممتاز حصہ ہے اس کے غیر محرموں کے سامنے کھولنے میں بڑا فتنہ ہے اسی لئے حضرات فقہاء نے غیر محرم مردوں کے سامنے عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں دی۔ اس مسئلے کے متعلق حضرت نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم کی نص قطعی میں ہے۔

ولا یضربن بارجلھن:۔ یعنی ''عورتوں کو حکم ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ اس سے زیور وغیرہ کی آواز نکلے اور غیر محرموں تک پہنچے''۔

یہ ظاہر ہے کہ زیور عورت کا کوئی جزء نہیں بلکہ ایک منفصل چیز ہے۔ اور اس کی آواز سے اتنا فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ بھی نہیں جتنا چہرہ کھولنے سے ہے تو جب ایک منفصل چیز کی آواز سے پیدا ہونے والے فتنہ کو اس نص قرآنی میں روکا گیا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ عورت کے زینت کے ممتاز حصے یعنی چہرہ کھولنے کی اجازت دے دی جائے۔

استغناء کا بڑا کمال جب ہے کہ انسان عسرت اور تنگدستی میں مبتلا ہو پھر غیر اللہ سے مستغنی رہے

ہمارے سابق بزرگوں نے اپنی عمریں بڑی عسرت اور افلاس میں گزاری ہیں اگرچہ آپ کا

یہ فقر و فاقہ اور افلاس سنت نبوی کے مطابق اختیاری تھا وہ اگر چاہتے تو بڑی سے بڑی دولت جمع کر سکتے تھے مگر کبھی اس کی طرف التفات نہیں ہوا اور جو کچھ اللہ نے دیا اس کو غرباء فقراء اور دینی کاموں پر خرچ کر دیا پھر خود مفلس کے مفلس رہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ کے پاس کبھی کپڑوں کے دو جوڑے سے زیادہ نہیں رہے ایک بدن پر رہتا تھا دوسرا دھلنے کے لئے دیا جاتا تھا۔ اور آج کل کے مشائخ تو نوابوں کی زندگی گزارتے ہیں وہ اگر لوگوں سے استغناء بھی برتیں اور برتنا چاہیے مگر یہ استغناء اس درجہ کا کمال نہیں جو پچھلے بزرگوں کا تھا کہ فقر و افلاس میں رہتے اور پھر استغناء کا معاملہ فرماتے تھے۔

ایک لطیفہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ مرادآباد کے ایک جلسہ میں کسی دینی کام کے لئے چندہ کی تحریک کرنا تھی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں تو اور کچھ نہیں کہتا۔ صرف یہ کہتا ہوں کہ یہ ''پن چکیاں'' بند کر دی جاویں۔ جن میں مسلمانوں کا لاکھوں کروڑوں روپیہ برباد ہوتا ہے مراد اس سے یہ تھی کہ پان کھانا چھوڑ دیں اور اس سے جو روپیہ بچے وہ چندے میں دے دیں۔

مرید کے شبہات کا علاج

ہندوستان میں تحریکات خلافت کے زمانے میں حضرتؒ نے شرعی وجوہ کی بناء پر اس تحریک میں شرکت نہیں فرمائی تھی اور ہندوستان کے مسلمان اور اکثر علماء اس میں شریک تھے۔ ایک ڈپٹی کلکٹر صاحب جو حضرت کے مرید تھے انہوں نے آپ کی عدم شرکت پر کچھ شبہات لکھ کر بھیجے۔ حضرتؒ نے جواب میں یہ تحریر فرما دیا کہ بہتر صورت یہ ہے کہ آپ مجھ سے کچھ دنوں کے لئے عقیدت مندی کی چھٹی لے لیجئے۔ پھر فتنہ فرو ہونے کے بعد حقیقت کھل جائے اور تعلق رکھنے کو جی چاہے تو پھر قائم کر لیں۔

حضرتؒ اس زمانے میں لوگوں کی تنقیدات اور شبہات کا بقدر ضرورت جواب دیا کرتے تھے مگر ایک مرید متوسل کے لئے ایسے سوال و جواب کو اس کی اصلاح میں مخل سمجھ کر یہ جواب دیا۔

حضرتؒ کا طبعی اعتدال اور انصاف اور معاشرت کے آدابِ خاص

آخر زمانے میں طبعی ضعف کے سبب کچھ نہ کچھ عوارض لگے رہتے تھے جن کا علاج جاری رہتا تھا۔ معالج حکیم محمد ہاشم صاحبؒ تھانوی تھے جو حضرتؒ کے بڑے معتقد مرید جیسے تھے۔ اگر ان کو حضرت بلا بھیجیں تو وہ اپنی سعادت سمجھ کر خوشی سے حاضر ہوں مگر عادت حضرتؒ کی یہ تھی کہ جب تک کوئی شدید بیماری نہ ہو جس میں اٹھنا چلنا مشکل ہو جائے۔ حکیم صاحب کو بلاتے نہ تھے بلکہ خود چل کر ان کے مکان پر جاتے اور علاج کے متعلق مشورہ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں جانتا ہوں کہ ان کو بلالوں تو انہیں بالکل بھاری نہ معلوم ہوگا مگر اس کو انصاف کے خلاف سمجھتا ہوں کہ ضرورت اور حاجت تو میری اور تکلیف کریں حکیم صاحب، اس معاملہ میں وہ مطلوب اور میں طالب ہوں۔ طالب کی ذمہ داری ہے کہ خود حاضر ہو۔

میں نے خود بارہا دیکھا کہ خانقاہ کی جس سہ دری میں حضرتؒ تشریف فرما تھے اس کے بالکل بالمقابل دوسری طرف کچھ فاصلہ سے مدرسہ تھا اور اسی کے قریب مہتمم خانقاہ آپ کے برادرزادے حضرت مولانا شبیر علی صاب بیٹھتے تھے۔ جب کبھی حضرتؒ کو کسی علمی مسئلے میں کسی مدرس سے بات کرنا ہوتی یا کسی انتظامی معاملہ میں بھائی شبیر علی صاحبؒ سے کام ہوتا تو اکثر خود اٹھتے اور ان کی جگہ پر پہنچ کر ان سے بات کرتے پھر واپس آ کر کام میں مشغول ہو جاتے تھے ان کو بلانا پسند نہ کرتے تھے کہ ممکن ہے کہ اس وقت وہ کسی ایسے کام میں ہوں جسکا چھوڑنا مشکل ہو، اور ان کو تکلیف پہنچے۔

یہ تھے وہ عادلانہ آدابِ معاشرت جو حضرتؒ صرف قول سے نہیں اپنے فعل سے بھی لوگوں کو عمر بھر تلقین کرتے رہے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ متوسلین میں بھی اس خاص وصف پر بہت کم لوگوں نے دھیان دیا۔

اسی سلسلے میں فرمایا کہ مجھے اگر کسی مجمع اور مجلس میں چھینک آتی ہے تو **الحمدللہ** آہستہ سے کہتا ہوں تاکہ سارے مجمع پر اس کا جواب دینا **یرحمک اللہ** سے واجب نہ ہو جائے کیونکہ بعض

اوقات لوگوں کو التفات نہیں ہوتا یا کوئی دوسری رکاوٹ ہوتی ہے تو وہ گنہگار ہو جاویں گے۔ اور فرمایا کہ مجھے اس معاملے میں متنبّی شاعر کا یہ شعر پسند ہے ؎

اقل سلامی حب ماخف عنکم واسکت کیما لا یکون جواب

یعنی ''میں آپ کو بہت کم سلام کرتا ہوں تا کہ آپ پر سلام کا جواب دینے کا بار نہ پڑے اور میں اکثر ساکت رہتا ہوں سوال بہت کم کرتا ہوں تا کہ آپ پر جواب دینے کا بار نہ ہو''۔

صاف گوئی کے درجات

فرمایا کہ اہل اللہ جو صاف گوئی اختیار کرتے ہیں کسی کا عیب اس کو بتلانا ہوتا ہے تو صاف بتلا دیتے ہیں۔ ان کی نیت چونکہ اصلاح اور ہمدردی کی ہوتی ہے اس لئے کسی کو ناگوار نہیں گزرتا بلکہ اس کی طرف کشش ہوتی ہے اور جو اس وصف اصلاح و ہمدردی سے خالی ویسے ہی صاف گوئی کرنے لگے تو وہ ایک خشونت اور سختی رہ جاتی ہے وہ دوسرے کو ناگوار بھی ہوتی ہے اور اس کی طرف کشش بھی نہیں ہوتی۔

بزرگانِ دین کے تشدّد کی حقیقت

فرمایا کہ گڑھی کے رہنے والے مولوی صدیق احمد صاحب ایک مرتبہ سرسید بانی علی گڑھ کے پاس ملاقات کو گئے۔ حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی کا ذکر آیا۔ سرسید نے فرمایا کہ لوگ ان کو دین کے معاملے میں متشدد کہتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس پر تو واقعی متشدد تھے۔ ذرا ذرا سے شبہات سے بھی بچتے تھے مگر عام لوگوں کے لئے متشدد ہرگز نہ تھے بلکہ ان کے لئے سہولت شرعی گنجائش تلاش کرتے تھے اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا بھی یہی حال ہے۔

عمل میں کوشش اور خدا پر بھروسہ

بہت سے ناواقف ان دونوں میں تضاد سمجھتے ہیں۔ اس کی حقیقت ایک حدیث سے واضح ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

اجملوا فی الطلب و توکلوا علی اللہ۔ یعنی ’’اپنے مقاصد کے حصول میں مختصر کوشش کرو پھر اللہ پر بھروسہ کرو‘‘۔

حضرتؒ نے اسی مضمون کی تعبیر اس طرح فرمائی کہ آدمی کا کام ہر مقصد میں یہ ہے کہ قانونی کوشش اور معمولی احتیاط کرے پھر قلب کی شہادت پر تفویض علی اللہ کے ساتھ اس کوشش کو جاری رکھے۔

خود تقویٰ پر عمل اور دوسروں کے لئے سہولت دینے کا اہتمام اور ہر کام میں آدابِ معاشرت کی رعایت

حضرتؒ ایک ریاست میں تشریف لے گئے وہاں کے نواب صاحب نے ایک سو اکھتر روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ فرمایا کہ اس وقت کچھ دوسرے علماء بھی ساتھ تھے اتنا ہی نذرانہ ان کو بھی پیش کیا۔ مجھے اس نذرانہ میں شبہ تھا اس لئے قبول کرنے کے لئے دل آمادہ نہیں تھا۔ مگر میں انکار کر دیتا تو دوسرے لوگوں کو بھی پھر یہی صورت اختیار کرنا پڑتی۔ میں نے چاہا کہ دوسروں کا نقصان نہ ہو۔ خفیہ طور پر ان کے وزیر سے کہہ دیا کہ میں یہ نذرانہ نہیں لوں گا۔ اول تو میرا معمول اس طرح نذرانہ لینا ہے نہیں۔ دوسرے مجھے اس میں شبہ یہ بھی ہے کہ یہ مال نواب صاحب کی مِلک تو ہے لیکن ایک بیت المال کا سا درجہ ہے۔ اور مجھے ان کے بیت المال سے کچھ لینے کا اس لئے حق نہیں کہ میں ان کی ریاست میں کوئی خدمت لوگوں کی نہیں کرتا۔ یہ ہیں آدابِ معاشرت جن کی حفاظت سب کو کرنا چاہیے۔

اسی لئے حضرتؒ نے اس کے بعد فرمایا کہ عبادات کے ارکان اور احکام اگرچہ عظمت سے بہت زیادہ عظیم اور افضل ہیں مگر معاشرت کے ارکان مہتم بالشان زیادہ ہیں کیونکہ ان کا اہتمام نہ کرنے سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ پھر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے ضیاء القلوب میں لکھا ہے کہ جب تک انسان کے اخلاق (باطنی عادات) درست نہ ہوں۔ اس میں وصول الی اللہ کی صلاحیت اور استعداد پیدا نہیں ہوتی۔ (اور یہ ظاہر ہے کہ اخلاق کی درستی بغیر

معاشرت کی درستی کے نہیں ہوگی)۔

اللہ والوں کا جن بھی ادب کرتے ہیں

تھانہ بھون میں ایک جن تھا جس کا نام تھا شہامت۔ بہت لوگوں کو تکلیف دیتا پھرتا تھا حضرتؒ نے اس کے نام ایک پرچہ لکھ دیا جس میں اس کو خدا کے عذاب سے ڈرایا۔ یہ پرچہ دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ کوئی تعویز تو ہے نہیں جس سے جن بھاگ جائے مگر یہ ایسے شخص کا خط نہیں ہے جس کی پرواہ نہ کی جائے۔ اچھا اب ہم جاتے ہیں آگے کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں گے۔ صحیح ہے کہ ؎

ہر کہ ترسید از حق وتقویٰ گزید　　ترسد از وے جن وانس وہر کہ دید

علماء میں جو بہ عمل بھی ہوں عوام میں ان کو رسوا کرنا اچھا نہیں

فرمایا کہ دینی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ علماء کی نصرت کرنا چاہیے اگرچہ وہ بدعمل بھی ہوں اگر عوام کے قلب سے علماء کی وقعت گئی تو دین کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ پھر وہ سبھی علماء سے بدگمان ہو کر کسی کی بات پر بھی دھیان نہ دیں گے۔

ایک دیوانے کا کلمۂ حکمت

حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک مجذوب نے کیا حکمت کی بات کہی کہ عقل وہ ہے جو خدا کو پاوے اور خدا وہ ہے جو عقل میں نہ آوے۔ حضرتؒ نے خدا کو پانے کی تشریح یہ فرمائی کہ خدا کو پانے کی کوشش میں لگا رہے اس سے غافل نہ ہو۔

۲۱ رمضان ۱۳۴۸ھ بعد الجمعہ

مجذوب اور عام دیوانے میں فرق

بہت لوگ عام پاگلوں کو مجذوب سمجھ کر ان کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ اور دین دنیا کے خسارہ میں پڑتے ہیں۔ اول تو حضرتؒ کی تعلیم یہ تھی کہ جو شخص حقیقت میں بھی مجذوب ہو اس سے نفع کم نقصان کا خطرہ زیادہ ہے ان کی زیادہ مصاحبت سے گریز بہتر ہے۔ اور اب تو لوگوں نے عام

پاگلوں کو مقتداء اور امام بنالیا ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ مجذوب اور عام پاگل میں فرق پہنچانا آسان کام نہیں بس اس کو اہلِ نسبت اولیاء اللہ ہی پہچان سکتے ہیں جس کو ایسے حضرات مجذوب قرار دیں وہ مجذوب ہے ورنہ مجنون اور پاگل اگر چہ اس کو کچھ کشف صحیح بھی ہو جاتا ہو کیونکہ مجنون کو بھی کشف صحیح ہو سکتا ہے۔

عقائد سلف اور علم کلام میں سلامتی کا راستہ

فرمایا کہ حضرات متکلمین نے حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ درحقیقت اہل بدعت والحاد کی مدافعت ہے اس کو علمی اصطلاح میں صرف منع (ابداء احتمال) کے درجے میں رہنا چاہیے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی صورت ہوتو یہ ممکن اور محتمل ہے محال نہیں۔ یہ نہیں کہ واقع میں عنداللہ ایسا ہی ہے مگر ہو یہ گیا کہ متاخرین متکلمین بجائے مانع بننے کے مدعی بن بیٹھے اور اپنے پیدا کئے ہوئے احتمالات کو اسلام کے عقیدہ کا درجہ دے دیا۔

(اس کو ایک مثال سے سمجھئے اور کلام کے ایک مشہور مسئلے کو لے لیجئے کہ جسم کی ترکیب میں بمقابلہ فلاسفہ انہوں نے کہا ہے کہ وہ اجزاء لا یتجزاء سے مرکب ہے۔ ہیولیٰ اور صورت سے نہیں۔ یہ بات اس لئے اختیار کی گئی کہ فلاسفہ کے قول کے مطابق ہیولیٰ اور صورت سے جسم کو مرکب مانا جائے تو اس کے نتیجہ میں اس کو قدیم ماننا لازم آتا ہے۔ متکلمین نے ایک دوسرا احتمال یہ پیش کیا کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اجزاء لا یتجزیٰ سے مرکب ہو۔ اس کو اگر صرف احتمال کے درجے میں رکھا جاتا تو درست تھا مگر متاخرین نے اس کو ایسے انداز میں پیش کیا کہ گویا یہ اسلام کا عقیدہ ہے اور ظاہر ہے کہ اسلامی عقیدہ کے لئے قطعی الثبوت دلائل کی ضرورت ہے وہ اس مسئلے کے لئے موجود نہیں)

حضرتؒ نے فرمایا کہ اس لئے میں تو یہ کہتا ہوں کہ علم کلام کو صرف مدافعت اہلِ بدعت اور منع اصطلاحی یعنی احتمال وامکان کے درجے میں رکھنا چاہیے۔ اور عقائد کو مثل سلف صالحین کے ان مباحث سے سادہ رکھنا چاہیے۔

وحی اور الہام میں فرق

فرمایا کہ وحی کی مخالفت گناہ عظیم ہے اس پر آخرت کا عذاب مقرر ہے اور الہام کی مخالفت سے کوئی گناہ لازم نہیں آتا نہ آخرت میں اس کی مخالفت پر کوئی عذاب ہے مگر عموماً صاحب الہام اگر اپنے الہام کے خلاف کام کرتا ہے تو دنیا میں اس کو سزا مل جاتی ہے کسی تکلیف و مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

ایک صوفیانہ شعر کی تحقیق

بعض صوفیہ کا یہ شعر معروف ہے:۔

اے تو از حال گزشتہ توبہ جو   کے کنی توبہ ازیں توبہ بگو!

اس کا حاصل سابقہ گناہوں کو بار بار یاد کر کے توبہ کو مکرر سکرر کرتے رہنے سے منع کرتا ہے۔ اور یہ کہ ایک مرتبہ پورے اخلاص اور الحاح وزاری کے ساتھ توبہ کو اس کے پورے شرائط کے ساتھ کر لینے کے بعد ذہن کو اس سے فارغ کر لینا چاہیے۔ اس کی تحقیق میں حضرتؒ نے فرمایا کہ:۔

"سابقہ گناہوں کو یاد کر کے بار بار تکرار توبہ کرتے رہنا عوام کے لئے مفید ہے مگر خواص اہل اللہ کے لئے بار بار اپنے سابقہ گناہوں کو سوچتے رہنا مفید نہیں بلکہ بعض اوقات یہ سوچ فکر ایک حجاب بن جاتا ہے۔ ایسے حضرات کو چاہیے کہ آئندہ حق تعالیٰ کے تعلق کو مضبوط کرنے کی فکر کریں اسی پر پوری توجہ دیں۔ بشرطیکہ ایک مرتبہ پوری طرح شرائط توبہ ادا کر کے توبہ کر چکے ہوں۔ اس کے بعد باز گزشتہ کی سوچ پڑنا بعض اوقات حجاب بن جاتا ہے جیسا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا:۔

(ماضی و مستقبلت پردہ خدا است)

کیونکہ توبہ کہ حقیقت رفع حجاب ہے اور عوام کے لئے گناہ کو یاد نہ کرنا حجاب ہوتا ہے اور خواص کو اس کا زیادہ یاد کرنا حجاب ہوتا ہے جیسے دو شخصوں میں باہمی مخالفت کے بعد دوستی ہو جانے اور دل صاف ہو جانے کے بعد گزشتہ زمانے کی عداوتوں اور ایذاؤں کا یاد کرنا درستی کے خلاف ہے"

لوگوں پر سب وشتم کرنے والا برکات باطنیہ سے محروم رہتا ہے

ارشاد فرمایا کہ جو شخص سب وشتم اور دوسروں پر لعن طعن میں مشغول ہوگا اس کو باطنی برکات کبھی حاصل نہ ہوں گی۔ کیونکہ دوسروں کی عیب گوئی یا سب وشتم کا مشغلہ وہی بنا سکتا ہے جو خود اپنے انجام سے بے خبر غافل ہو۔ اور جس شخص کو اپنی فکر ہوتی ہے تو اس کو ہر وقت اپنی ہی کشتی ڈانواڈول نظر آتی ہے دوسروں کے معاملات میں مداخلت کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما ۔۔۔ گہ خندہ زند دیوز ناپاکی ما

ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم ۔۔۔ احسنت برین چستی وچالاکی ما

خلوت میں خوف وگریہ اور جلوت میں انبساط چاہیے

فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پر گریہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر خندہ کا غلبہ تھا باہم گفتگو ہوئی۔ یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کیا خدا تعالیٰ کا خوف نہیں جو خندہ وہنسی میں رہتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی رحمت سے مایوس ہیں جو ہر وقت بکاء میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے یہ فیصلہ کیا کہ خلوت میں تو وہ حالت بہتر ہے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ہے یعنی خوف وخشیت اور حزن وبکاء۔ اور عام مجلسوں اور جلوت میں وہ حالت بہتر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے کہ خندہ پیشانی اور شگفتہ مزاج رہیں تاکہ خلق خدا مایوس نہ ہو۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی مصنف اظہار الحق ردّ عیسائیت

فرمایا کہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کا حافظہ بڑا زبردست تھا۔ طب کی مشہور کتاب قانون شیخ کے چند اوراق کسی جگہ دیکھ لئے اور گھر واپس آ کر سب کو نقل کرلیا۔ افق المبین کا ایک ورق سن کر دوبارہ اس کو حفظ سے پڑھ دیا مولانا کو جائداد ملی تھی۔ پٹواری کو بلا کر جائیداد کے متعلق تمام کاغذات سن لئے اسی وقت تمام یاد ہو گئے۔

علم میں برکت بزرگانِ سلف کے ادب سے ہوتی ہے

فرمایا کہ علمی تحقیقات پر زور دینے سے زیادہ فکر بزرگانِ سلف کے ادب و احترام کی کرنا چاہیے اس سے اللہ تعالیٰ انسان میں ایک خاص بصیرت اور تحقیق کی شان بھی پیدا فرما دیتے ہیں۔

دین کے معاملے میں جرأت بیجا!

فرمایا کہ ساری دنیا کے بڑے بڑے لکھے پڑھے ماہر محقق جس فن کو نہیں جانتے اس میں ان کو یہ کہنے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا کہ میں اس فن سے واقف نہیں۔ کسی انجینئر سے طب اور ڈاکٹری کا مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو بے تکلف کہہ دیتا ہے کہ میں ڈاکٹر نہیں۔ ڈاکٹر سے انجینئری کی بات پوچھی جائے تو کہہ دیتا ہے کہ میں انجینئر نہیں۔ مگر قرآن اور دین کو لوگوں نے معلوم نہیں کیوں ایسا سمجھ رکھا ہے کہ ہر شخص چاہے اس نے اس کے مبادی بھی کبھی نہ پڑھے دیکھے ہوں اس میں بے دریغ رائے زنی اور جو کچھ اپنی سمجھ میں آ جائے اس پر اصرار کرنے لگتے ہیں۔ (بظاہر سبب یہ ہے کہ دین کی عظمت قلوب میں نہیں رہی۔ اس لئے اس کو ایک سرسری چیز سمجھ لیا ہے)۔

حکومت کے ایک افسر صاحب کو سود حلال کرنے کی بڑی فکر رہتی تھی اور کہتے تھے کہ مسلمان دوسری قوموں سے پیچھے اس لئے رہ گئے کہ ان کے یہاں سود حرام ہے حضرتؒ نے فرمایا کہ بنو امیہ نے جو دنیا میں ترقی کی کیا انہوں نے بھی سود کو حلال کیا تھا۔ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ دنیا کی ترقی بھی سود پر موقوف نہیں۔ وہ ایک آیت کی غلط تفسیر کرتے تھے اور اس پر اصرار تھا اور شہادت میں یہ پیش کرتے تھے کہ خواجہ حسن نظامی نے اس آیت کا یہ مطلب لکھا ہے۔ یہ صاحب مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر میں کسی مقدمہ کا وکیل ہو کر آپ کے سامنے پیش ہوں اور زیرِ بحث قانون کی ایسی تشریح بیان کروں جو اس کے الفاظ پر پوری اترتی ہے مگر ہائی کورٹ کی مانی ہوئی تعبیر و تشریح کے خلاف ہے۔ کیا آپ میرے بیان کئے ہوئے معنی و مطلب کی بنیاد پر مقدمہ کی ڈگری دیں گے اور یہ لکھ دیں گے کہ اشرف علی نے اس قانون کی یہ تشریح کی ہے۔ اگر آپ ایسا کرلیں تو پھر دیکھیئے گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو کیا کیا خطابات ملتے ہیں۔

ایک عامی آدمی کا کلمۂ حکمت

فرمایا کہ حاجی عبداللہ گوجر کیرانوی بے علم آدمی تھے مگر بہت متقی پرہیزگار حضرت گنگوہیؒ کے خادم تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ دین کے جس قدر پیشوا اور مقتداء اور کارگزار لوگ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں ہوئے اور ان کے کارنامے دنیا میں معروف ہوئے اگر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ وہ سب عموماً شیوخ وسادات میں سے تھے (وجہ ظاہر ہے کہ سادات اولاد رسول اور شیوخ نسل صحابہ ہیں)۔

بزرگوں کی تواضع

فرمایا کہ ہمارے سب بزرگوں کی امتیازی شان تواضع اور فروتنی تھی (علم وعمل میں بڑے بڑوں سے ممتاز ہونے کے باوجود اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتے تھے) اور فرمایا کہ الحمدللہ میں کسی کو بھی اپنے دل سے چھوٹا نہیں سمجھتا۔ کیونکہ میں ہر فاسق میں حالاً اور ہر کافر میں مآلاً یہ احتمال سمجھتا ہوں کہ شاید وہ عنداللہ اس زمانے کے مشائخ واولیاء سے افضل و بہتر ہو۔

اصلاحِ اعمال کے لئے ایک مراقبہ

فرمایا کہ شرح الصدور میں علامہ سیوطیؒ نے ایک روایت یہ نقل کی ہے برزخ میں زندہ لوگوں کے اعمال ان کے مردہ آباءواجداد اور خاص عزیزوں کو دکھلائے بتلائے جاتے ہیں۔ اگر آدمی اسکا استحضار اور تصور کرے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ میرے باپ یا استاد یا پیر اور دوسرے بڑوں کے سامنے آئے گا تو وہ کیا کہیں گے۔ یہ تصور انسان کو بہت سی برائیوں اور گناہوں سے روک سکتا ہے۔

اللہ والوں کی شان میں گستاخی بےادبی سخت بُرے اثرات رکھتی ہے

فرمایا کہ ؎

بس تجربہ کردیم درین دیر مکافات ۔۔۔ با درکشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

اہل اللہ کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کا کوئی معاملہ کرنا اپنا انجام خراب کرنے کی دعوت ہے ایسے شخص پر سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔

ایسے حضرات سے اگر کسی مجتہد فیہ معاملے میں غلطی بھی ہو جائے تو جو شخص اس کو از روئے شرع درست نہ سمجھتا ہو اس پر یہ تو لازم ہے کہ اس فعل پر نکیر کرے اس کے غلط ہونے کو دلیل سے بیان کرے مگر خود ان کی ذات پر گستاخانہ طعن اور بے ادبی کے کلمات سے بچنے کی بہت فکر رکھنا چاہیے۔

خدمتِ خلق میں بھی مشاہدہ حق ہو سکتا ہے

فرمایا کہ حق تعالیٰ بعض بندوں کو بلاواسطہ اپنے ساتھ مشغول رکھنا پسند کرتے ہیں ان کے لئے اسی میں فضیلت و برکت ہے اور بعض لوگوں کو مخلوق کی تدبیر و اصلاح میں لگا دیتے ہیں تا کہ وہ بلواسطہ جمالِ حق کے مشاہدہ میں مشغول رہیں۔ جیسے عینک کے واسطہ سے دیکھنا۔ ان لوگوں کے لئے بھی اسلم ہوتا ہے اسی میں ان کے درجات بڑھتے ہیں (اس سے معلوم ہوا کہ خلق اللہ کی دینی خدمت تعلیم تبلیغ تربیت تو عبادت میں داخل ہے ہی ان کی دنیاوی راحت کی تدبیر میں مشغول ہونا بھی اگر صحیح نیت یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ہو تو وہ بھی عبادت میں داخل اور مشاہدہ جمالِ حق کا ذریعہ ہے)۔

اور فرمایا کہ محبت تو حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اس لئے محبت تو صرف اسی سے ہونی چاہیے اور خلق اللہ پر شفقت ہونی چاہیے۔ اور عارف کو عامہ خلق پر شفقت سب سے زیادہ اس لئے ہوتی ہے کہ ان کو سرکاری چیزیں سمجھتا ہے اور کل مخلوقات کے ساتھ متعلق اس نظر سے رکھتا ہے کہ وہ سب حق تعالیٰ کی چیزیں ہیں۔

۲۶ رمضان ۱۳۴۸ھ

توحید کی حقیقتِ عملی

حضرت شاہ غوث علی پانی پتیؒ کی زبان پر سکرات موت کے وقت یہ شعر جاری تھا۔

چیست توحید آنکہ از غیر خدا — فرد آئی در خلاء و در ملاء

شعر کا مطلب یہ ہے کہ توحید صرف اس کا نام نہیں کہ زبان سے اللہ کے ایک ہونے کا اقرار کرلیا بلکہ عملی زندگی پر اس کا یہ اثر ہونا چاہیے کہ جلوت و خلوت میں صرف ایک اللہ ہی سے واسطہ اسی سے تعلق اسی سے امید و بیم رہے۔

مروجہ شبینہ

فرمایا کہ میں ایک مرتبہ شبینہ میں شریک ہوا وہاں قرآنِ کریم کی ایسی بے حرمتی دیکھی کہ آئندہ توبہ کرلی۔ اس لئے اب میں شبینہ کرنے کو منع کرتا ہوں۔ سوائے پانی پت کے وہاں کے لوگوں میں قرآن کا ذوق ہے وہ شبینہ میں بھی احترام کے ساتھ پڑھتے اور سنتے ہیں۔

رمضان شریف میں سب سے بڑی عبادت تلاوتِ قرآن ہے

حاضرین خانقاہ جو عبادت ہی کے لئے یہاں جمع رہتے ہیں ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ رمضان شریف کو تو قرآن شریف پڑھنے ہی کے لئے رکھنا چاہیے میں تو اگر کسی کو ذکر شغل شروع کراتا ہوں تو رمضان میں نہیں کراتا بلکہ رمضان کے بعد کراتا ہوں۔ رمضان میں تو وہی عبادت ہونی چاہیے جو ماثور اور منقول ہے۔ جس کو مقدمات لگا کر عبادت بنانا نہ پڑے۔ اشغال مروجہ صوفیہ مقدمہ عبادت ہیں۔ اصل عبادت وہی ہے جو ماثور اور منقول ہو۔

وقت میں برکت

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ نے فرمایا گومتی کے میدان میں عصر و مغرب کے درمیان پورا قرآن مجید ختم کیا۔ یہ وقت کی برکت بطور کرامت تھی جو اولیاء اللہ کو نصیب ہوتی ہے۔

ابریز میں شیخ عبدالعزیز دباغ کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کو حضرت خضر علیہ السلام نے کوئی وظیفہ پڑھنے کے لئے بتلایا تھا جو صبح سے عشاء تک پورا ہوتا تھا۔ پھر وقت میں برکت ہوئی تو مغرب تک ہونے لگا پھر عصر تک پھر ظہر تک، یہاں تک کہ آخر میں صبح کی نماز سے چاشت کی نماز تک پورا ہونے لگا۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ ایک شیعہ شخص کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ شہادت کی رات میں خواب دیکھا کہ حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا سرخ کرتہ پہنے ہوئے تشریف لائیں۔ خواب کی تعبیر اپنی شہادت سے لے کر صبح ہی سے منتظر اور مسرور تھے اور یہ اشعار زبان پر تھے ؎

سر جدا کرد از تنم یارے کہ با ما یار بود — قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

بلوح تربت من یافتند از غیب تحریرے — کہ این مقتول را جز بیگناہی نیست تقصیرے

مدرسہ کے بارے میں

ارشاد فرمایا کہ میری طالب علمی کے زمانے میں ایک انگریز کلکٹر مدرسہ دیوبند میں آنے والا تھا۔ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا کہ اگر وہ چندہ دیں تو آپ قبول کر لیں گے؟ فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا کہ پھر اس کو کہاں صرف کریں گے؟ فرمایا ہمارے پاس بہت سے ایسے مصارف ہیں ہم بھنگیوں کو تنخواہ میں دے دیں گے۔

میں نے پھر عرض کیا کہ اگر وہ کوئی مشورہ دیں تو کیا آپ قبول کریں گے؟ فرمایا نہیں۔ ہم ان سے کہہ دیں گے کہ ہمارا تمام کام ایک مجلسِ شوریٰ کی رائے سے ہوتا ہے ہم آپ کا مشورہ اس مجلس میں پیش کر دیں گے۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ باوجود بانی دارالعلوم ہونے کے چندہ کے واسطے کبھی امراء کی خوشامد گوارا نہ کرتے تھے۔ اس طرح حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مدرسہ کے مصالح پیشِ نظر ہونے کے باوجود کبھی کسی سے چندہ حاصل کرنے کے لئے نہ ملتے تھے۔

تعریف کرنے والے کو جواب

امرتسر کے ایک صاحب نے عربی زبان میں ایک قصیدہ مدحیہ حضرتؒ کے متعلق لکھ کر بھیجا۔
حضرتؒ نے اس کے جواب میں ایک فارسی شعر لکھ کر واپس فرمادیا ؎

گفتم اے یوسف زبانم دوختی　　　　وز پشیمانی تو جانم سوختی

اور پھر ایک عربی شعر پڑھا ؎

هنيئًا لارباب الكمال كمالهم　　　　وللعاشق المسكين مايتجرع

یعنی مبارک ہو کمال والوں کو ان کے کمالات۔ اور عاشق مسکین کو مبارک ہو وہ غم جس کو ہو گھونٹ گھونٹ پی رہا ہے۔

اور فرمایا کہ جب تک یہ کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کس حالت میں موت آوے گی جی کسی کمال سے خوش نہیں ہوتا۔ کسی چیز کے لئے دل نہیں اُبھرتا۔

ایک حدیث کی تشریح

حدیث میں ہے کہ سورۂ اخلاص قل هو الله ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اس سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تین دفعہ قل هو الله پڑھ لینے سے پورے قرآن کا ثواب مل جاتا ہے۔
حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلویؒ فرماتے تے اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ تین مرتبہ قل هو الله پڑھنے سے کامل قرآن کا ثواب مل جاتا ہے۔ بلکہ تین ثلث قرآن کا ثواب ہوگا۔ جیسے کوئی شخص دس پارے تین مرتبہ پڑھ لے۔

حضرت گنگوہیؒ کا ایک کلمۂ حکمت

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی آدمی رنج و غم سے بچنا چاہے تو اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ کسی سے کسی نفع کی توقع نہ رکھے۔ (انتہیٰ)

حقیقت یہ ہے کہ ساری پریشانیوں کی بنیاد خیالی توقعات ہوتی ہیں۔ جب وہ پوری نہیں

ہوتی تو رنج ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مقام صرف اللہ والوں ہی کو ہوسکتا ہے جن کی امید وبیم کا تعلق صرف ایک ذات حق تعالیٰ سے وابستہ ہوتا ہے۔

امید و ہراسش نباشد ز کس　　ہمین است بنیاد توحید و بس

تعویذات ونقوش

فرمایا کہ حصن حصین میں ایک حدیث ہے جس میں ارشاد ہے:۔

من لم یقرأ کتبھا فی صک۔　　یعنی "جو پڑھ نہ سکے وہ کسی کاغذ میں لکھ لے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن حاجات کے لئے تعویذات لکھے جاتے ہیں ان میں اصل چیز دعاء اور آیات کا پڑھنا ہے وہی زیادہ نافع ہے۔ لکھ کر گلے میں ڈالنا ان کے لئے ہے جو پڑھ نہ سکیں۔ جیسے بچے یا بالکل ایسے جاہل جن کی زبان سے قرآن اور دعاء کے الفاظ ادا ہونا مشکل ہو۔ آج کل لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا نام لینے اور پڑھنے کا تو ذوق رہا نہیں۔ اس لئے کوئی وظیفہ دعاء ان کو بتلائی جائے تو اس کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ یوں چاہتے ہیں کہ خود کچھ کرنا نہ پڑے۔ بس کوئی پھونک مار دے یا لکھی ہوئی چیز دے دے۔ اس سے سب کام ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ ایک پہلوان نے کشتی میں غالب رہنے کے لئے مجھ سے تعویذ مانگا۔ میں نے کہہ دیا کہ اگر تمھارا مقابل کوئی مسلمان نہیں ہے تو دے دوں گا ورنہ نہیں۔

(معلوم ہوا کہ جس کو کوئی تعویذ دینا ہو یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ کسی پر ظلم تو نہیں کر رہا اور کسی ناجائز کام کے لئے تو تعویذ نہیں لے رہا۔ ناجائز کام میں امداد کرنا اس کے لئے تعویذ دینا بھی جائز نہیں)۔

تقابل مذاہب

آج کل سکولوں اور بہت سے مدارس میں تقابلی مطالعہ اور تقابل کے مضمون کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جو طالبعلم اپنے مذہب کی معلومات پوری نہ رکھتا ہو اور مذہب میں رسوخ نہ رکھتا ہو اس کے لئے غیر مذہبوں کی کتابوں کا مطالعہ بہت خطرناک ہے۔

افضل اور اکمل میں فرق

ارشاد فرمایا کہ صحابہ کرام کا ہر فرد کل عالم کے مسلمانوں سے افضل ہے۔ قرآن وحدیث کی نصوص اس پر شاہد ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر صحابی ہر کمالِ علمی وغیرہ میں سب لوگوں سے اکمل بھی ہو۔ آئمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل اور دوسرے حضرات مجتہدین مجتہد تھے۔ تفقہ کا کمال ان کو حاصل تھا اور صحابہ کرام میں بعض ایسے بھی تھے جو مجتہد نہیں تھے مگر اس سے بھی افضلیت آئمہ مجتہدین کی لازم نہیں آتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ افضل ہونا اور چیز ہے اکمل ہونا اور افضلیت کا مدار قبول عنداللہ پر اور کمالات کی تحصیل اکتسابی اختیاری چیز ہے۔

فرمایا کہ علماء اور طلباء کو اگر دنیا کے لوگ متکبر کہیں وہ اچھا ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ ذلیل کہیں۔ یعنی تکبر کی بدنامی علماء کے لئے تملق وخوشامد کی بدنامی سے بہتر ہے۔ فرمایا کہ بخدا پھٹے ہوئے کپڑے، ٹوٹے ہوئے جوتے کوئی ذلت کی چیز نہیں۔ ذلت یہ ہے کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور اپنی حاجت پیش کرے۔

مجلس صبح

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ

جمعرات

صوفیائے کرام کے مجوزہ طریقے اور تعلیمات اکثر انتظامی تدبیریں ہیں احکام نہیں اس لئے ان کا ثبوت نصوص سے ضروری نہیں

حضرات صوفیائے کرام نے اصلاحِ نفس کے لئے کچھ معالجات روحانی اور ریاضت و مجاہدات کے خاص خاص طریقے بتلائے ہیں جو قرآن وسنت اور صحابہ وتابعین کے عمل سے ثابت نہیں۔ اس سے بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ بدعت میں داخل ہیں اور بعض لوگ اسی بناء پر اس طریق ہی کو غلط کہنے لگے۔ اور صوفیائے کرام سے بدگمان ہوگئے۔ اور بلاشبہ بہت سے جاہل

متصوف لوگوں نے ایسا کیا بھی ہے کہ اکابر کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کیا اور شرک و بدعت میں مبتلا ہو گئے۔ آئمہ تصوف اور اکابر سلف اس سے بری ہیں۔ حضرت قدس سرہ نے اس کی حقیقت ایک ملفوظ میں اس طرح واضح فرمائی کہ :۔

صوفیائے کرام جو تدابیر سالکین طریق کے لئے تجویز کرتے ہیں وہ احکام نہیں۔ جن کے نصوص قرآن وحدیث سے ثبوت تلاش کرنے کی ضرورت ہو بلکہ ایک انتظام اور معالجہ ہے اصلاح نفس کا اسی لئے وہ ہر شخص کے لئے اس کی طبیعت اور حالت کے مناسب جدا جدا ہوتا ہے۔ مثلاً کبر کا حرام ہونا اور اس کا ازالہ فرض ہونا یہ تو احکام ہیں جو قرآن وسنت میں منصوص ہیں اب ازالہ کبر کے لئے مشائخ طریق مختلف قسم کی تدبیریں ہر ایک کے حال کے مناسب تجویز فرماتے ہیں۔ کسی کو کہتے ہیں کہ تم نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کیا کرو۔ کسی کو کہتے ہیں کہ اپنی نالائقی کا اعلان کیا کرو۔

یہ محض انتظامی تدبیریں اور معالجہ ہے اس کے لئے ضروری نہیں کہ کسی نص کتاب وسنت میں وارد ہو۔ اگر کوئی نص شرعی بیان بھی کر دی جائے تو وہ محض تبرع ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے لئے تو اصول شرعیہ اور تعامل سلف سے ثبوت ضروری ہے جو چیز قرآن وسنت اور تعامل صحابہ وتابعین سے ثابت نہ ہو۔ احکام میں اس کا اختیار کرنا بدعت کہلاتا ہے لیکن احکام شرعیہ پر عمل کرنے سے جو طبعی موانع انسان کو پیش آتے ہیں ان موانع کے ازالہ کے لئے جو تدبیریں کی جائیں وہ ایک معالجہ ہے ان تدبیروں کا قرآن وسنت سے ثابت ہونا ضروری نہیں۔ جس طرح جسمانی معالجہ کا حال ہے کہ مریض کے لئے جو کوئی حکیم یا ڈاکٹر کوئی دواء، پرہیز، غذا وغیرہ مخصوص کر دیتا ہے۔ کوئی یہ پوچھے کہ یہ کس آیت یا حدیث سے ثابت ہے کہ یہی دواء استعمال کی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ سوال بے جا اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔ قرآن وسنت سے اس چیز کا حلال ہونا ثابت ہو یہ تو ضروری ہے۔ آگے جتنی قیدیں، شرطیں کوئی ڈاکٹر حکیم لگاتا ہے اس کی پابندی کسی آیت وحدیث سے ثابت ہونا ضروری نہیں۔ اس کا مدار تجربہ پر ہے۔

ہاں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر کوئی شخص حکیم ڈاکٹر کی بتائی ہوئی تدبیر اور اس کی لگائی

ہوئی قید و شرط کو عبادت سمجھ کر کرے تو یہی بدعت ہو جائے گی۔ معالجۂ نفس کا ضروری ہونا تو قرآن و سنت اور تعامل صحابہؓ و تابعین سے ثابت ہے۔ وہ عبادت اور ثواب ہے لیکن اس کی کسی خاص صورت کو عبادت و ثواب کا مدار قرار دینا جو نہ کرے اس کو برا سمجھے یہ اس کو بدعت کی حد میں داخل کر دیتا ہے۔ خوب سمجھ لیا جائے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک غیر مقلد صاحب جو بہت نیک آدمی ہیں انہوں نے مجھے خط لکھا کہ آپ کے یہاں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے۔ میں نے جواب لکھا کہ حصہ تو ہر مسلمان کا ہے مگر اتنا بتلا دیجئے کہ آپ امام اعظم ابوحنیفہ کی تو تقلید نہیں کرتے میری بھی تقلید کریں گے یا نہیں۔ مدت تک ان کا خط نہ آیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد خط آیا کہ برائے کرم اس سوال کو اٹھا دیجئے اور مجھے کچھ بتلا دیجئے۔ وہ اس سوال کے جواب میں اس لئے متحیر ہوئے ہوں گے کہ میری تقلید کرنے کا اقرار کرتے ہیں تو سوال کہ امام ابوحنیفہ کی تقلید کو تو نا جائز کہتے ہو میری تقلید کیسے جائز ہوگئی اور اگر انکار کرتے ہیں تو سوال ہوگا کہ جب ہمارا کہنا ہی نہ مانو گے تو کام کیسے چلے گا۔ لیکن اگر وہ مجھ سے پوچھتے تو میں ان کو اس کا صحیح جواب بتلا کر خود ہار جاتا۔

جواب یہ تھا کہ امام صاحبؒ کی تقلید تو احکام میں کرائی جاتی ہے۔ جن میں سے بعض کو ہم روایات و نصوص کے خلاف سمجھتے ہیں اس لئے ان کی تقلید مطلق کو نا جائز کہتے ہیں اور آپ کی تقلید تو محض انتظام میں ہوگی جیسے کسی حکیم ڈاکٹر تقلید و اتباع معالجات میں کیا جاتا ہے۔ اس کو ہم جائز سمجھتے ہیں۔

کسی سے بیعت ہونے کے لئے اس کا انقیاد ضروری ہے اور انقیاد بغیر محبت کے نہیں ہوتا۔ اسی لئے طریق سلوک میں حُبِّ شیخ کی بڑی اہمیت ہے

اسی سلسلۂ کلام میں فرمایا کہ آج کل لوگوں میں کچھ اعتقاد تو ہے مگر انقیاد (یعنی اتباع) نہیں۔ اور کام کے لئے ضرورت انقیاد کی ہے اور انقیاد پیدا ہوتا ہے محبت سے۔ اسی لئے اس طریق میں حب شیخ بہت ضروری اور مدار کار ہے۔ اسی لئے میں بیعت کرنے میں جلدی نہیں کرتا

جب تک کہ مناسبت طرفین کا علم نہ ہو جائے۔ کیونکہ بغیر باہمی مناسبت کے محبت نہیں ہوتی اور پہچان مناسبت کی یہ ہے کہ اگر اس شخص کو اپنی آنکھ سے گناہ میں مبتلا بھی دیکھے تو اس کا اعتقاد بزرگی تو زائل ہو جانا چاہیے۔ مگر محبت زائل نہ ہو۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس سے عقیدت رکھنا تو جائز نہیں اور ترک اعتقاد واجب ہے مگر محبت امر اختیاری نہیں وہ جس سے ہو جاتی ہے وہ ایسی صورت میں بھی زائل نہیں ہوتی۔ مثلاً کسی کا باپ معاذ اللہ مرتد ہو جائے یا کسی بڑے گناہ میں مبتلا ہو جائے تو عقیدت تو اسی وقت زائل ہو جاتی ہے کہ پہلے اس کو مومن سمجھتا تھا اب کافر سمجھتا ہے یا پہلے اس کو نیک صالح سمجھتا تھا اب گنہگار سمجھتا ہے مگر محبت فرزندانہ پھر بھی زائل نہیں ہوتی بلکہ اس حیثیت سے اور بڑھ جاتی ہے کہ لوگوں سے اس کے اسلام کی عود کرنے کی تدبیریں پوچھتا پھرتا ہے۔

وعظ و تبلیغ کے اہم آداب جن کا مؤثر ہونا تجربہ سے ثابت ہے

ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ وعظ و تبلیغ میں میری یہ عادت رہی ہے کہ بات کتنی بری اور لوگوں کے مذاق کے خلاف ہو مگر عنوان نہایت نرم اور حتی الامکان ایسا رکھتا تھا کہ دل قبول کر لے، لوگوں کو وحشت و نفرت نہ ہو اور دل آزار الفاظ سے ہمیشہ اجتناب کرتا تھا۔ مخالفین کے جواب میں بھی ہمیشہ یہی معمول رہا ہے اور اسی سے نفع ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک قصاب کی درخواست پر میں جونپور گیا۔ انہیں کے مکان پر مہمان ہوا۔ وہاں میرے پاس ایک خط نظم میں پہنچا جس میں چار چیزیں میرے متعلق لکھی تھیں۔

اول یہ کہ — تم جاہل ہو۔

دوسرے یہ کہ — تم جلاہے ہو۔

تیسرے یہ کہ — تم کافر ہو۔

چوتھے یہ کہ وعظ کرنے بیٹھو تو — پگڑی سنبھال کر بیٹھنا۔

میں نے کسی سے اس خط کا تذکرہ نہ کیا۔ اگلے روز جب وعظ کا وقت آیا تو منبر پر بیٹھ کر میں

نے لوگوں سے کہا صاحبو! وعظ سے پہلے مجھے آپ سے ایک مشورہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ مجھے یہ خط ملا ہے اس میں چار چیزیں ہیں۔ پہلے جزو کے متعلق تو مجھے اس لئے کچھ کہنا نہیں ہے کہ یہ صاحب مجھے جاہل لکھتے ہیں اور میں خود اپنے اجہل ہونے کا معترف ہوں۔ اسی طرح دوسرے جزء کے متعلق بھی کچھ کہنا نہیں ہے کیونکہ اول تو جلاہا ہونا کوئی عیب نہیں اور اگر کسی درجہ میں ہو بھی تو وہ غیر اختیاری امر ہے جیسے کوئی اندھا یا کانا ہو تو مال اس کا بھی یہی ہے کہ یہ کوئی قابلِ بحث بات نہیں۔ دوسرے یہ کہ میں یہاں کوئی شادی کرنے تو نہیں آیا کہ میں نسب کی تحقیق کراؤں۔ تیسرے یہ کہ اگر کسی کو بلا وجہ میرے نسب ہی کی تحقیق کرنا ہو تو میں اپنی زبانی سے کیا کہوں میرے وطن کا پتہ اور وہاں کے عمائد کے نام دریافت کر کے ان سے تحقیق کر لیں کہ میں جولاہا ہوں یا کون؟ اسی طرح تیسرے جزء کے متعلق بھی مجھے مشورہ کرنا نہیں ہے کیونکہ پچھلی حالت کے متعلق مجھے بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ میں کافر تھا یا مسلمان میں اس وقت سب کے سامنے کلمہ پڑھتا ہوں اشھد ان لا الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ اب تو مسلمان ہو گیا اور جب تک ایمان کے خلاف کوئی بات مجھ سے ظاہر نہ ہو اس وقت تک مسلمان ہی کہا جائے گا۔ البتہ چوتھے جزء کے متعلق مجھے آپ حضرات سے مشورہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ وعظ میں میرا معمول ہمیشہ سے یہ ہے کہ بالقصد اختلافی مسائل بیان نہیں کرتا، بلکہ حتی الامکان ان سے بچتا ہوں لیکن اگر دورانِ تقریر میں کہیں آ جاتے ہیں تو پھر رکتا بھی نہیں، البتہ عنوان نرم اور ایسے الفاظ کا اہتمام کرتا ہوں کہ دل آزار نہ ہوں۔ اب اگر وعظ کہوں گا تو اسی آزادی کے ساتھ کہوں گا اس کا نتیجہ پھر جو کچھ بھی ہو اس لئے مشورہ طلب یہ امر ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ تو ہے نہیں اور مجھے شوق بھی نہیں۔ لوگوں کی درخواست پر کہہ دیتا ہوں۔ اب اگر آپ حضرات درخواست کریں اور مشورہ دیں تو میں کہوں ورنہ چھوڑ دوں۔

پھر فرمایا آپ کو مشورہ میں مدد دینے کے لئے میں خود اپنی رائے بھی ظاہر کئے دیتا ہوں وہ یہ کہ وعظ تو ہونے دیا جاوے اور غالباً وہ صاحب بھی اس مجمع میں موجود ہوں گے جن کا یہ خط ہے۔ تو وہ جس جگہ کوئی ناگوار بات محسوس کریں اسی وقت مجھے روک دیں۔ میں اسی وقت وعظ بند کر دوں

گا۔ یا اگر اس میں ان کو کچھ حجاب مانع ہو تو میں آج بعد ظہر مچھلی شہر چلا جاؤں گا۔ میرے جانے کے بعد میرے وعظ کی خوب تردید کر دیں۔ یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ اپنی رائے بیان کریں۔ چاروں طرف سے آوازیں آئیں کہ آپ ضرور وعظ کہیں اور آزادی سے کہیں۔

میں نے وعظ کہا اور حسبِ عادت ترغیب وترہیب اور اصولِ شرعیہ بیان کئے پھر ضمناً بعض فروع کی بحث آئی تو اتفاقاً اس میں بدعات ورسوم کا بھی ذکر آ گیا۔ تو خوب کھل کر بیان کیا۔ تمام مجمع محو حیرت تھا ختم وعظ کے بعد جونپور کے ایک مشہور مولوی صاحب نے اتنا کہا کہ مولانا ان چیزوں کی تو حاجت نہ تھی۔ میں نے نہایت بے تکلفی سے ساتھ کہا کہ مجھے اس کی خبر نہ تھی میں نے تو حاجت سمجھ کر بیان کیا اگر آپ مجھے وقت پر متنبہ فرما دیتے تو میں نہ بیان کرتا۔ اب تو بیان ہو چکا اب اس کا کوئی اور تدارک بجز اس کے نہیں کہ آپ دوسرے وقت اس کی تردید فرما دیں اور اسی مجلس میں اعلان فرما دیں کہ فلاں وقت اس وعظ کی تردید کی جاوے گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس پر کچھ نہ بولوں گا۔ مولانا عبدالاول صاحب جو جونپور کے فضلاء میں سے تھے وہ کھڑے ہوئے اور مولوی صاحب کو ملامت کی کہ آپ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں اور پھر اعلان کے ساتھ فرمایا کہ صاحبو! آپ سب جانتے ہیں کہ میں مولودیہ ہوں قیامیہ ہوں لیکن حق بات وہی ہے جو مولانا نے فرمائی ہے۔ اس کے بعد وہ مجھے اپنے مکان پر لے گئے اور اپنے پاس مہمان رکھا۔

ایک اور واقعہ

فرمایا کہ نواب ڈھاکہ کو محفلِ میلاد کا بہت شوق تھا خود مجالس منعقد کرتے تھے اور خود ہی پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے جب مجھ سے مسئلہ پوچھا تو میں نے عنوان میں اس قدر رعایت کی کہ بدعت کا لفظ تک نہ لکھا۔ بلکہ صرف یہ لکھا کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے وہ سمجھدار آدمی تھے فوراً چھوڑ دیا۔ جب میں ڈھاکہ گیا اور انہیں کا مہمان تھا مجالسِ عامہ میں بہت وعظ ہوئے مگر شہزادے اور رؤساء عام مجامع میں آئے نہ تھے۔ ان کی رائے ہوئی کہ ان کو بھی کسی طرح وعظ سنوایا جاوے مگر میری شرط تھی کہ وعظ میں کسی عام آدمی کو آنے سے نہ روکا جاوے۔

انہوں نے یہ صورت اختیار کی کہ شہر سے سات آٹھ میل کے فاصلہ پر وعظ کا اعلان کیا جہاں موٹر یا سائیکل والوں کے سوا کوئی پہنچ نہیں سکتا تھا اور رؤساء کو وہاں دعوت تھی۔ کچھ لوگ وہاں بھی پہنچے مگر بہت کم، بہرحال اجتماع ہوا تو ان کے حال کے مناسب چند ضروری چیزیں مجھے کہنا تھیں جن میں ایک ڈاڑھی کا مسئلہ بھی تھا کیونکہ سب ڈاڑھی منڈانے والے نظر آئے مگر میں نے عنوان میں ایسی رعایت کی کہ ان کو نفرت نہ ہو۔ میں نے کہا صاحبو! اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ڈاڑھی منڈانا گناہ ہے کہ سب جانتے ہیں کلام اس میں ہے کہ جن لوگوں کو عادت پڑی ہوئی ہے اور اس کو اپنی زینت سمجھتے ہیں وہ اس کو کیسے چھوڑیں تو میں ان کے لئے ایک نسخہ آسان بتلاتا ہوں کہ نہ کسی کام میں فرق نہ آئے اور کام بھی کچھ نہ کچھ ہو جاوے وہ یہ کہ میں ان کو اس کام سے نہیں روکتا۔ البتہ دن بھر یہ کام کرنے کے بعد شام کو خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہ کا اقرار اور اس پر ندامت ظاہر کیا کریں۔ کہ یا اللہ ہم بڑے نالائق، بڑے خبیث، بڑے گنہگار ہیں ہمیں توفیق عطا فرما کہ تیرے احکام کی اطاعت کریں۔ پھر صبح اٹھ کر وہی کام کریں اور شام کو پھر یہ کام کر لیجئے۔ اس پر بعض حاضرین نے کہا کہ حضرت جو یہ کام کرے گا وہ کیا پھر ڈاڑھی منڈا سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ کب کہتا ہوں کہ منڈائے بھی، میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر ڈاڑھی منڈانا ہی ہے تو یہ کام بھی کرتے رہو۔ اس میں نہ آپ کی زینت و فیشن میں فرق آتا ہے نہ کسی کی عادت میں خلل پڑتا ہے مگر گناہ میں تخفیف ہو جاتی ہے اور ممکن ہے کہ تدریجاً اس سے نجات بھی ہو جائے۔ غرض وعظ و تبلیغ میں میرا یہ طرز تھا کہ لوگوں کو وحشت و نفرت نہ ہو عنوان نرم اور انداز پسند ہوں۔ آج کل لوگ اس کا خیال نہیں کرتے۔

اصل مقصود تصوف کا نہایت سہلُ الوصُول ہے

لوگوں نے غیر ضروری چیزوں کو اس کا جزو بنا کر مشکل کر رکھا ہے

مجلس جمادی الثانیہ ۱۳۵۷ھ

عادت اللہ یہ ہے کہ جتنی چیزیں انسان کے لئے زیادہ ضروری ہیں اتنا ہی ان کو سستی اور سہل الوصول بنایا ہے۔ سب سے زیادہ ضرورت ہوا کی ہے۔ وہ ہر جگہ ہر وقت مفت ملتی ہے بلکہ ایک درجہ میں جبری قسمت ہے کہ کوئی اس سے بچنے کا ارادہ بھی کرے تو کامیاب ہونا مشکل ہے دوسرے درجہ میں پانی ہے وہ بھی عام طور پر مفت ہے اور کہیں بہت ہی مختصر سی قیمت بھی ہے۔ وعلی ھذا دوسرے اشیاء اور سب سے قلیل النفع چیزیں جو ہرات وغیرہ ہیں وہ سب سے زیادہ گراں ہیں طریق وصول اللہ بھی چونکہ عام النفع چیز ہے اس لئے فطرۃً وہ آسان ہونا چاہیے مگر مشکل یہ ہے کہ لوگوں کے غلو نے اسے مشکل بنا رکھا ہے غیر اختیاری اور غیر ضروری اصول و اعمال کا نام تصوف رکھ لیا ہے حالانکہ وہ تو کچھ اور ہی چیز ہے وہ فقط توجہ الی اللہ اس اعتقاد کے ساتھ کہ جب ہم حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونگے تو وہ حسب وعدہ حدیث ہم سے زیادہ ہماری طرف توجہ مبذول فرمائیں گے۔ اس میں تو کسی نفلی عمل کی بھی ضرورت نہیں ہے البتہ تکمیل فرائض کر لیا جائے یہ کافی ہے علماء نے لکھا ہے کہ تکمیل فرائض تکثیر نوافل سے زیادہ افضل ہے اور یہ امر ایک طبعی امر بھی ہے ایک شخص دعوت میں دس کھانے کھلاتا ہے مگر سب خراب اور دوسرا صرف ایک کھانا پکاتا ہے مگر عمدہ اور نفیس، ظاہر ہے کہ آپ اس ایک کو ان دس پر ترجیح دیں گے۔

مسندِ احمد میں ایک حدیث ہے جو "التکشف" میں نقل کی گئی ہے مضمون اس کا یہ ہے کہ چند صحابہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک صحابیؓ سامنے سے گزرے تو موجودین میں سے ایک صحابیؓ نے کہا کہ میں ان (گزرنے والوں) کو مبغوض رکھتا ہوں۔ اس کی خبر کسی نے اٹھ کر ان صحابیؓ کو کر دی۔ وہ لوٹ کر آئے اور دریافت کیا۔ آپ نے میرے متعلق یہ کہا ہے کہ "انی لابغض ھذا" انہوں

نے اقرار کا کی کہ ہاں کیا ہے سوال کیا کہ سبب بغض کیا ہے؟ جواب دیا کہ میں نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی نفل نماز پڑھتے ہو یا نفلی روزہ رکھتے ہو۔ اس صحابیؓ نے عرض کیا کہ اچھا کبھی آپ نے فرائض میں کوتاہی کرتے ہوئے تو مجھے نہیں پایا؟ انہوں نے کہا نہیں اس صحابیؓ نے عرض کیا کہ میں تو اسی کو کافی سمجھتا ہوں پھر فیصلہ کے لئے دونوں اٹھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے ان کی رائے کی تصویب فرمائی۔

۱۱ شعبان ۱۳۵۴ھ

ایک عالم کے کچھ لوگ بلاوجہ شرعی مخالف ہو گئے اور اس کو بدنام کرنے اور ذلیل کرنے کے لئے زمانہ کی مروجہ سب صورتیں اختیار کیں۔ یہ بیچارے اس سے رنجیدہ و دل شکستہ تھے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ''مظلوم ذلیل نہیں ہوتا'' کیونکہ بنص قرآن وہ منصور حق ہے۔ قرآن کریم میں اولیاء مقتول جو مظلوم ہیں ان کے متعلق ارشاد ہے:۔

فلا یسرف فی القتل انه کان منصورا. یعنی'' ولی مقتول کو چاہیے کہ جب اس کو اپنا بدلہ لینے کا موقع ہاتھ لگے تو بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصور ہے''۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ ہے اس لئے اس کو شکر گزار ہونا چاہیے اور ظالم سے انتقام لینے میں زیادتی کرکے خود ظلم کا مرتکب نہ ہونا چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص مظلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مدد نصرت اس کے ساتھ ہوتی ہے اور جو شخص منصور حق ہو، اس کو کون ذلیل کر سکتا ہے۔

ماہنامہ المفتی دیوبند کے متعلق ارشاد

بزمانہ خدمت دارالعلوم دیوبند احقر نے بزرگوں کے مشورہ سے ایک ماہنامہ بنام المفتی جاری کیا تھا جس میں فتاویٰ کے علاوہ دوسرے مفید عام مضامین بھی ہوتے تھے۔ نہ کوئی یار و مددگار تھا نہ سرمایہ جس سے ماہنامے چلائے جاتے ہیں۔ میں اس ماہنامہ کا'' خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ

کوزہ'' مضامین لکھنے سے طباعت اور ڈاک خانہ میں چھوڑنے تک کے سب کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتا تھا۔ ہر سال خسارے کے باوجود ۱۳۵۴ھ سے ۱۳۶۲ھ تک آٹھ سال اس کو جاری رکھا۔ ایک روز احقر حاضر مجلس تھا تو مجھے بلا کر فرمایا:۔

''آپ کا رسالہ ''المفتی'' تو بڑا ہی نافع ہے سب مغز ہی مغز ہے میں نے تو بعض لوگوں سے کہا ہے کہ اس کی قیمت سالانہ تو صرف سوا روپیہ ہے لیکن یہ مضامین سوا لاکھ روپیہ میں بھی جمع ہو جاویں تو سستے ہیں''۔

رسمی عالم ہونا ولی کامل ہونے کی شرط نہیں، بقدر ضرورت علم کے بعد اصل چیز عمل ہے

ایک صاحب نے دیوبند میں حضرتؒ سے سوال کیا کہ آپ لوگ (مراد اس سے حضرت گنگوہی نانوتوی اور دوسرے اکابر دیوبند سب تھے) بڑے علماء فضلاء ہیں اور آپ سب جا کر حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے مرید ہوئے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں وہ کیا چیز تھی جس کے لئے آپ حضرات نے ان کی خدمت اختیار کی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ:۔

''ہاں ہماری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو سب اقسام کی مٹھائیوں کے نام اور فہرست پوری یاد ہو، مگر چکھا ایک کو بھی نہ ہو۔ اور دوسرا کوئی ایسا شخص ہے جس نے سب مٹھائیاں کھائی ہیں مگر نام کسی کا یاد نہیں۔ تو ظاہر ہے کہ جو شخص مٹھائیاں کھا رہا ہے اس کو تو کوئی ضرورت نہیں کہ ان کے نام معلوم کرنے کے لئے کسی کے پاس جائے۔ مگر جس کو صرف نام اور الفاظ یاد ہوں وہ اس کا محتاج ہے کہ صاحب ذوق کی خدمت میں جائے اور ان مٹھائیوں کا ذوق حاصل کرے''۔

اختلافِ علماء کے وقت عوام کو کیا کرنا چاہیے

علماء امت کے درمیان رائیوں اور اس کی بناء پر اجتہادی مسائل میں اختلاف ایک امر فطری ہے اور حضرات صحابہ و تابعینؓ کے زمانے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ ایسے اختلاف کو حدیث میں رحمت

کہا گیا ہے۔ اختلاف مذموم جس سے بچنے کی ہدایات قرآن وسنت میں وارد ہیں وہ اختلاف ہے جو اغراض واہوا نفسانی پر مبنی ہو یا جس میں حدود اختلاف سے تجاوز کیا گیا ہو۔ مگر آج کل لوگوں نے اس اختلاف کو بھی طبقۂ علماء سے بدگمانی پیدا کرنے کے کام میں استعمال کر رکھا ہے اور سیدھے سادے عوام ان کے مغالطہ میں آکر یہ کہنے لگے کہ جب علماء میں اختلاف ہے تو ہم کدھر جائیں۔ حالانکہ دنیا کے کاموں میں جب بیماری کے علاج میں ڈاکٹروں حکیموں کے درمیان اختلاف ہوتا ہے تو اس میں عمل کے لئے سب اپنا راستہ تلاش کر لیتے ہیں اور اس اختلاف کی بناء پر سب ڈاکٹروں حکیموں سے بدگمان نہیں ہو جاتے۔

ایک صاحب نے گنگوہ سے حضرتؒ کو خط لکھا جس میں دارالعلوم دیوبند اور وہاں کے بعض علماء کی آراء کا خلاف مصالح دینی ہونا ذکر کیا جن میں حضرتؒ کی رائے بھی ان علماء سے مختلف تھی۔ اور لکھنے والے حضرت کے معتقد تھے۔ خط مفصل لکھا۔ اور لکھا کہ میں سب حضرات سے عقیدت رکھتا ہوں اور ایسے واقعات پیش آنے پر سخت تذبذب پیش آتا ہے لوگوں سے بحث بھی ہوتی رہتی ہے اس لئے بڑی تکلیف میں ہوں۔ میرے لئے ارشاد فرمایا جائے کہ میں کیا کروں؟

حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا:۔

السلام علیکم!

آپ نے اپنے دین کی درستی کے لئے بہت محنت کی۔ ان شاءاللہ تعالیٰ اس کا اجر ملے گا۔ چونکہ ہر مریض کے لئے جدا نسخہ نافع ہوتا ہے جو نسخہ آپ کے لئے نافع ہے وہ لکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ

کار خود کن کار بے گانہ مکن

زبان اور قلم اور قلب سے سکوت رکھیں۔ پریشانی پر صبر کریں نہ کسی کے معتقد رہیں نہ کسی سے بد اعتقاد ہوں کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایذاء دہ ہیں۔ قیامت میں اس کی پوچھ بھی آپ سے نہ ہوگی۔

والسلام

ایک آیت کی تفسیر اور تحقیق

قرآن کریم میں ہے:۔

وان تعدوا نعمة الله لاتحصوها۔ یعنی ''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے''۔

اس پر ایک شبہ یہ ہوسکتا ہے کہ بعض غریب مفلس آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس گنی چنی چیزیں ہی ہوتی ہیں جو شمار میں آ سکتی ہیں تو ان کے حق میں **لاتحصوها** کا حکم کیسے صحیح ہوگا اس کا جواب تو کھلا ہوا ہے کہ ہر آفت سے محفوظ رہنا بھی تو ایک مستقل نعمت ہے اور آفتوں اور تکلیفوں کا احصاء و شمار کوئی نہیں کر سکتا اس لئے غریب سے غریب انسان پر اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ وہ شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس آیت کی ایک دوسری تفسیر بھی دل میں آتی ہے وہ یہ کہ لفظ احصاء کے معنی جیسے شمار کرنے کے معروف و مشہور ہیں اسی طرح ایک معنی احصاء کے پورا پورا استعمال کر لینے کے بھی آتے ہیں یعنی احصاء استعمالاً۔ اس معنی کے اعتبار سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے جتنی نعمتیں دی ہوئی ہیں وہ ان سب کو بیک وقت استعمال بھی نہیں کر سکتا بلکہ کچھ نہ کچھ نعمتیں اس کے استعمال سے فاضل رہتی ہیں۔ خود انسان کے وجود میں جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں وہ اس کی ضرورت سے کچھ زائد رہ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دو عطا فرمائیں۔ حالانکہ دیکھنے کا کام ایک آنکھ سے بھی چل سکتا ہے۔ کان دو دیئے اور کام ایک سے بھی چل سکتا ہے ہاتھ پاؤں دو ہرے عطا فرمائے جن میں سے انسان ہر وقت دونوں کو استعمال نہیں کرتا۔ سردی کا سامان گرمی میں اور گرمی کا سامان سردی میں مشغول کار نہیں ہوتا اس لئے ہر غریب سے غریب انسان پر یہ بات صادق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو پورا پورا استعمال بھی نہیں کر سکتا۔

آیت کی یہ تفسیر خیال میں گزرا کرتی تھی مگر کوئی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے ذکر نہ کرتا تھا۔ آج الحمدللہ اس کی دلیل ایک حدیث سے سمجھ میں آ گئی کہ اسماء اللہ الحسنیٰ کے

متعلق حدیث میں ہے:-

من احصها دخل الجنة. یعنی ''جو شخص ان اسماء الٰہیہ کا احصاء کرے گا وہ جنت میں جائیگا''۔

اس حدیث میں لفظ احصاء کے متعلق علماء کے دونوں قول ہیں کہ احصاء حفظاً مراد ہے یعنی ناموں کا حفظ کر لینا یا احصاء استعمالاً مراد ہے کہ ان ناموں کے مقتضی پر عمل کرنا۔ تو جس طرح لفظ احصاء کی ایک حدیث میں دو تفسیریں کی گئی ہیں اسی طرح آیت قرآن لاتحصوھا میں بھی دونوں تفسیریں ہو سکتی ہیں۔

۲۵ شعبان ۱۳۵۴ھ

ابن منصور کے متعلق تحقیق وارشاد

ابنِ منصور جو عام لوگوں میں منصور کے نام سے مشہور ہیں اور کلمہ انا الحق کہنے پر ان کو قتل کیا گیا تھا ان کے بارے میں سلف وخلف کے اقوال بہت مختلف اور متضاد ہیں۔ بعض حضرات ان کی بزرگی اور للٰہیت ہی کے منکر ہیں۔ بعض ان کو سب اولیاء میں افضل و اعلیٰ مانتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ابنِ منصور کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ یہ عارف اور صاحبِ حال تو ہیں مگر صاحبِ کمال نہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے اصحاب میں سے تھے اور حضرت جنیدؒ ان سے ناراض تھے۔

پھر فرمایا میرا تجربہ یہ ہے اور اس کے شواہد میرے پاس موجود ہیں کہ شیخ اگر کسی سے ناراض ہو جاوے تو آخرت میں تو اس کی تباہی لازم نہیں۔ لیکن دنیا میں ضرور کسی عقوبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہی تجربہ ہے اس الہام کی مخالفت میں جو قوت کے ساتھ وارد ہو کہ اس کی مخالفت کرنے سے کم از کم دنیا میں کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

امراء اہل دنیا سے اہل اللہ کی ملاقات اور اسکا ادب

ارشاد فرمایا کہ دنیا کے امراء و رؤساء اگر کسی عالم یا ولی سے ملاقات کے لئے آویں تو

حضرت حاجی صاحبؒ کی تعلیم یہ ہے کہ ان سے خشونت کا برتاؤ نہ کریں اور فرمایا کہ اسی وجہ سے میرا معمول یہ ہے کہ امیر رئیس اگر تہذیب وادب سے رہے تو بنسبت عام غرباء کے اس کی خاطر زیادہ کی جائے کیونکہ یہ لوگ اس کے عادی ہوتے ہیں اور بقاعدہ

انزلوا الناس منازلھم۔ یعنی ''جس کو دنیا میں جو درجہ و مرتبہ حاصل ہو۔ اس کے مطابق اس سے معاملہ کرو''۔

انکے ساتھ ایسا ہی معاملہ مناسب ہے۔

لیکن اگر وہ خود کوئی متکبرانہ معاملہ کریں یا علماء کی حقارت کی کوئی چیز ان سے ظاہر ہو تو قطعی پرواہ نہ کی جائے۔ ان کے عمل کا جواب اس کے مناسب دیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نہ ان کو ذلیل کرے نہ خود اپنے آپ کو ان کے سامنے ذلیل کرے۔

اور پھر فرمایا کہ حقیقت میں ذلت یہ ہے کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور اپنی ضرورت وحاجت پیش کرے۔ پھٹے کپڑے، ٹوٹے جوتے، پیوند زدہ لباس کوئی ذلت نہیں۔

صغیرہ اور کبیرہ گناہ!

ارشاد فرمایا کہ جس گناہ کو صغیرہ یعنی چھوٹا کہا جاتا ہے وہ بڑے گناہ کے مقابلہ میں چھوٹا ہے ورنہ ہر گناہ اس حیثیت سے کہ اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہے بڑا ہی گناہ ہے جیسے پھونس کے چھپر میں بڑا انگارہ اس کے لئے مہلک ہے اسی طرح چھوٹی سی چنگاری کا بھی وہی انجام ہے کہ وہ بھی جب بھڑک اٹھتی ہے تو انگارہ بن جاتی ہے اس لئے گناہوں میں صغیرہ وکبیرہ کی تقسیم باہمی اضافت ونسبت کے اعتبار سے ہے۔ صغیرہ گناہ کو بھی چھوٹا سمجھ کر بے پرواہی کرنا اپنی ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔ قرآن کریم میں غزوۂ احد کی ابتدائی شکست کو صحابہ کرامؓ کی ایک لغزش کا نتیجہ قرار دیا ہے ارشاد یہ ہے:۔

انما استزلھم الشیطان ببعض ما کسبوا۔ یعنی ''لغزش دے دی شیطان نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے''۔

اس واقعہ میں ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام کسی گناہ کبیرہ کے مرتکب نہیں ہوتے تھے مگر اس صغیرہ ہی کو اُحد کی شکست کا سبب قرار دیا گیا۔

انبیاء علیہم السلام سے صغیرہ گناہ بھی سرزد نہیں ہوتا

ارشاد فرمایا کہ مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب نے مجھ سے نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تحقیق یہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام سے قبل نبوت یا بعد نبوت نہ کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہوتا ہے نہ صغیرہ۔

اور فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہؒ کی تحقیق سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ جو چیزیں انبیاء علیہم السلام کی زلّات میں شمار کی گئی ہیں وہ بھی درحقیقت گناہ نہیں۔ طاعت ہی ہوتی ہے مگر بڑی طاعت کے مقابلہ میں اس کے ساتھ اشتغال ان کی شان کے مناسب نہیں تھا اس لئے اس پر تنبیہ کی گئی۔

ایک اہم فائدہ

ارشاد فرمایا کہ طاعات وعبادات کا بڑا فائدہ تو ثواب آخرت ہے وہ جب کوئی عمل اس کے شرائط وآداب کے ساتھ ادا کیا جائے اس پر ضرور مرتب ہوگا۔ ان کا ایک دوسرا فائدہ خاص خاص اعمال کے آثار وبرکات ہیں جن کا ظہور دنیا ہی میں ہوتا ہے مگر ان آثار کے مرتب ہونے کی شرط یہ ہے کہ عمل کرنے کے وقت ان آثار کے ترتب کی نیت بھی کرے۔ عام طور پر جن لوگوں کو یہ آثار حاصل نہیں ہوتے اکثر اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انکی نیت ان آثار کی نہیں ہوتی۔ مثلاً نماز کا یہ اثر قرآن کریم میں منصوص ہے کہ اس سے انسان کو تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوجاتی ہے۔ یہ جبھی حاصل ہوگا جبکہ نماز کو شرائط وآداب کے ساتھ ادا بھی کرے اور یہ نیت بھی رکھے کہ نماز کی وجہ سے مجھے دوسرے گناہوں سے بچنے کی ہمت بھی ضرور ہوجائے گی۔

کرامت کا درجہ

اولیاء اللہ سے کرامات کا صدور حق ہے۔ اس پر امت کا اتفاق ہے لیکن عوام میں کرامت کو بہت بڑی چیز سمجھا جاتا ہے اور بزرگوں کے جو اصلی کمالات ہیں انکو نظر انداز کر دیا جاتا ہے حضرتؒ نے فرمایا کہ:۔

اہل تحقیق کے نزدیک کرامت کا درجہ اس ذکر لسانی سے بھی کم ہے جو بغیر حضور قلب کے کیا جائے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ذکر اللہ خواہ بغیر حضورِ قلب کے ہو کچھ نہ کچھ اجر و ثواب اس پر حاصل ہوتا ہے اور اجر و ثواب پر قرب خداوندی مرتب ہوتا ہے بخلاف کرامت کے کہ وہ صرف ایک واقعہ کا اظہار ہے۔ اس پر نہ کوئی اجر و ثواب ملتا ہے اور نہ اس سے تقرب الی اللہ میں کوئی ادنیٰ اضافہ ہوتا ہے۔

اور فرمایا کہ کرامت میں کسی بزرگ کے اختیار و عمل کا کوئی دخل نہیں ہوتا بعض اوقات اس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں قرآن کریم نے فرمایا:۔

لولا ان رای برھان ربہ۔ یعنی ''(یوسف علیہ اسلام) اگر اپنے رب کی برہان و دلیل نہ دیکھتے (تو ممکن تھا کہ ان کا میلان زلیخا کی طرف ہو جاتا)۔

اس برہان رب کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس تنہائی میں سامنے انگشت بدندان دیکھا۔ یہی برہان رب تھی جس کی وجہ سے ان کی حفاظت ہوئی۔ اگر یہ تفسیر صحیح ہو تو یہ بات ظاہر ہے کہ یہ یعقوب علیہ السلام کی کرامت یا معجزہ تھا مگر یعقوب علیہ السلام کو اس کی خبر بھی نہ تھی کیونکہ اگر یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کا یہ پتہ نشان معلوم ہو جاتا کہ وہ عزیز مصر کے گھر میں ہیں تو بعد میں یہ نہ فرماتے:۔

یا بنی اذھبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ۔ یعنی ''اے میرے بیٹو! جاؤ تم یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو''۔

۴ رمضان ۱۳۵۰ھ

کشف کے متعلق ایک تحقیق

ارشاف فرمایا کہ کشف کوئی یعنی دنیا میں آئندہ پیدا ہونے والے واقعات کا انکشاف کبھی منجانب اللہ غیر اختیاری ہوتا ہے اور کبھی تصرف سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ وہ امر اختیاری ہے اور کسبی چیز ہے بعض ریاضتوں اور اعمال سے کونیات کا کشف ہونے لگتا ہے۔ اور فاسق فاجر بلکہ کافر کو بھی ہوسکتا ہے۔

بعض بزرگوں کے ایسے کلمات جو بظاہر ادب کے خلاف ہیں

ان کے متعلق مولانا رومیؒ نے فرمایا کہ ؎

گفتگوئے عاشقاں درکار رب　　　جوشش عشق است نے ترک ادب

اور فرمایا کہ ؎

بے ادب تر نیست زوکس در جہاں　　　با ادب تر نیست زوکس در نہاں

حاصل اس کا یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت میں مٹے ہوئے ہیں ان سے بے ادبی کا تو امکان ہی نہیں مگر فرط محبت میں بعض اوقات غلبۂ حال سے الفاظ میں وہ رعایت نہیں رہتی جو ہونا چاہیے۔ اس لئے جن بزرگوں پر ایسے حالات طاری ہیں ان کے کچھ کلمات اگر بظاہر ادب کے خلاف بھی معلوم ہوں تو ان سے بدگمانی نہ کرنا چاہیے البتہ ان کی نقالی کرنا بھی درست نہیں کہ جو مغلوب الحال نہیں ہیں وہ بھی ان کی نقالی کرنے لگیں۔

غلبہ تواضع کا ایک واقعہ

ایک صاحب نے عید گاہ کے مجمع میں حضرتؒ کے کسی فعل پر اعتراض کیا۔ وہ اعتراض اگرچہ بالکل بے جا اور غلط تھا مگر حضرتؒ اس کے قدموں میں گر پڑے اور فرمانے لگے کہ بیشک میں بڑا خطا وار گناہگار ہوں حضرتؒ پر اس وقت ایسی حالت کا غلبہ تھا کہ جس میں انسان اپنے آپ کو ہر چیز

سے بدتر و کمتر سمجھتا ہے۔

سماع کے متعلق تحقیق

ارشاد فرمایا کہ صوفیائے کرام میں اس میں تو اختلاف ہوا ہے کہ بعض نے خاص شرائط کے ساتھ سماع (گانا سننے) کی اجازت دی اور عمل بھی کیا۔ بعض نے مطلقاً منع فرمایا لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ گانا سننا جزء طریق یا ان معمولات میں سے نہیں جن کو تزکیہ باطن کے لئے صوفیہ کے مختلف طبقات نے تجویز کیا ہے۔ صوفیہ کے چاروں مسلک چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ قادریہ میں کسی نے گانا سننے کو سالک طریق کے لئے بطور معمول وظیفہ نہیں بتلایا۔ کسی خاص مریض کو اجازت دے دی جاتی ہے جیسے بعض اوقات طبیب سنکھیا وغیرہ سمیات سے بیمار کا علاج کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سماع اس طریق میں کوئی غذا نہیں بلکہ دواء ہے۔

سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ نے سماع کے متعلق فرمایا کہ:۔

''مبتدی را مضر باشد و منتہی را حاجت نیست''

انگریزوں کے متعلق مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا حکیمانہ مقولہ

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ انگریزوں میں دو عیب رکھ دیئے جن کی وجہ سے ہندوستانیوں کا ایمان بچ گیا۔ ایک بخل دوسرے کبر۔ ان کے یہاں مسلمان بادشاہوں کی طرح داد و دہش کا کوئی دفتر نہیں اور تکبر کا عالم یہ ہے کہ ہندوستانیوں سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں ان کے مجامع میں شامل ہونے کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔

تنبیہ

یہ اس وقت کا حال تھا کہ جب مسلمانوں میں اسلامی اور قومی حمیت کا غلبہ تھا وہ کھانے پینے اور نشست برخاست اور عام معاشرتی کاموں میں انگریزوں کی نقالی کو عیب سمجھتے تھے۔ افسوس کہ

لارڈ میکالے کا سست رفتار زہر ان میں سرایت کر گیا اور رفتہ رفتہ اسلامی اور قومی حمیت کا خاتمہ ہوا مسلمانوں نے ہر چیز میں اپنے آپ کو انگریز بنا کر دکھلانے ہی کو کمال سمجھ لیا تو باہم اختلاط اور تعلقات بڑھے۔ جس کا نتیجہ وہ ہوا جو آج آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ نئی تعلیم پانے کے بعد آدمی عموماً صرف نام کا مسلمان رہ جاتا ہے اصول دین سے غفلت اور بے پرواہی شعار بن جاتی ہے اور اب تو کھلے طور پر دین واصول دین پر اعتراضات بھی ہونے لگے۔ (اناللہ)

حضرت حاجی امداد اللہؒ کی ایک وہم وصیت

ارشاد فرمایا کہ حاجی صاحبؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ بھائی کسی سے الجھنا نہیں۔ جب کسی کام میں جھگڑا ہو تو اس کو چھوڑ کر الگ ہو جانا۔ پھر فرمایا کہ میرا ہمیشہ یہی معمول رہا ہے۔

تصوف علوم طبعیہ میں سے ہے

ارشاد فرمایا کہ اصول تصوف میں غور کرو تو وہ سب علوم طبعیہ میں سے ہیں ذرا بھی طبیعت میں سلاست ہو تو خود بخود آدمی کے دل میں وہی آئے گا جو بزرگوں نے فرمایا ہے۔

سوادِ اعظم کی تفسیر

فرمایا کہ فتنہ اور اختلافات کے وقت رسول اللہ ﷺ نے سواد اعظم کا اتباع کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ سوادِ اعظم کے مفہوم میں علماء کے متعدد اقوال میں راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد تو وہی ہے جو ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے یعنی جس طرف مجمع زیادہ اور اکثریت ہو اس کا اتباع کیا جائے مگر میرے نزدیک یہ مخصوص ہے زمانہ خیر القرون کے ساتھ جس میں مجموعی اعتبار سے خیر غالب تھی۔ آج کل کی اکثریت اس ارشاد کا مصداق نہیں کیونکہ آج کل تو عموماً غلبہ اور اکثریت بے راہ چلنے والوں کی ہے۔

اصول تصوف

فرمایا کہ فن تصوف کا حاصل دو چیزیں ہیں۔ ایک ذکر اللہ دوسرے طاعت یعنی اتباع احکام

شرعیہ۔مختلف قسم کے اشغال جو صوفیہ میں رائج ہیں وہ طریق کا جز نہیں۔ضرورۃً استعمال کیا جاتا ہے۔

خشوع کی حقیقت

ارشاد فرمایا کہ خشوع کی حقیقت سکونِ قلب ہے یعنی حرکت فکریہ کا انقطاع۔اس کے حاصل کرنے کے طریقے مختلف مزاجوں کے اعتبار سے مختلف ہیں۔اگر یہ سکون قلب کسی کو اس طرح حاصل ہو کہ یہ تصور کرے کہ بیت اللہ میرے سامنے ہے تو اس کے لئے یہی بہتر ہے کہ اور کسی کے لئے یہ سہل ہو کہ الفاظ جو زبان سے ادا ہو رہے ہیں ان پر دھیان لگائے تو اس کو وہی مناسب ہے اور جس کو ذات حق کی طرف توجہ میسر ہو جائے وہ سب سے افضل و بہتر ہے۔

فرمایا کہ ایک ضروری بات جو تجربہ سے حاصل ہوئی یہ ہے کہ خشوع میں زیادہ غلو نہ کرے ورنہ ایک دور کن کے بعد طبیعت تھک جاتی ہے اور خیالات منتشر ہونے لگتے ہیں۔

غیر اختیاری طور پر دوسرے خیالات بھی اگر آتے جاتے ہیں تو وہ خشوع کے منافی نہیں۔ بشرطیکہ ان خیالات کی طرف التفات اور توجہ قلب کی نہ ہو۔اس کو ایک محسوس مثال میں اس طرح سمجھئے کہ جیسے کوئی شخص ایک خاص نقطہ کو دیکھنا چاہتا ہے تو طبعی طور پر اس کا ماحول بھی نظر پڑتا ہے مگر چونکہ توجہ قلب کی اس طرف نہیں ہوتی اس لئے یہی کہا جائے گا کہ وہ اس نقطہ کو دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح جب توجہ قلب کی بالقصد ایک چیز کی طرف ہوگی تو بالتبع دوسری چیزیں بھی سامنے رہیں گی لیکن محض ان کا سامنے ہونا اس توجہ میں مخل نہیں۔بشرطیکہ بالقصد ان چیزوں کی طرف مشغول نہ ہو۔

کشف اور کرامت میں فرق

فرمایا کہ کشف کا حاصل یہ ہے کہ وہ واقعات جو عالم مثال میں ہو رہے ہیں اور عام نظروں سے مستور ہیں وہ کسی کی نظر کے سامنے آ جائیں ان کو دیکھ لے اور عموماً جب مادیات اور تعلقات سے قلب فارغ ہو تو ایسا ہو جانا کچھ بعید نہیں رہتا۔اس کے لئے مقبول عند اللہ ہونا تو کیا مسلمان ہونا بھی شرط نہیں۔کافر فاسق کو بھی حاصل ہو سکتا ہے بلکہ پاگل و دیوانے کو بھی۔کرامت سے اس کا

کوئی واسطہ نہیں کیونکہ کرامت کے معنی خواوندی اعزاز کے ہیں جوان لوگوں کو حاصل نہیں۔ البتہ یہی انکشاف کسی شخص کو منجانب اللہ بطورِ کرامت کے بھی کرادیا جاتا ہے وہ کشف کرامت بھی ہوتا ہے جیسے عموماً اولیاء اللہ کے کشف ہیں۔ اور جو کشف بطورِ کرامت کے ہوتا ہے اس کی خاص علامت یہ ہے کہ اس کے نفس میں تواضع پستی اور شکستگی اور اپنا عجز محسوس ہوتا ہے جس کشف کے ساتھ یہ علامات نہ ہوں بلکہ عجب اور فخر اپنے نفس میں محسوس ہو وہ کرامت نہیں بلکہ استدراج ہے جس سے پناہ مانگنا چاہیے۔

۱۳ رمضان ۱۳۵۰ھ جمعہ

احساس کا تیز ہونا ایک کمال ہے مگر جب اس سے اذیت ہونے لگے تو مرض ہے

ارشاد فرمایا کہ مجھے تین روز سے نیند نہیں آئی تھی۔ آج رات اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ سحر کے وقت بیٹھا ہوا پڑھ رہا تھا دیوار سے کمر لگائی تو صرف چار پانچ منٹ آنکھ لگ گئی تو تین روز کا تکان رفع ہوگیا۔ یہ اس خاص قسم کی نیند ہے جس کی تعبیر بھی میں نہیں کرسکتا کہ کیا ہے۔

(احقر کو خیال ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر میں جو صحابہ کرام پر تھوڑی دیر کے لئے ایک قسم کی نیند مسلط کی گئی تھی جس سے سب کا تکان دور ہوکر تازہ دم ہوگئے جس کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے **امنة نعاسا یغشی طائفة منکم** ۔ جس کا خاص فضلِ خداوندی ہونا ظاہر ہے اللہ تعالیٰ اگر اپنے دوسرے بندوں کو بھی اس فضل سے نوازیں تو بعید کیا ہے)۔ محمد شفیع

پھر فرمایا کہ میرا اصل مرض حاذق حکماء نے زکاء الحس تشخیص کیا ہے "زکاوت حس" اگرچہ فی نفسہ ایک کمال ہے لیکن جب حد سے بڑھنے لگے تو اس سے اذیت ہونے لگتی ہے اس وقت اطباء اس کو مرض قرار دیتے ہیں اور اس کے لئے ایسی چیزیں تجویز کرتے ہیں کہ جن سے زکاوت کم ہوکر کچھ بلاوت پیدا ہوجائے۔

فرمایا کہ میرا حال یہ ہے کہ اگر بستر ایا اس کی چادر چارپائی کے ایک طرف کم دوسری طرف زیادہ ہوجائے تو جب تک اس کو درست نہ کرلوں نیند نہیں آتی۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے

حالات میں اس طرح کے بہت واقعات ہیں اطباء کی نظر میں وہ بھی امراض ہی کہلاتے ہیں میں اللہ تعالٰی سے دعاء والتجاء کرتا رہتا ہوں کہ یا اللہ آپ نے میرا مزاج ایسا بنادیا ہے تو آخرت میں بھی مجھے بلا حساب جنت میں داخل کر دیجئے اگر چہ اہل جنت کی جوتیوں ہی میں جگہ مل جائے۔

اہل جنت کو کسی حال میں حسرت نہ ہوگی

فرمایا کہ جنت میں نیچے کے درجات والے اپنے سے اوپر درجات والوں کو دیکھ کر حسرت نہ کریں گے بلکہ ہر شخص اپنے حال میں مگن ہوگا۔ احقر نے سوال کیا کہ پھر تفاضل درجات کا کیا فائدہ رہے گا تو فرمایا کہ اس کا اثر عقلاً اور اعتقاداً ہوگا طبعاً نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ مجھے دال ماش اگر اچھی پکی ہوئی ہو تو قورمے سے زیادہ مرغوب ہے اگر چہ عقلاً جانتا ہوں کہ قورمہ افضل ہے۔

بزرگوں کے خطوط میں اشعار لکھنا

ارشاد فرمایا کہ بزرگوں کے خطوط میں اشعار لکھنا ادب کے خلاف ہے۔ مگر جو بے ساختہ نکل جائے اس کا مضائقہ نہیں۔ انہیں دنوں میں جبکہ احقر خانقاہ میں مقیم تھا اپنے خط میں حافظ کا ایک شعر لکھ دیا تھا۔ شعر یہ تھا ۔

شراب لعل و جائے امن و دیار مہربان ساقی   دلا کنے بہ شود کارت اگر اکنون نخواہد شد

ہمارے بزرگ خواجہ عزیز الحسن مجذوب جو مجلس میں حاضر تھے انہوں نے میرے خط کے اس شعر کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان کا یہ شعر تو بڑا برمحل تھا۔ جی چاہتا ہے کہ اس کو ضرور لکھا جاوے۔ حضرتؒ نے تبسم کے ساتھ سکوت فرمایا۔ کچھ سکوت کے بعد اس شعر کے متعلق فرمایا کہ میاں ہمارے بزرگوں کے سامنے تو نخواہد شد کا احتمال ہی نہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ کام کرتا رہے اس خواہد شد اور نخواہد شد کی فکر ہی میں کیوں پڑا رہے۔

فتویٰ نویسی میں مختصر اور مفصل لکھنے پر حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کا ارشاد

فرمایا کہ زمانہ طالبعلمی میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اکثر فتاوٰی جواب لکھنے کے

لئے مجھے دے دیتے تھے۔ایک روز ایک فتویٰ طویل اور مفصّل لکھ کر پیش کیا تو فرمایا کہ معلوم ہوا کہ فرصت بہت ہے۔ہم تو جب جانیں کہ اس وقت اتنا مفصّل لکھو جب سوالات کا انبار تمھارے سامنے ہوگا۔یہ حضرتؒ کی پیش گوئی تھی۔اب جبکہ واقعی ایک انبار سامنے ہوتا ہے تو بعض اوقات جواب صرف ہاں اور نہیں میں لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔پھر فرمایا کہ مجھے فن فقہ اور فن حدیث سے مناسبت پوری نہیں۔تفسیر سے بہ نسبت انکے زیادہ مناسبت ہے اور الحمدلله ثم الحمد لله تصوف سے پوری مناسبت ہے۔

مجدد وقت اور قطب ارشاد کی بعض علامات

حاضر الوقت حضرت مولانا سید مرتضٰی حسن صاحبؒ جو حضرتؒ کے ہمسبق ساتھی بھی تھے مگر حضرتؒ کے کمالات کے پیش نظر معتقدانہ حاضر ہوتے تھے اور بعض مرتبہ پورا رمضان المبارک خانقاہ میں گزارتے تھے اس مجلس میں موجود تھے۔ایک سوال کیا کہ حضرتؒ ہم لوگ آپ کو مجدد وقت سمجھتے ہیں آپ رسم تواضع سے کام نہ لیں بلکہ حقیقت بتلا دیجئے کہ ہمارا یہ خیال صحیح ہے یا نہیں؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں زیادہ تواضع نہیں کیا کرتا (کہ وہ ایک قسم کا تصنع ہو جاتا ہے) اس کا احتمال تو ہے،یقین نہیں۔

پھر فرمایا کہ قطب الارشاد کی علامت یہ ہوتی ہے کہ جو شخص اس کا معتقد نہ ہو بلکہ اعتراض کرتا ہو وہ خاص فیوض و برکات سے محروم رہتا ہے۔مگر حرمان ہوتا ہے خسران نہیں۔یعنی نجات اس پر منحصر نہیں مگر ترقیات باطنی نہیں ہوتیں۔

حفاظت خداوندی

ارشاد فرمایا کہ تحریکاتِ خلافت میں چونکہ میں نے شرکت نہیں کی۔عام لوگ مخالف ہو گئے۔اس زمانہ میں میں نے دیکھا کہ ہمارے بڑے گھر کے سامنے ایک نہ ایک مجذوب پڑا رہتا تھا۔ایک چلا جاتا تو دوسرا آجاتا تھا۔میں سمجھتا تھا کہ یہ انتظام اللہ تعالیٰ نے حفاظت کے لئے فرما دیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام سے کسی طرح معصیت کا صدور نہیں ہوتا

ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام سے حقیقۃً کوئی معصیت صادر نہیں ہوتی ان کے بعض افعال و اقوال کو قرآن کریم میں عصیان وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کرنا محض ان کی صورت کے اعتبار سے ہوا ہے۔ کیونکہ صورۃً وہ افعال معصیت کے ہمرنگ تھے اور حقیقت سب کی طاعت ہی تھی۔ بعض حاضرین مجلس نے بیان کیا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی بھی یہی تحقیق ہے جو رسالہ قاسم العلوم میں شائع ہوئی ہے۔

ایک عالم ایک عارف

حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی جو اکابر علماء میں سے تھے اور تقویٰ میں معروف و مشہور تھے۔ ایک مرتبہ بیمار پڑے تو تکلیف کے وقت کراہنے کے بجائے اللہ اللہ کہتے تھے مفتی صاحب کے ایک بھائی جو عالم بھی تھے عارف بھی انہوں نے دیکھا کہ مفتی صاحب تکلف کر کے آہ آہ کے بجائے اللہ اللہ کا ذکر کر رہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ بھائی صاحب آہ آہ کرو جب آرام ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت نے فرمایا کہ ان کے بھائی صاحب کو غالباً یہ محسوس ہوا کہ اللہ اللہ بتکلف کرنے میں ایک قسم کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ اور بیماری میں حق تعالیٰ انسان کو اس کی پستی اور عاجزی مستحضر کرتا پسند فرماتے ہیں مولانا رومی نے فرمایا ؎

چونکہ برمیخت بہ بندد بستہ باش　　　چون کشاید چابک و برجستہ باش

قدیم و جدید طلباء مدارس اسلامیہ کا فرق

چودھویں صدی ہجری کے پہلے سال یعنی ۱۳۰۱ھ میں حضرتؒ نے دارالعلوم دیو بند میں علوم متداولہ درسیہ سے فراغت حاصل کی۔ اس دارالعلوم میں تقسیم اسناد کا جلسہ ہونا طے پایا اور معلوم ہوا کہ اس جلسہ میں فارغ التحصیل طلباء کو سندیں دی جاویں گی تو دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے طلباء جن حضرتؒ بھی داخل تھے جمع ہو کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے پاس پہنچے اور

عرض کیا کہ حضرت ہمیں کچھ آتا تو ہے نہیں، ہمیں اگر دارالعلوم سے سند دی گئی تو دارالعلوم کی بدنامی ہوگی۔ اس لئے اگر سند ملتوی فرمائی جائے تو بہتر ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کون کہتا ہے کہ تمھیں کچھ نہیں آتا۔ تم اپنے اساتذہ کے سامنے ہو اس لئے ایسا سمجھتے ہو خدا کی قسم تم لوگ جدھر جاؤ گے تم ہی تم ہو گے۔

کرامات و خوارق متاخرین میں زیادہ کیوں ہوئے؟

فرمایا کہ امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے یہ سوال کیا تھا کہ صحابہ کرام سے خوارق عادات بہت کم ہوئے اور متاخرین اولیاء اللہ میں ان کی بہت کثرت ہوئی اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ قرب زمان نبوت کی وجہ سے عہد صحابہ اور قرن اولیٰ میں قلوب کے اندر دین کی صلاحیت قوی موجود تھی اور شواہد متحضر تھے اس لئے ضرورت نہ تھی کہ ان کو عجائب دکھائے جاویں۔ بعد میں جب ایمان میں ضعف بڑھا تو اس کی ضرورت ہوئی۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب جو حاضر مجلس تھے انہوں نے سوال کیا کہ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ آج کل کرامات اور خوارق کا ظہور سب سے زیادہ ہو۔ فرمایا کہ حکمتیں ہر وقت کی مختلف ہوتی ہیں۔ آج کل خوارق کی کمی کی کوئی اور حکمت ہوگی۔

بزرگوں کا تذکرہ دیر تک رہنے کے بعد مجلس ختم ہوئی تو خواجہ عزیز الحسن صاحب نے عرض کیا کہ ان حضرات کے ذکر میں بھی عجیب دلکشی ہے۔ فرمایا کہ دلکشی کیا آگ لگ جاتی ہے۔ میرے تو سارے جسم میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت بھی پسینہ آ رہا تھا۔

ایک اہم ہدایت

فرمایا کہ کام کرنے سے راستہ کھلتا ہے۔ اس انتظار میں نہ رہے کہ پہلے سے راستہ نظر آئے تو آگے قدم رکھے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ بڑی سڑک پر جس کے دو طرفہ درخت لگے ہوں اور سیدھی جا رہی ہو۔ اگر کھڑے ہو کر دیکھو گے تو کچھ دور کے بعد دونوں طرف کے درخت باہم ملے ہوئے نظر آئیں گے۔ لیکن جوں جوں آگے بڑھو گے راستہ کھلتا نظر آئے گا۔

مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ہے کہ:۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف وارمی باید دوید

شعبان و رمضان ۱۳۴۹ھ

ایک سلسلہ کلام میں فرمایا۔

چون تو یوسف نیستی یعقوب باش
ہمچو او در گریہ و آشوب باش

یعنی سالک طریق کو ابن الحال ہونا چاہیے۔ پیش آنے والے حال کی رعایت اس کے لئے اہم ہے۔

صفاتِ الٰہیہ میں لا عین ولا غیر کی تشریح

حضرات متکلمین نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ نہ عین ذات ہیں نہ غیر۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس میں عین سے مراد اصطلاح منطق کا عین ہے یعنی بالکل عین ذات ہونا اور غیر سے مراد غیر عرفی ہے یعنی بیگانہ و بے تعلق۔ تو حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی عین ذات نہیں ہیں مگر بالکل غیر اور بیگانہ و بے تعلق بھی نہیں ہیں۔

آیت معراج کی ایک تحقیق

شب معراج میں ایک سفر تو زمین پر ہوا، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک دوسرا سفر وہاں سے آسمانوں کی طرف ہوا۔ مگر قرآن کی آیت اسری بعبده ليلا میں صرف پہلے زمینی سفر کا ذکر ہے آسمانی سفر کا ذکر نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ آیت میں لیلاً کی قید لگی ہوئی اور دن اور رات صرف اس زمینی تضاد سے متعلق ہیں۔ آسمانوں میں اس طرح کا دن رات نہیں جو آفتاب کے طلوع و غروب سے متعلق ہو تو لفظ اسراء اور لیل کے مقتضی سے صرف زمین سفر کے ذکر پر اکتفاء کیا۔ اور سورۂ نجم میں آسمانی سفر کا ذکر فرمایا۔ عند سدرة المنتهىٰ۔

ایک اہم نصیحت

فرمایا کہ بہت سے لوگوں کو یہ فکر رہتی ہے کہ ہم مرجع خلائق بنیں۔ خوب سمجھ لو کہ مرجع بننا

کوئی کمال نہیں۔ اصل کمال راجع بننے میں ہے یعنی اللہ کی طرف رجوع ہونے والا بنے۔ پھر وہ چاہیں کسی کو مرجع بھی بناویں یا نہ بناویں۔ دونوں میں خیر ہی خیر ہے جو حالت پیش آ جائے اس پر راضی اور شاکر رہنا چاہیے۔

ایک انگریز مؤرخ

نے کہا کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت زیادہ تر صوفیاء اور تاجروں کے ذریعہ ہوئی ہے۔

اجمیر شریف

فرمایا کہ اجمیر شریف کی حاضری احمد آباد جاتے ہوئے بمعیت حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ ہوئی۔ تو معنوی طور پر شاہانہ دربار معلوم ہوتا تھا۔ ہر در و دیوار انوار سے معمور نظر آتے تھے۔

علماء کا باہمی اختلاف رائے

مولانا عبدالحق خیر آبادی اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ کے درمیان چند مسائل میں علمی اختلاف تھا۔ بعض لوگوں نے مولانا عبدالحی صاحبؒ کے سامنے مولانا عبدالحق صاحب کا ذکر برائی سے کیا تو مولانا نے ان کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا ارشاد

حضرت شاہ صاحبؒ نے فیوض الحرمین میں فرمایا ہے کہ چند چیزوں میں میری طبیعت کے خلاف مجھے حضور ﷺ نے مجبور فرمایا۔ ایک یہ کہ مجھے طبعی طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تفضیل مرغوب تھی۔ آپ نے شیخین کو ان پر ترجیح دینے کے لئے مجبور فرمایا۔ دوسرے یہ کہ مجھے تقلید سے طبعاً نفرت تھی آپ نے مذاہب اربع سے خروج کو منع فرمایا۔

مخالف سے انتقام یا صبر میں عارفین کا ضابطہ

ارشاد فرمایا کہ مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے خلیفہ تھے۔ شروع میں کسی نیم مجذوب سے بھی استفادہ کیا تھا ان کا ایک ملفوظ مجھے یاد رہ گیا۔ فرمایا کہ:۔

''اگر کوئی تمھیں ستائے تو تم نہ انتقام لو اور نہ بالکل صبر کرو''۔

مطلب یہ تھا کہ مکمل صبر کرنے سے بعض اوقات ستانے والے پر منجانب اللہ کوئی عذاب آ جاتا ہے اس لئے اس پر نظر شفقت کر کے کچھ معمولی سا عمل انتقامی کر لو۔

حضرت مولانا دیوبندی (شیخ الہندؒ) نے حدیث لدود کی تشریح اسی اصول کی بناء پر فرمائی ہے لدود اس دواء کو کہتے ہیں جو خاص طریقہ سے مریض کے حلق میں ڈالی جاتی ہے۔ واقعہ حدیث کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے۔ صحابہ کرام میں باہم مشورہ ہوا کہ آپ ﷺ کو لدود کیا جائے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے منع فرما دیا۔ بعد میں اتفاقاً آپ ﷺ کو غشی ہو گئی۔ صحابہ کرامؓ نے یہ خیال کیا آپ ﷺ کا منع فرمانا ایک طبعی امر ہے کہ مریض کو دواء سے کراہت ہوا کرتی ہے کوئی واجب التعمیل حکم نہیں ہے۔ اس لئے غشی کی حالت میں لدود کر دیا۔ جب آپ ﷺ کو افاقہ ہوا تو پوچھا کہ کس نے مجھے لدود کیا تھا۔ اور فرمایا کہ جس جس نے لدود میں شرکت کی ہے ان سب کو لدود کیا جائے۔ چنانچہ ایسا کر دیا گیا۔

اس واقعہ میں بظاہر رسول اللہ ﷺ نے مخالفت کرنے والوں سے اپنا انتقام لے لیا ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ کی عام عادت کسی سے اپنے نفس کا انتقام لینے کی نہ تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ اس وقت غالباً انتقام لینا اس مصلحت سے تھا کہ یہ لوگ جن سے یہ مخالفانہ عمل سرزد ہو گیا ہے۔ دنیا یا آخرت کے کسی بڑے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ ایک بزرگ راستہ پر تشریف لے جا رہے تھے۔ کہ ایک مرید ان کے ساتھ تھا۔ ایک کنویں پر گزر ہوا جہاں لوگ پانی بھر رہے تھے ان میں ایک بڑھیا عورت بھی

تھی اس لئے ان بزرگوں کو دیکھ کر کچھ ناشائستہ الفاظ برائی کے کہے۔ان بزرگ نے مرید سے کہا کہ اس کو مارو، مرید حیرت میں رہا کہ یہ بزرگ کسی سے کبھی انتقام نہیں لیتے اور اس وقت ایک عورت کو مارنے کے لئے فرمارہے ہیں شاید ان کی بات کو سمجھا نہیں۔اس میں کچھ توقف ہوا تو یہ بڑھیا وہیں گر کر مر گئی۔ان بزرگ نے مرید سے کہا کہ ظالم تو نے اس کا خون کیا جب اس نے وہ کلمات کہے تو میں نے دیکھا کہ اللہ کا قہر اس کی طرف متوجہ ہوا اس کو قہر سے بچانے کا ایک ہی راستہ تھا کہ میں کچھ انتقام لے لوں اس لئے مارنے کو کہا تھا تم نے تاخیر کر دی جس کی وجہ سے عذاب نے اس کو پکڑ لیا۔

وقت میں برکت

یہ بات بہت مشہور ہے بلکہ شاہد ہے کہ اللہ والوں کے وقت میں برکت بڑی ہوتی ہے وہ تھوڑے سے وقت میں بہت بڑے بڑے کام کر لیتے ہیں امام غزالیؒ کی پوری عمر پر انکی لکھی ہوئی تصانیف کو حساب سے تقسیم کیا جائے تو روزانہ سولہ جزء کی تصنیف بنتی ہے جو کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی اور شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں فرمایا ہے کہ اس کتاب کے تین سو باب ہیں اور ہر باب کے لکھنے پر میں نے شیخ اکبر ابن عربی کی کتاب الفتوحات پوری طرح مطالعہ کی ہے اور یہ پوری کتاب کئی ہزار صفحات کی ہے تو کتاب الیوقیت کی تصنیف میں پوری فتوحات کا مطالعہ تین سو مرتبہ ہوا۔اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب میں نے تمیں دن کے اندر تصنیف کی تو گویا روزانہ فتوحات کا مطالعہ دس دفعہ ہوا جس کے صفحات دو ہزار سے کم نہیں۔اس طرح کے واقعات علماء صلحاء اور بزرگانِ دین کے بہت معروف و مشہور ہیں۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وقت میں اتنی بڑی وسعت کیسے پیدا ہو جاتی ہے جبکہ گھنٹہ ساٹھ منٹ سے کسی کا نہیں بڑھتا اور شب و روز چوبیس گھنٹے سے نہیں بڑھتے۔حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تحقیق اس معاملہ میں یہ ہے کہ وقت کا ایک تو طول ہے۔جس کو سب جانتے ہیں یہ گھنٹے منٹ اس طول کا نام ہیں اسی طرح وقت میں ایک عرض (چوڑائی) بھی ہوتی ہے

جو عام نظروں کو نظر نہیں آتی۔ یہ بزرگ اس وقت کے عرض میں بڑے بڑے کام کر لیتے ہیں۔

بزرگوں کی بے تکلف مہمانی

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے صاحبزادے حکیم معین الدین صاحبؒ نانوتوی کے یہاں ایک روز حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ مہمان ہوئے۔ حکیم صاحبؒ کے گھر میں اس وقت کھانے پکانے کو کچھ فاقہ تھا۔ حکیم صاحب نے مہمان سے صاف عرض کر دیا کہ ہمارے گھر تو آج فاقہ ہے لیکن بہت لوگ آپ کی دعوت کو کہا کرتے ہیں لیکن میں قبول نہیں کرتا آج اگر آپ کی اجازت ہو تو قبول کرلوں؟ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ نہیں آج میں کسی کی دعوت قبول نہیں کروں گا۔ جب آپ کے گھر میں فاقہ ہے تو ہمارا بھی فاقہ ہی ہوگا۔ مگر شام کو کسی نے حکیم صاحبؒ کو دس روپیہ دے دیئے تو حضرت گنگوہیؒ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب تو پیسے آ گئے ذرا تکلف کا کھانا پکاؤں گا۔ دیر لگے گی ذرا انتظار کیجئے۔

حضرت گنگوہیؒ

فرمایا کہ میں نے خواب میں ایک بزرگ سے پوچھا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کس مقام پر ہیں تو فرمایا کہ ”قطب الارشاد“ ہیں اور فرمایا کہ بعض لوگوں نے مجھ سے میرے ہی بارہ میں پوچھا کہ آپؒ قطب الارشاد ہیں تو میں نے عرض کیا کہ وجود وعدم دونوں کا احتمال ہے اور فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اپنی تحریرات کے خاتمہ پر لکھا کرتے تھے دعا گوئی عالم۔ یہ اشارہ قطبیت کی طرف ہے کیونکہ قطب عالم ساری مخلوق کا خیر خواہ ہوتا ہے۔

ایک اہم نصیحت

فرمایا کہ دینداری کا سارا مدار کسی بزرگ کے اعتقاد اور انقیاد پر ہے مگر جس کا معتقد ہو اس میں بڑی احتیاط اور تنقید و تحقیق کی ضرورت ہے ورنہ پھر بھی راستہ گمراہی کا ہو جاتا ہے۔

لوگوں کوتشویش سے بچانے کا اہتمام

ارشاد فرمایا کہ میں سفر میں اپنا سامان خود نہ اُٹھاتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ساتھیوں کو اس میں تکلیف ہوتی وہ دوڑتے اور تشویش میں پڑتے۔ میں جب کبھی صبح کو سویرے خانقاہ میں آجاتا ہوں تو جو شخص رات کو سردی میں حفاظت کے لئے سوتا ہے اس کو خود نہیں جگاتا جب تک کہ وہ خود اپنے وقت پر اطمینان کے ساتھ نہ اٹھ جاتا اس وقت تک باہر مسجد میں بیٹھتا رہتا۔

ارشاد

فرمایا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں سے ایک جنت میں جائے گا بہتر دوزخ میں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ بہتر فرقے مخلد فی النار ہوں گے اور فرقہ ناجیہ کے لئے بھی لازم نہیں کہ وہ دوزخ سے بالکل بری ہو۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ بہتر فرقوں کو عقائد واعمال دونوں پر عذاب ہوگا۔ اور فرقہ ناجیہ کو حفظِ اعمال پر۔ خلود نار دونوں کے لئے نہیں۔

علوم مکاشفہ کی تحقیق سے مخالفت

ارشاد فرمایا کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ علوم مکاشفہ کی تحقیق وتقریر کے درپے ہرگز نہ ہونا چاہیے کیونکہ بڑے خطرہ کی چیز ہے۔ ریل میں سب سوار ہوتے ہیں مگر انجن کے کل پرزوں کی تحقیق میں کوئی مسافر نہیں لگتا۔

بزرگوں کے ملفوظات یاد کرنے سے زیادہ اپنے اندر استعداد پیدا کرنے کی فکر چاہیے

ایک بزرگ نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ کبھی ملفوظات کے یاد کرنے کی فکر میں نہ پڑنا۔ بلکہ اس کی کوشش کرو کہ تمھاری زبان سے بھی ایسے ہی ملفوظات نکلنے لگیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ملفوظات یاد کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ناتمام کنواں کھودا جائے اور پھر مختلف کنوؤں سے پانی لاکر اس میں جمع کیا جائے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ اسی کنویں کو اور کھود کر پانی کی سطح تک پہنچادو

کہ خود بخود اس میں سے پانی نکلنے لگے۔ اس لئے کسی خاص ملفوظ کی تحقیق میں نہ پڑنا چاہیے۔ ہاں بے ساختہ جو زبان پر آ جائے اس کو محفوظ کر لینا اچھا ہے۔

ایک دیوانے کی ہوشیاری

کسی نے ایک مجذوب دیوانے سے پوچھا کہ عقل کیا چیز ہے تو بتلایا کہ جو خدا کو پاوے پھر پوچھا کہ خدا کیا ہے تو کہا کہ جو عقل میں نہ آوے۔

ربط حادث بالقدیم اور مسئلہ وحدۃ الوجود

ارشاد فرمایا کہ ربط حادث بالقدیم کا مسئلہ متکلمین اور فلاسفہ بھی کے نزدیک ایک سخت کٹھن مسئلہ ہے۔ اس کی پوری حقیقت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کی اصل وجہ یہ کہ ربط ایک نسبت ہے اور کسی نسبت کا ادراک اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک اس کے طرفین یعنی منتسبین کا ادراک نہ ہو۔ اور یہاں طرفین ایک طرف تو حادث ہے جس کا ادراک انسان کے لئے مشکل مگر دوسری طرف قدیم اور ذات واجب الوجود ہے جس کی حقیقت کا ادراک انسان کے لئے ممکن نہیں۔

مسئلہ وحدۃ الوجود بھی اسی ربط حادث بالقدیم کا ایک طریق ہے منجملہ ان پانچ طریقوں کے جو حکماء میں معروف و مشہور ہیں۔ درحقیقت وحدۃ الوجود کوئی تصوف کا مسئلہ ہی نہیں بلکہ مسئلہ کلامیہ ہے۔ صوفیائے کرام نے ذوقاً اس صورت کو ترجیح دے کر اس سے کام لیا ہے۔

ایک لطیفہ

خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ نے عرض کیا کہ میرے پاس یادگار غالب رکھی ہے اگر آپ کبھی کبھی دیکھیں تو آپ کے پاس رکھ دوں تو فرمایا کہ یہاں مغلوبوں کا ہی کلام دیکھنے سے فرصت نہیں غالب کا کلام کہاں دیکھیں۔

بزرگوں کا مقولہ

اور بعض نے اس کو حدیث بھی کہا ہے یہ ہے کہ تین شخصوں پر رحم کھاؤ۔ ایک وہ جو کسی قوم

میں عزت رکھتا تھا پھر ذلیل ہو گیا۔ دوسرے وہ جو مالدار تھا پھر فقیر و محتاج ہو گیا۔ تیسرے وہ عالم جو جاہلوں کا کھلونہ بن جائے۔

مسلک معتدل

ارشاد فرمایا محققین کا مسلک یہ ہے کہ اپنے نفس کے عمل میں تنگی برتے۔ اولیٰ اور اعلیٰ کو عمل کے لئے اختیار کرے مگر رائے اور فتویٰ میں وسعت رکھے کہ لوگوں کے لئے مقدور بھر آسانی تلاش کرے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے **ما کرھت فدعه ولا تحرمه علی احد** یعنی جو مشتبہ چیز تمہیں ناپسند ہو تو اپنے عمل میں اس کو چھوڑ دو مگر دوسروں کے لئے اس کو حرام نہ قرار دو۔

قیامِ میلاد

کانپور میں ایک مقام پر حضرتؒ نے سیر طیبہ کا بیان کیا جس میں کوئی رسمی بدعت وغیرہ بالکل نہ تھی۔ ختم وعظ پر بعض شریر لوگوں نے یہ حرکت کی کہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر درود سلام شروع کر دیا اور لوگوں ں کو بھی کھڑا ہونے کو کہا۔ سب لوگ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ اپنے بعض علماء بھی۔ مگر حضرتؒ بیٹھے رہے۔ ایک طالبعلم نے عربی میں کہا کہ حضرت اس موقع پر یہ مناسب نہیں مگر حضرتؒ نے جہراً فرمایا **لاطاعة لمخلوق فی معصیت الخالق** یعنی خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

پھر فرمایا کہ مضبوطی کی بات یہی ہے کہ آدمی کسی ایسی مجلس میں پھنس جائے تو خود ایسے افعال میں شریک نہ ہو مگر ضعفاء کو شرکت کی بھی اجازت ہے۔ (۲۵ شعبان ۱۳۴۹ھ)

اولیاء اللہ کی اہانت دین و دنیا کا خطرہ ہے

ایک صاحب کو حضرتؒ نے کوئی بات ان کی طبیعت کے خلاف کہی تھی۔ تھانہ بھون سے واپس جا کر خط میں لکھا کہ آپ نے میری سخت اہانت کی ہے اگر علم کا ادب مانع نہ ہوتا تو میں اس کا انتقام لیتا۔

اس کے بعد پھر اس کا دوسرا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ جس روز سے میں نے وہ کلمات آپ کو لکھے ہیں اسی روز سے میری بینائی گھٹنی شروع ہوگئی اور روز گھٹتی جارہی ہے خوف ہے کہ اندھا نہ ہو جاؤں۔ خدا کے لئے معاف فرمادیں۔

حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ تمھارا پہلا خیال کہ میں نے تمھاری اہانت کی یہ بھی محض وہم تھا اور یہ دوسرا خیال کہ مجھے ایسا لکھنے کی وجہ سے بینائی گھٹی۔ یہ بھی وہم ہے مگر میں نے بہر حال معاف کر دیا اور تمھارے لئے دعا کرتا ہوں۔

تعویز گنڈا خلقِ خدا کو نفع پہنچانے کے لئے اچھا ہے

فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ بعض مرتبہ تو اس پر افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے تعویز گنڈے کیوں نہ سیکھ لئے کہ لوگوں کو نفع ہوتا۔

اخلاص عمل

فرنگی محل لکھنؤ کے بعض علماء نے بہشتی زیور پر شدید نکتہ چینی کی اور حضرتؒ کے خلاف بہت سے سخت کلمات کہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں حضرت کی کچھ عقیدت پیدا فرمادی۔ تو تھانہ بھون حاضر ہونے کی اجازت خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ کے ذریعے طلب کی حضرتؒ نے اجازت دے دی۔ مگر خواجہ صاحبؒ سے فرمایا کہ یہ حضرات آئے ہیں تو ان کی تعظیم وتکریم اور خاطر تواضع مہمانداری اچھی طرح کروں گا مگر بات چیت ان سے زیادہ نہ کروں گا کیونکہ اگر یہ کروں تو نیت بہت خراب ہوگی یعنی اپنے کمالات کا اظہار۔ افادہ کی نیت ہونا اسلئے مشکل ہے کہ انکی طرف سے استفادہ کے لئے تیار ہونے کی توقع نہیں۔

ارشاد

فرمایا کہ غیر مقلدی بے عقلی کی دلیل ہے بے دینی کی نہیں۔ ہاں جو آئمہ مجتہدین پر تبرا کرے تو بے دینی بھی ہے۔ اور فرمایا کہ میں نے ایک غیر مقلد کو بیعت کیا تھا اور اس کو یہ وصیت کی

تھی کہ میلاد فاتحہ پڑھنے والوں کو عموماً کبھی برانہ کہنا کیونکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی نیت بھی نیک ہے اور عقیدہ بھی صرف ایک مسئلہ فقہیہ میں اختلاف ہے اور وہ مسئلہ حنفیہ و شافعیہ میں بھی زیر اختلاف ہے وہ یہ کہ جس مستحب اور نیک کام میں بعض منکرات و بدعات شامل ہو جائیں تو اس کے متعلق حنفیہ کا مسلک تو یہ ہے کہ سرے سے اس مستحب ہی کو ترک کر دیا جائے جس میں عادۃً منکرات شامل ہو جاتے ہیں اور حضرات شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ اس عمل مستحب کو ترک نہ کیا جائے البتہ منکرات و بدعات کو اس سے خارج کیا جائے۔

اپنے نفس کا محاسبہ

ارشاد فرمایا کہ میرے مزاج میں ایک شدت ہے اور گو اس کی کچھ تاویل میں بھی اور میرے احباب بھی کر لیتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک کمی ہے۔

نام کا اثر انسان پر

فرمایا کہ کانپور میں ایک صاحب تھے جن کا نام کلیم اللہ تھا اکثر بیمار رہتے تھے۔ مجھ سے کہا گیا تو میں نے کہا کہ اپنا نام بدل دو۔ کلیم اللہ کے بجائے سلیم اللہ نام رکھ لو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ نام بدلتے ہی وہ اچھے ہو گئے۔

نسبت ولایت

صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ایک خاص کیفیت کے پیدا ہو جانے کو حصول نسبت سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ علامت ولی ہونے کی ہوتی ہے اور اس کیفیت کا خلاصہ حضرتؒ نے دوام طاعت اور کثرت ذکر کے دو لفظوں میں بیان فرمایا ہے یعنی صاحب نسبت وہ شخص ہوتا ہے جو ہمیشہ احکام شرعیہ کا پابند ہو۔ ہر گناہ سے اجتناب کرتا ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو۔ اس نسبت کا حاصل کرنا امر اختیاری ہے۔ یا محض وہبی غیر اختیاری ہے اس میں تردد تھا حضرتؒ سے احقر نے سوال کیا تو فرمایا۔

''کہ حصول نسبت اصل سے تو وہبی اور غیر اختیاری ہے مگر کسبی اور اختیاری اعمال پر مرتب اور موعود الترتب ہے یعنی خاص خاص اعمال کے کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ نسبت کو مرتب فرما دیتے ہیں۔

مدارس عربیہ اوران کے طلباء کے لئے خاص نصیحت

ارشاد فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں طلباء پر اپنے اساتذہ کے سوا کسی کا رنگ واثر نہ جمتا تھا طلبا کو اپنے اساتذہ سے خاص عقیدت ومحبت اور اساتذہ کو ان پر خاص شفقت ہوتی تھی۔ اب مزاج و مذاق بدل گئے۔ طلباء واساتذہ میں وہ تعلق قائم نہیں رہا اس لئے عملی ذوق اور علمی رنگ بھی ان میں پیدا نہیں ہوتا اور کسی رنگ میں بھی پختہ نہیں ہوتے۔ علمی استعداد اور عملی تربیت بھی کمزور ہو گئیں۔ اس لئے مدارس میں طلباء کی عملی تربیت اور اساتذہ کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا اور ایسے طریقے اختیار کرنا بہت ضروری ہیں کہ طلباء واساتذہ میں باہم ربط ومناسبت پیدا ہو اور استعداد کی کمی پوری کرنے کے لئے فرمایا کہ میرے نزدیک اس وقت بہت ضروری ہے کہ ہمارے مدارس میں تفسیر جلالین سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ التزام سے پڑھایا جائے۔ فرمایا کہ **الحمدللہ** مجھے یوں تو اپنے سبھی اساتذہ سے محبت وعقیدت تھی۔ خصوصیت سے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے قلب میں خاص محبت تھی اس زمانے میں حضرت گنگوہیؒ کے یہاں گنگوہ میں دورۂ حدیث ہوتا اور صحاح ستہ کا درس خود حضرت گنگوہیؒ دیتے تھے۔ دیوبند کے اکثر طلباء دورۂ حدیث سے پہلے کی کتابیں دیوبند میں پڑھ کر دورۂ حدیث کے لئے گنگوہ چلے جاتے تھے۔ دیوبند میں کم رہ جاتے تھے۔ مجھے چونکہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے گہری محبت تھی مجھے بے وفائی معلوم ہوئی کہ میں دورۂ حدیث کے لئے ان کو چھوڑ کر کہیں جاؤں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے حدیث میں بھی مجھے اپنے دوسرے ساتھیوں سے کم نہیں رکھا۔

حیٰوۃ المسلمین کی خصوصیت

ارشاد فرمایا کہ درحقیقت یہ تو ایک سیاسی رسالہ ہے۔ مسلمانوں کی قومی ترقی اور ہر طرح کی

فلاح اس کا اثر ہے مگر مذہبی رنگ میں لکھا گیا ہے اگر مسلمان اس کا اتباع کر لیں تو مسلمانوں کو اجتماعی قوت و عزت وہ حاصل ہو جائے جو کسی سیاسی تحریک سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور فرمایا کہ ہمارا کام اتنا ہے کہ حق کی اشاعت کر دیں پھر گروہ بنانا اور درپے ہونا نفس کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتا ۔

جملہ اوراقِ کتب درنار کن　　سینہ با نورِ حق گلزار کن

مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ

کتاب دیکھ کر وعظ فرمایا کرتے تھے مگر مجمع پر اثر حیرت انگیز ہوتا تھا۔ لوگوں نے اس اثر کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جب میں کوئی بات کہتا ہوں تو میری دلی تمنا یہ ہوتی ہے کہ سب کے سب اس کے مطابق کام کرنے لگیں یہ بالکل صحیح ہے

ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد

وعظ و نصیحت کے مؤثر ہونے میں واعظ و ناصح کا خیر خواہ اور دل سے طالب اصلاح ہونا سب سے زیادہ اہم شرط ہے۔

مال اور جاہ کے صحیح منافع

ارشاد فرمایا کہ جاہ کا اصل فائدہ دفع مضرت ہے اور مال کا اصلی فائدہ جلب منفعت یعنی مال خرچ کر کے آدمی اپنی ضروریات پوری کر کے نفع حاصل کرے۔ مگر جاہ سے جلب منفعت کا کام لیا گیا تو اس کا حلال ہونا مشکوک ہے کیونکہ بعض اوقات کوئی آدمی دوسرے کے جاہ جلال سے مرعوب ہو کر کچھ دے دیتا ہے مگر دل اس پر مطمئن نہیں ہوتا۔ اسی صورت میں اس جاہ سے حاصل شدہ منفعت حرام ہے۔ مال و جاہ کے معاملہ میں استاذ مرحوم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے دو شعر ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہیں ۔

آفرین تجھ پہ ہمت کوتاہ　　طالب مال ہوں نہ طالب جاہ

مال اتنا کہ جس سے ہو خورونوش　　جاہ اتنا کہ ہوں نہ میں پامال

اکبر شاہ

اکبر شاہ کی غلط کاریاں غلط عقیدے اور عمل بہت معروف ہیں مگر میں نے کسی تاریخ میں دیکھا ہے کہ اس نے مرنے سے پہلے علماء کو جمع کر کے سب کے سامنے توبہ کی ہے اس لئے ان کو بھی حقیر نہ سمجھیں بلکہ۔

پیچ کا فر را بخو اری منگر ید

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایک ہندو بنیئے کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا کہ جنت میں ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے۔ اس نے کہا کہ میں نے مرنے سے پہلے کلمہ اسلام پڑھ لیا تھا وہ مقبول ہو گیا۔

سر سید بانی علی گڑھ کی نظر میں علماء دیو بند

سر سید کے متعلق فرمایا کہ اس شخص میں مسلمانوں کی قومی ترقی کا جذبہ اور محبت مخلصانہ تھی اپنے مخالفین تک کو بھی نفع پہنچانے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ میں نے انکے اخبار تہذیب الاخلاق میں چھپا ہوا دیکھا ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دارالعلوم دیو بند کے متعلق لکھا تھا کہ یہ لوگ فرشتہ خصلت ہیں اور حضرت گنگوہیؒ کی بھی تعریف کرتے تھے۔ ایک بزرگ عالم ایک مرتبہ علی گڑھ کالج میں گئے لوگوں نے کالج دکھلایا اور سر سید سے بھی ملاقات کرائی۔ وہ فرماتے تھے کہ جب تک میں بیٹھا رہا بزرگوں کا تذکرہ کرتے رہے۔ اسی سلسلہ میں شاہ اسحٰق صاحبؒ کا ذکر کرنے لگے کہ لوگ ان کو شدید اور سخت سمجھتے ہیں حالانکہ وہ صرف اپنے نفس پر سخت تھے دوسرے لوگوں کے لئے بہت نرم تھے اور میں نے سنا ہے کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی صاحبؒ بھی ایسے ہی ہیں۔

بچوں کی ذہانت، ایک خاص مثال

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک حکایت سنائی تھی کہ ایک ریاست

کے ہندو راجہ کا انتقال ہوگیا اس کی اولاد میں ایک نابالغ بچہ تھا جو اس کا جانشین ہونا چاہیے تھا۔ مرنے والے کے بھائی کو طمع ہوئی کہ ریاست مجھے ملنا چاہیے بچہ اس کو نہیں چلا سکتا۔ وزراء ریاست کی خواہش تھی کہ یہ بچہ ہی اپنے باپ کی ریاست کا وارث بنے۔ معاملہ بادشاہ وقت عالمگیر کی خدمت میں پیش ہونا تھا۔ وزراء اس بچہ کو لے کر دہلی پہنچے اور تمام راستہ بچے کو محتمل سوالات کے جوابات سکھاتے رہے کہ بادشاہ تم سے یہ سوال کریں تو یوں کہنا۔ جب وہ سب اپنی تعلیم ختم کر چکے اور دہلی پہنچے تو بچے نے وزراء سے کہا کہ یہ سوالات و جوابات تو آپ نے مجھے بتلا دیئے اور میں نے یاد کر لئے لیکن اگر بادشاہ نے ان کے علاوہ کوئی اور سوال کر لیا تو کیا ہوگا؟ وزراء نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ اتنے عقلمند ہیں ورنہ راستہ میں ہم آپ سے کچھ بھی نہ کہتے۔ بس اب ہمیں فکر نہیں جس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے اس کو جواب بھی اللہ ہی سکھلائے گا۔ پھر ہوا یہ کہ جب یہ بادشاہی دربار میں پہنچے تو دربار برخواست ہو چکا تھا۔ عالمگیرؒ اپنے زنانہ مکان میں چلے گئے تھے۔ اس بچہ کے آنے کی اطلاع ملی تو اس کو اندر مکان میں ہی بلا لیا۔ اس وقت عالمگیرؒ گھر میں ایک حوض کے کنارے تہبند باندھے ہوئے نہانے کے لئے تیار تھے۔ یہ بچہ حاضر ہوا تو ہنسی کے طور پر عالمگیرؒ نے بچے کے دونوں بازو پکڑ کر حوض کی طرف اٹھایا اور کہا کہ ڈال دوں۔ بچہ یہ سن کر ہنس پڑا۔ بادشاہ نے اس کو نظر تادیب سے دیکھا تو بچہ بولا کہ مجھے ہنسی اس پر آگئی کہ آپ کی ذات تو ایسی ہے کہ جس کی ایک انگلی پکڑ لیں اسکو کوئی دریا غرق نہیں کر سکتا میرے تو دونوں بازو آپ نے تھامے ہوئے ہیں میں کیسے ڈوب سکتا ہوں۔ عالمگیرؒ نے اس کو گود میں اٹھا لیا اور ریاست اس کے نام لکھدی۔

غیر مسلم کا اکرام بقدرِ ضرورت

ایک ہندو ڈپٹی کلکٹر نے حضرتؒ سے ملاقات کے لئے مجلس میں آنے کی خواہش کی۔ حضرتؒ نے اجازت دے دی اور جب وہ آئے تو خود تعظیم کیلئے کھڑے ہوگئے مگر اہل مجلس کو حکم دیا کہ وہ سب بیٹھیں رہیں۔ جب وہ چلے گئے تو فرمایا کہ میں تو اسلئے کھڑا ہوا کہ وہ میرے مہمان تھے

مہمان کا اکرام مأمور بہ ہے آپ حضرات کو کھڑے ہونے سے اس لئے منع کیا کہ آپ کی تعظیم بے ضرورت تھی۔ اس طرح اکرام مہمان کا حق بھی ادا ہو گیا اور کسی غیر مسلم کی تعظیم بے ضرورت بھی نہ ہوئی۔

عوام کا دین وایمان علماء سے رابطہ اور اعتقاد پر موقوف ہے

ارشاد فرمایا کہ جب کوئی عامی آدمی علماء پر اعتراض کرتا ہے تو اگر وہ اعتراض صحیح بھی ہو جب بھی یہ جی چاہتا ہے کہ علماء کی نصرت کروں۔ جو بظاہر عصبیت ہے مگر میری نیت درحقیقت یہ ہوتی ہے کہ عوام علماء سے غیر معتقد نہ ہوں ورنہ ان کے دین ایمان کا کہیں ٹھکانا نہیں۔

غیر مسلم حکام کے ساتھ تعلقات

کے متعلق فرمایا کہ ان کی محبت اور دوستی فتنہ باطنہ ہے اور ان کی ناراضی فتنہ ظاہرہ اور ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں فتنوں سے اللہ کی پناہ لینا سکھایا ہے حدیث میں ہے **اللھم انی اعوذبک من الفتن ماظھر منھا ومابطن.**

غیر محرم عورتوں کی طرف نظر

کے متعلق فرمایا کہ یہ اگر چہ اپنی ذات سے ایک صغیرہ گناہ ہے مگر اثرات ونتائج کے اعتبار سے بعض کبائر سے بھی زیادہ سخت ہے اور فرمایا کہ عورتوں کو غیر محرموں سے پردہ نہ رکھنا ایسا عقلی اور بدیہی مسئلہ ہے کہ اگر قرآن وحدیث میں ایک بھی حکم اس کے لئے نہ آتا جب بھی انسانی عقل اور غیرت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ عورتوں کو پردہ میں رکھا جائے۔ آپ کسی شخص کو نہیں دیکھتے کہ وہ سو سو روپیہ کے نوٹ ریل کے تختہ پر ڈال دیتا ہو۔ انکو چھپا کر جیب کے اندر رکھنے کا اہتمام ایک فطری امر سمجھا جاتا ہے کیونکہ باہر نکالنے اور ڈالنے میں اوباش لوگوں کے اُچک لینے کا خطرہ ہوتا ہے تو کیا عورت کی قیمت سو روپیہ کے نوٹ کے برابر بھی نہیں کہ اس کو اوباش نظروں سے چھپایا جائے۔

خطوط میں لکھے ہوئے سلام کا جواب بھی واجب ہے

خطوط میں جو سلام کسی کی طرف سے لکھا ہوا آتا ہے اسکا جواب دینا بھی واجب ہے خواہ زبان سے یا قلم سے یا دونوں سے۔ یہی حال زبانی سلام کا ہے کہ اسکا نفس جواب واجب ہے اور سنانا مستحب ہے (اس میں غور کیا جائے اگر سلام کرنے والے نے جواب نہ سنا تو جواب نہیں ہوا۔ سنانا ضروری ہے البتہ اگر دور ہو کہ سنانے میں مشقت ہے تو زبان سے جواب دے کر اشارہ منہ سے کردے کہ وہ سمجھ جائے کہ جواب دیا ہے)۔

لفظ صلعم سے درود و سلام کا اختصار ادب کے خلاف ہے

فرمایا کہ حضور ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف پڑھنا واجب ہے اگر کسی نے صرف لفظ صلعم قلم سے لکھد یا زبان سے درود سلام نہیں پڑھا تو میرا گمان یہ ہے کہ واجب ادا نہیں ہوگا۔

مجلس میں چند علماء بھی تھے انہوں نے اس سے اختلاف کیا اور عرض کیا کہ آج کل لفظ صلعم پورے درود پر دلالت تامہ کرنے لگا ہے اس لئے کافی معلوم ہوتا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میرا اس میں شرح صدر نہیں ہوا۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ حضور ﷺ جیسے محسن خلق کے معاملہ میں اختصار کی کوشش اور کاوش ہی کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر آپ ﷺ ہمارے معاملہ میں اختصارات سے کام لینے لگیں تو ہم کہاں جائیں۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ جہاں تک ضرورت کا تعلق ہے سب سے زیادہ ضرورت اختصار کی حضرات محدثین کو تھی جن کی ہر سطر میں تقریباً حضور ﷺ کا نام مبارک آتا ہے مگر آپ آئمہ حدیث کی کتابوں کا مشاہدہ فرمالیں کہ انہوں نے ہر ہر جگہ نام مبارک کے ساتھ پورا درود وسلام لکھا ہے اختصار کرنا پسند نہیں کیا۔

ایک سید صاحب کی حکایت

ایک مولوی صاحب کے پاس آئے اور اپنے آپ کو سید ظاہر کر کے کچھ سوال کیا مولوی صاحب نے کہا کہ آپ کے سید ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اس نے کہا کہ دلیل تو میرے پاس بجز اپنے بیان کے نہیں۔ مولوی صاحب نے ان کو کچھ نہ دیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ میدان حشر قائم ہے پیاس شدید ہے اور حوض کوثر پر رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو پانی پلا رہے ہیں۔ یہ مولوی صاحب بھی حاضر ہوئے کہ میں بھی آپ ﷺ کا امتی ہوں مجھے بھی حوض کوثر کا پانی عطا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمھارے امتی ہونے کی کیا دلیل ہے اس وقت ان کو اپنے کئے پر پشیمانی ہوئی۔

موئے مبارک

دنیا میں بہت سے مقامات میں آنحضرت ﷺ کے موئ مبارک موجود ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اسکی زیارت کرائی جاتی ہے اور عام طور سے کسی کے پاس اسکی سند نہیں ہوتی کہ یہ حضور ﷺ ہی کا موئ مبارک ہے۔ ایسی حالت میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا کہ اتنی بات تو صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کے وضوء کا گرا ہوا پانی اور آپکے کٹے ہوئے موئے مبارک کو ضائع نہ ہونے دیتے تھے بلکہ اکرام و تعظیم کیساتھ بطور تبرک رکھتے تھے اور موئے مبارک کا صحابہ کرام میں تقسیم ہونا بھی ثابت ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بالوں کی تعداد بہت بڑی ہوتی ہے اسلئے کثرت سے دنیا میں موجود ہونا مستبعد نہیں۔ اور ایسے معاملات میں کسی سند صحیح سے ثابت ہونا ضروری نہیں کہ معاملہ احکام کا نہیں۔ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں اسکے مصنوعی ہونے پر کوئی دلیل نہ ہو اسکا اکرام ہی کرنا چاہیے۔ حضرت شاہ صاحب نے اسکے متعلق یہ شعر پڑھا۔

مرا از زلف تو موئ پسند است ۔۔۔ ہوس را راہ مدہ بوئے پسند است

علمائے حق کا اپنے مخالفین کے ساتھ معاملہ

ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص میری کسی کتاب کا ردّ لکھتا ہے تو جب وہ میرے پاس آتا ہے تو اول نظر میں میرا خیال یہی ہوتا ہے کہ مجھے کوئی غلطی ہوگئی ہے۔ اس کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں کہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی تا کہ اس سے رجوع کر کے تصحیح کروں۔ اسکا جواب دینے کی نیت سے نہیں دیکھتا۔

مولانا محمد حسین بٹالوی اہل حدیث کی انصاف پسندی

مولانا موصوف غیر مقلد تھے مگر منصف مزاج۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے خود انکے رسالہ ''اشاعۃ السنہ'' میں انکا یہ مضمون دیکھا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

''پچیس سال کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ ہے''

حضرت گنگوہیؒ نے اس قول کو سبیل السداد میں نقل کیا ہے۔

ایک حدیث کی تشریح

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **لا یقص الا امیر او مامور او مختال** ۔یعنی وعظ کہنا تین آدمیوں کا کام ہوسکتا ہے۔ایک وہ شخص جو مسلمانوں کا امیر ہو وہ مسلمانوں کو وعظ سنائے۔ دوسرا وہ جسکو امیر نے وعظ کہنے پر مامور کیا ہو۔ اگر یہ دونوں نہیں تو پھر وہ متکبر ہے جو اپنے کو دوسروں سے بڑا سمجھ کر وعظ گوئی کے لئے کھڑا ہوگیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں کوئی امیر و مامور تو ہے نہیں اور سب کو مختال و متکبر بھی نہیں کہا جاسکتا اسلئے میرا خیال یہ ہے کہ جن علماء سے عوام وعظ کو کہتے ہیں وہ منجانب عوام مامور میں داخل ہیں۔ کیونکہ درحقیقت امیر بھی تو عوام ہی کا مامور ہوتا ہے۔

جماعت میں صفونکی درستی کا اہتمام

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ امامت کے وقت تسویہ صفوف کا انتظار فرماتے تھے نماز

اس وقت شروع کرتے جب معلوم ہو جائے کہ صفیں درست ہو چکی ہیں۔

علم کلام کے تمام مباحث بدرجہ ضرورت ہیں اصل دین نہیں

ارشاد فرمایا کہ علم کلام کے بیشتر مسائل بدرجہ منع یعنی طلب دلیل کے ہیں مسائل یا قاعدہ شرعیہ نہیں مثلاً متکلمین جو ترکیب اجسام میں جزءلا یتجزی کے قائل ہیں وہ اس کے مدعی نہیں بلکہ مانع ہیں۔یعنی یہ کہتے ہیں کہ اسکی کیا دلیل ہے کہ جسم کا اجزاءلا یتجزی سے مرکب ماننا محال ہے۔ حضرت شیخ ابوالحسن اشعریؒ جو علم کلام کے امام ہیں خود انکی تصریح سے یہ بات ظاہر ہے غالباً شرح عقائد کے حواشی میں یہ حکایت منقول ہے کہ ایک شخص حضرت ابوالحسن اشعریؒ کی شہرت سنکر انکی زیارت کے لئے چلا۔اتفاق سے راستہ میں ان سے ملاقات ہوگئی وہ اس وقت ایک مناظرہ کے لئے شاہی دربار میں جارہے تھے۔اس شخص نے انہیں سے پوچھا کہ شیخ اشعری کہاں ملیں گے انہوں نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ چلو ہم تمھیں ان سے ملادیں گے۔

شاہی دربار میں پہنچ کر مناظرہ شروع ہوا تو جب سب کی تقریریں ختم ہوچکیں اسوقت حضرت اشعریؒ اٹھے اور ایسے عجیب انداز سے ہر تقریر پر کلام اور شبہات کا جواب دیا کہ سب ساکت ہو گئے۔مجلس برخاست ہونے کے وقت اس شخص کو اندازہ ہوگیا کہ یہی ابوالحسن اشعریؒ ہیں تو ان سے عرض کیا کہ آپ نے خوانخواہ اتنی دیر بحثیں ہونے دیں اگر آپ اول ہی یہ تقریر کردیتے تو کسی کے بولنے کی مجال ہی نہ رہتی۔اس پر حضرت اشعریؒ نے فرمایا کہ جب تک اہل الحاد کی طرف سے شبہات بیان نہیں کئے گئے تو میری اس تقریر کی ضرورت نہ تھی اس وقت میری ایسی گفتگو طریق سلف کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت ہوتی۔مگر جب ملحدین کے اعتراضات و شبہات سامنے آگئے تو جواب دینا واجب ہوگیا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ بس علم کلام کا یہی درجہ ہے کہ جب اور جہاں اسلام کے خلاف اہل کفر والحاد کی طرف سے شبہات وشکوک پیش کئے جاویں تو اسکا جواب دینا واجب ہے ورنہ ان سے سکوت ہی اسلم ہے جیسا کہ سلف صالحین وتابعین کا طریق تھا۔

اکابر دیو بند کا مسائل اجتہادیہ میں توسّع

حضرتؒ نے فرمایا کہ جب میں کانپور میں حدیث پڑھاتا تھا تو میرے دل میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی ترجیح قائم ہوگئی چنانچہ اس پر عمل بھی شروع کر دیا۔ مگر اپنے کسی عیب وصواب کو اپنے بزرگوں سے چھپانا مجھے کبھی پسند نہیں تھا اس لئے یہ واقعہ خط میں حضرت گنگوہیؒ کو لکھ کر بھیج دیا۔ اس کے جواب میں حضرتؒ نے مجھے کچھ نہیں فرمایا۔ مگر چند روز ہی گزرے تھے کہ پھر خود بخود دل میں ترک فاتحہ خلف الامام کی ترجیح قائم ہوگئی اور اسکے مطابق عمل کرنے لگا۔ اس کی بھی اطلاع حضرت گنگوہیؒ کو کر دی آپ نے اس پر بھی کچھ نہیں فرمایا۔

بعض اوقات بعض لوگوں نے حضرت مولانا سے میری شکایت کی تو مولانا نے میری حمایت فرمائی جسکا مبنی یہ تھا کہ حضرت کو یہ معلوم تھا کہ یہ جو کچھ کرتے ہیں نیک نیتی سے کرتے ہیں۔

مولانا عبدالحق خیر آبادی کی ایک حکایت

ایک گاؤں والے خان صاحب مولانا کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ زمانہ کھیتی کے کاروبار کا تھا۔ مولانا نے پوچھا کہ ایسے وقت میں آپ کہاں آگئے؟ کہنے لگے کہ کھیتی باڑی کے سب کام خواجہ اجمیری کے سپرد کر کے آ گیا ہوں۔ مولانا نے فرمایا ابا ہم تو اب تک یہی سمجھتے رہے کہ حضرت خواجہ اجمیری اللہ کے ولی ہیں اب معلوم ہوا کہ وہ پدھان بھی ہیں گاؤں کی کھیتی باڑی کا انتظام اچھا جانتے ہیں۔ ان سے کسی نے میلاد خوانی کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ بہت اچھا کام ہے پڑھنے والے کو مٹھائی کا دوہرا حصہ ملتا ہے۔

ارشاد

فرمایا کہ آج کل مسلمانوں کے اجتماعی کام آفتوں اور فتنوں سے خالی نہیں۔ اول تو اجتماع ہی نہیں ہوتا اور ہو بھی تو قلوبہم شتی کا مظاہرہ ہوتا ہے اسلئے اب میں تنہا کرنے کا جو کام ہے وہ تو کر لیتا ہوں جو مجمع پر موقوف ہو اسکے در پے نہیں ہوتا۔

ارشاد

کسی قوم یا کسی مذہب کے لوگوں پر زیادہ تشدد اور تعدی کرنا، سخت الفاظ کہنا خود کہنے والے کے لئے مضر ہوتا ہے مجھے اس کا بہت تجربہ ہوا ہے مولوی نذری حسین صاحب دہلوی پہلے پکے حنفی اور حنفیوں کے مفتی اور قاضی تھے اور غیر مقلدوں کو بہت برا کہتے اور سخت سخت الفاظ کہا کرتے تھے پھر خود غیر مقلد ہو گئے تو مقلدوں کو سخت برا کہنے لگے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کی شان میں بھی گستاخانہ الفاظ کہتے تھے۔ اسی لئے حضرت گنگوہیؒ ان سے بہت ناراض تھے مگر عدل کی صفت غالب تھی اس لئے جب حضرت گنگوہیؒ کے سامنے کوئی ان کو برا کہتا تو انکی طرف سے تاویل کرتے تھے۔

تفسیر بیان القرآن میں آیتوں پر عنوانات قائم کرنے کا کام سب سے اہم ہے

مجلس میں کسی صاحب نے بیان القرآن میں ربط آیات کے اہتمام کی بہت تعریف کی اور کہا کہ یہ عجیب چیز ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بیشک یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے لیکن میرے نزدیک کوئی زیادہ اہم چیز نہیں۔ کیونکہ ربط آیات کے بیان کی ضرورت ہی زیادہ نہیں، البتہ اس تفسیر میں ایک چیز ایسی ہے جس کو میں نے بڑی مشقت اور محنت سے جمع کیا ہے وہ ابتک کسی دوسری تفسیر میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ وہ یہ کہ مضامین قرآنیہ کی سرخیاں آیات کے شروع میں لگا دی ہیں کہ اہل علم تو اگر قرآن کے حاشیہ پر یہ عنوانات ہی لکھ لیں تو پوری تفسیر کا کام ان سے لے سکتے ہیں۔

مسائل اجتہاد میں بحث و تحقیق کا درجہ

ارشاد فرمایا کہ جن مسائل میں آئمہ مجتہدین کا اختلاف ہے ان میں بحث و تحقیق کی زیادہ کاوش طبعًا ناگوار ہے کیونکہ سب کچھ تحقیقات کے بعد بھی انجام یہی رہتا ہے کہ اپنا مذہب صواب محتمل الخطاء اور دوسروں کا مذہب خطا محتمل الصواب ہے۔ کتنی ہی تحقیق کر لو کسی امام مجتہد کے مسلک کو بالکل نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اسی لئے میں اس بات سے بہت گریز کرتا ہوں۔ بعض اوقات تو سوالات و شبہات کے جواب میں اسی بات پر قناعت کر لیتا ہوں کہ سائل سے پوچھتا ہوں کہ یہ مسئلہ قطعی ہے یا ظنی۔ ظاہر بات ہے کہ قطعی ہوتا تو محل اجتہاد نہ ہوتا۔ وہ کہتا ہے کہ ظنی ہے تو میں کہہ

دیتا ہوں کہ پھر ظنی ہونے کا تقاضا ہی یہ ہے کہ جانب مخالف کا شبہ اس میں رہتا ہے، اگر تمہیں شبہ ہے تو ہوا کرے اس سے تو مسئلہ کی ظنیت کی تاکید وتقویت ہوتی ہے۔ ایسے شبہ سے کچھ حرج نہیں ہے۔

حضرت شاہ اسحٰق صاحب اور ان کے ایک شاگرد عالم کی حکایت

حضرت شاہ اسحٰق صاحب دہلویؒ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو راستہ اجمیر کا اس لئے اختیار کیا کہ راستہ میں حضرت خواجہ صاحب کے مزار پر حاضری ہو جاوے گی۔ اجمیر شریف میں حضرت شاہ صاحب کے ایک شاگرد تھے آپ نے ان کو اپنے آنے کی اطلاع دی تو شاگرد صاحب نے جواب میں لکھا کہ آپ یہاں تشریف نہ لائیں کیونکہ میں یہاں زیارت مزارات کے لئے شدرحال اور سفر کر کے جانے کو منع کرتا ہوں کیونکہ لوگوں نے اس میں غلو بہت کر رکھا ہے اگر آپ تشریف لائے تو میں یہ کس کس سے کہتا پھرونگا کہ حضرت یہاں مستقل سفر کر کے تشریف نہیں لائے بلکہ سفر حج کے راستہ میں یہاں آنا ہوا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے پھر اس کو جواب میں لکھا کہ مجھ سے تو یہ صبر نہیں ہوتا کہ اجمیر شریف کے راستہ گزروں اور مزار پر حاضری نہ دوں، البتہ آپ کی مصلحت بھی قابل رعایت ہے اس لئے اسکی صورت یہ ہے کہ جب میں وہاں حاضر ہوں آپ ایک مجلس وعظ منعقد کریں اور اس میں زیارت قبور کے لئے شدرحال اور مستقل سفر کرنے کی مخالفت بیان کریں۔ میں بھی اسی مجلس میں شریک ہوں گا اور ختم وعظ پر میں اعلان کردوں گا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے توبہ کرتا ہوں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو لوگ وہابی کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ کام عاشقوں کے سوا کوئی نہیں کرسکتا (احقر جامع کہتا ہے) کہ استاد شاگرد کی بے تکلفی اور دین کی فکر واہتمام بھی اس واقعہ میں قابل تقلید ہے۔

ارشاد

فرمایا کہ ایک کتاب بچپن میں نظر سے گزری تھی جو غالباً مفتی سعد اللہ صاحب کی تصنیف

تھی۔اس میں دیکھا کہ امام اعظمؒ ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مجھے جو کچھ ملا وہ اس دعاء کی برکت سے ملا وہ دعا یہ ہے اللھم انا نستعینک علی طاعتک میں نے اسی وقت سے اس کا التزام کرلیا ہے حفظ قرآن کے طالبعلم کوتعویز کی درخواست پر بھی تلقین فرمائی کہ ہرنماز کے بعد گیارہ مرتبہ یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ (۳۰ شعبان ۱۳۴۹ھ)

مسئلہ جبر وقدر پر ایک مختصر جامع تقریر

ارشاد فرمایا کہ دنیا میں کوئی بھی اختیاری کام دو مشیتوں کے بغیر وقوع میں نہیں آتا۔ایک مشیت الٰہیہ دوسری مشیت عبدیہ۔جن لوگوں نے صرف مشیت قریبہ یعنی مشیت عبدیہ پر نظر کی وہ قدری ہو گئے اور جنھوں نے صرف مشیت بعیدہ یعنی مشیت الٰہی پر نظر کی وہ جبر ہو گئے۔اور جنھوں نے دونوں مشیتوں پر نظر کی وہ اہل سنت رہے۔

ایک آیت کی تفسیر وتحقیق

تعدد ازدواج کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے وان خفتم ان لاتعدلوا فواحدة ۔یعنی اگر تمھیں اس کا خطرہ ہو کہ تم متعدد بیویوں کے درمیان عدل ومساوات کا معاملہ نہ کرسکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کرنا چاہیے۔دوسرا نکاح کرو گے تو بے انصافی کے گناہ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔اور پھر آگے ارشاد فرمایا وان تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء۔اس میں صراحۃً اس کی نفی کر دی ہے کہ تمھیں دو بیویوں میں عدل وانصاف پر قدرت واستطاعت ہی نہیں۔ان دونوں کے ملانے سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ عدل پر قدرت نہیں۔اور جب عدل پر قدرت نہ ہو تو ایک بیوی پر اکتفا کرنا واجب ہے۔اس سے لازم آیا کہ ایک سے زائد نکاح کرنا ہی جائز نہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ان دونوں آیتوں میں لفظ عدل کا مفہوم الگ الگ ہے۔پہلی آیت میں عدل سے مراد وہ عدل ہے جو انسان کے اختیار میں ہے یعنی معاملات میں مساوات اور دوسری آیت میں جس عدل کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد غیر اختیاری عدل ہے یعنی قلبی محبت میں دونوں کو

برابر رکھنا یہ انسان کے اختیار کی بات نہیں۔ اور قرینہ اس کا خود آیت میں موجود ہے۔ آگے فرمایا **فلا تمیلوا کل المیل** ۔ جس سے معلوم ہوا کہ عدم استطاعت عدل میں مراد یہ میلان قلبی ہے کہ میلانِ قلبی کسی کے اختیار میں نہیں۔ اس لئے پہلی آیت سے صرف اتنی بات ثابت ہوئی کہ جس شخص کو اختیاری عدل و مساوات میں پورا نہ اُترنے کا خطرہ ہو اس کو ایک سے زائد نکاح ممنوع ہوا اور غیر اختیاری چیزوں میں عدل کا انسان مکلّف نہیں۔ واللہ اعلم

ارشاد

فرمایا کہ جس درویش کی طرف زیادہ تر دنیادار لوگوں کا میلان ہو وہ حقیقت میں درویش نہیں ہوتا خود بھی دنیادار ہوتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے **الجنس یمیل الی الجنس** یعنی ہر شخص اپنی جنس کی طرف مائل ہوتا ہے، اگر درویش میں دنیاداری نہ ہوتی تو زیادہ اجتماع دنیاداروں کا نہ ہوتا۔

آدابِ معاشرت

ارشاد فرمایا کہ سلف صالحین میں آداب معاشرت کا بڑا اہتمام تھا جیسا کہ قرآن وسنت میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے افسوس ہے کہ آج کل اس سے غلفت اتنی بڑھ گئی کہ گویا یہ دین کا کوئی جزء ہی نہیں عوام تو عوام خواص اور علماء بھی آداب معاشرت میں بہت کوتاہیاں کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ مہمان کا اکرام اور خاطر مدارات میزبان پر تو لازم ہیں ہی، ساتھ ہی مہمان پر بھی کچھ حقوق ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ میزبان جس جگہ بٹھائے وہیں بیٹھ جائے۔ بعض اوقات کسی خاص جگہ بٹھانے میں میزبان کی کوئی خاص مصلحت پردہ وغیرہ سے متعلق ہوتی ہے اور منجملہ آداب مہمانی کے ایک یہ بھی ہے کہ کسی ایسی چیز کی فرمائش نہ کرے جس کا مہیا ہونا مشکل ہو اگرچہ کم ہی درجہ اور آسان چیز ہو۔ کیونکہ بعض اوقات میزبان کو پریشانی ہوتی ہے کہ وہ چیز نہیں ملتی۔

اور فرمایا منجملہ آداب مہمانی کے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کھانے میں کسی چیز سے پرہیز ہو تو پہلے ہی اطلاع کردے عین وقت پر دسترخوان پر بیٹھ کر کہنا بڑی ہی بےتمیزی کی بات ہے۔

قصبہ کرانہ کے دو بزرگ۔ ایک حکیم اور صوفی، دوسرے عالم اور مناظر

قصبہ کرانہ ضلع مظفر نگر کے باشندے مولانا رحمت اللہ کرانویؒ تو اپنی تصانیف اور پادری فنڈر سے مناظرہ کی بناء پر بہت معروف و مشہور ہیں۔ ان کے بھائی ایک صوفی مزاج حکم حاذق اور اپنے وقت کے ولی اللہ تھے حضرتؒ نے ان کا نام بھی ذکر فرمایا تھا جو مجھے یاد نہیں نہیں رہا۔ ان کے حالات بھی عجیب تھے۔ جب کبھی بازار جاتے تو محلے کی بیواؤں اور بوڑھیوں سے پوچھ کر جاتے کہ کوئی بازار کا کام تو نہیں۔ اور سب کے کام کر کے لاتے تھے۔ ایک مرتبہ گیہوں کی ایک پوٹ باندھ کر خود سر پر رکھ کر لا رہے تھے۔ لوگ دوڑے کہ ان سے یہ بوجھ لے لیں۔

اپنے گھر پر جو مریض آتے ان سے کوئی فیس نہ تھی جو کسی گاؤں میں لے جائے تو صرف آٹھ آنے فیس مقرر تھی اور سب مریضوں کے لئے تہجد کی نماز کے بعد صحت کی دعا کیا کرتے تھے۔ سیدھے سادے بزرگ مگر ذی علم تھے۔ ایک مرتبہ محلّہ میں کچھ لوگ شب معراج کے متعلق یہ نظم پڑھ رہے تھے کہ فلک پر دھوم تھی احمد رسول اللہ آتے ہیں'' یہ سن کر فرمایا کہ جھوٹ خدا کی قسم جھوٹ ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں تو یہ ہے کہ جب جبرائیل امین نے آپ ﷺ کو لے کر آسمان میں داخل ہونا چاہا تو آسمانی دربانوں نے سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ جب انہوں نے نام بتلایا تو دروازے کھولے گئے۔ دھوم ہوتی تو سوال کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

حضرتؒ نے ان حکیم صاحب کے بہت سے عجیب وغریب حالات واقعات سنائے تھے

دوسرے بزرگ ان کے بھائی مولانا رحمت اللہ کیرانوی ہیں جن کی کتاب عیسائیوں کے رد میں اظہار الحق کے نام سے عربی زبان میں شائع ہوئی۔ پھر انگریزی عربی وغیرہ دوسری زبانوں میں شائع ہوئی اور حال ہی میں اس کا اردو ترجمہ اور تحقیقی شرح دارالعلوم کراچی کی طرف سے تین جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کے شروع میں مولانا کی سیرت وسوانح کا کچھ حصہ بھی مذکور ہے۔

۵۷ء کی جنگِ آزادی جو ہندوستان کی زمین پر لڑی گئی اور بالآخر انگریز غالب آئے اور ہندوستان کے علماء ومشائخ کچھ انگریزوں کے مظالم کا شکار ہو کر شہید یا قید ہو گئے کچھ روپوش

ہو گئے کچھ گوشۂ گمنامی میں چلے گئے اور پھر انگریزوں نے یہ چاہا کہ اپنے مذہبی پادریوں کے تبلیغی مشن کے ذریعہ یہاں کے مسلمانوں کے قلوب اور ذہنوں سے اسلام کی محبت نکال دیں تاکہ وہ دل سے انگریز کی اطاعت قبول کرسکیں اس کام کے لئے شہر شہر قصبہ قصبہ پادریوں کی ٹولیاں گھومنے لگیں جو اسلام کے خلاف علماء اور عوام کو چیلنج کرتے تھے۔ اس وقت کے بقیۃ السلف علماء میں سے چند بزرگ جو گوشۂ گمنامی میں تھے انہوں نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔ ان حضرات میں سرفہرست حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا نام ہے۔ عیسائیوں کے سب سے بڑے پادری فنڈر سے انہوں نے مناظرہ کیا اور برسر مجلس اس سے یہ اقرار لکھوا کر چھوڑا کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے۔

پھر یہی پادری مسلمانوں کے مرکز خلافت قسطنطنیہ پہونچا اور وہاں چیلنج کیا۔ یہ زمانہ سلطان عبدالعزیز خاں کی حکومت کا تھا مگر سلطان عبدالحمید خاں سابق خلیفہ بھی موجود تھے تو سلطان عبدالحمید خاں نے اس کے جواب کے لئے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو دعوت دی۔ اور پھر مولانا نے عیسائی مذہب کی پوری حقیقت کھولنے کے لئے اپنی بینظیر کتاب اظہار الحق تصنیف فرمائی جس کے متعلق عیسائی پادریوں کا کہنا یہ ہے کہ یہ کتاب شائع ہوتی رہی تو دنیا میں عیسائیت کو فروغ نہیں ہوسکتا۔

انکے تذکرہ میں حضرتؒ نے فرمایا کہ قسطنطنیہ کے بعد مولانا رحمت اللہ صاحب مکہ معظمہ پہنچے (مجھے یاد پڑتا ہے کہ مولانا رحمت اللہ مکہ معظّمہ سے قسطنطنیہ بلائے گئے تھے جب سلطانی علماء نے کتاب اظہار الحق دیکھی تو ان کو معلوم ہوا کہ اس کا مصنف مکہ معظّمہ میں ہے تب سلطان نے بلایا اور پادری فنڈر مولانا کا آنا معلوم کرتے ہی وہاں سے چلا گیا) وہاں کچھ قیام ہوا تو دیکھا کہ عرب لوگ ہندیوں کی تلاوت وغیرہ پر ہنستے ہیں۔ محبت قومی کا تقاضا سے وہاں ایک مدرسہ صولتیہ کے نام سے قائم کیا اور ایک مصری قاری جن کو سلطان عبدالحمید خاں کی آمد کے وقت پانچ سو قاریوں میں سے انتخاب کیا گیا تھا ان کو قرأت وتجوید کے لئے مدرس رکھا اور چند ہندی طلباء ان

کے سپرد کئے جن کو وہ تجوید و قرأت سکھلائیں۔ ان طلباء میں جو اپنی جگہ قائم رہے اور کامیاب ہوئے ان میں قاری عبداللہ صاحب ممتاز تھے۔ ان کی محنت اور سعادتمندی دیکھ کر مصری قاری نے بڑی توجہ کے ساتھ ان کو پورا فن سکھلایا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے ان کے استاد مصری سے پوچھا کہ قاری عبداللہ تمام ہندیوں میں بہتر ہیں تو فرمایا کہ نہیں بلکہ تمام عرب میں بہتر ہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں جب مکہ معظمہ دوسری مرتبہ حاضر ہوا تو خیال ہوا کہ اب کچھ عرصہ یہاں (حاجی صاحبؒ کی خدمت میں) قیام رہے گا اسوقت تک تجوید قرآن کی مشق کسی سے کرلوں اتفاقاً ایک روز حضرت حاجی صاحبؒ نے بہت سے علماء اور قراء کی دعوت کی اور دعوت میں سب قراء نے قرآن مجید بھی سنایا۔ مجھے ان سب میں قاری عبداللہ صاحبؒ کی قرأت زیادہ پسند آئی کیونکہ اس میں تصنع نہ تھا۔ میں نے ان سے مشق کرنے کی درخواست کی اور کام شروع کر دیا۔ اور بحمداللہ اس میں ایسی صورت ہوگئی کہ بالاخانہ پر جب میں قاری صاحب سے مشق کرتا تھا تو نیچے سننے والوں کو یہ امتیاز مشکل ہوتا تھا کہ میں پڑھ رہا ہوں یا قاری صاحب۔ لیکن قاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ ہندوستان کی آب وہوا کا یہ اثر ہے مگر یہ کیفیت وہاں پہنچنے کے بعد باقی نہ رہے گی۔ البتہ اگر پاؤ پارہ روزانہ علیحدہ بیٹھ کر اسی طرح تلاوت کرنے کا معمول بنالو تو یہ کیفیت باقی رہ سکے گی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے اس کا التزام نہ ہو سکا۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے تذکرہ میں حضرت نے فرمایا کہ شروع میں حضرت حاجی صاحبؒ کے معتقد نہ تھے بلکہ صوفیوں پر مناظرانہ تنقید فرمایا کرتے تھے اور حضرت حاجی صاحبؒ کے ساتھ مناظرانہ مکالمہ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ سے فرمایا کہ آپ تو اپنے کو جنید بغدادی سمجھتے ہیں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ ہاں مجھے یہ حق ہے کہ میں آپکو کہوں کہ آپ اپنے آپ کو بوعلی سینا سمجھتے ہیں مگر دلیل کسی کے پاس نہیں۔

حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ اصل چیز مدارس دینیہ ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ ساری مساجد ڈھا کر مدرسے بنادو۔ پھر مولانا نے فرمایا کہ تسبیح گھمانے سے کیا ہوتا ہے حضرت نے فرمایا

کہ تسبیح سے یہ ہوتا ہے کہ آپ جیسے سینکڑوں میرے قدموں میں آ کر گرے کبھی مجھ جیسا بھی آپ کے پاس آیا ہے انتہٰی کلامہ (۵ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ)۔

حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ ابتداء میں مولانا رحمت اللہ حضرت حاجی صاحبؒ کے معتقد نہ تھے اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں یہ حالات نہیں رہے تھے۔ واللہ اعلم

اُدھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی سود کے مشابہ ہونیکی وجہ سے مکروہ اور خلاف مروّت ہے

احقر نے سوال کیا کہ بہت سی کمپنیاں نقد اور اُدھار کی قیمتوں میں فرق کرتی ہیں کہ نقد ایک سو روپیہ من ہو تو ادھار ایک سو دس روپیہ من دیتے ہیں۔ یہ بظاہر ایک حیلہ سود کھانے کا ہے اس پر ارشاد فرمایا کہ فتوٰی تو جواز ہی کا دینا چاہیے (قلت کما فی الھدایہ) مگر یہ کہہ دیا جائے کہ تشبہ بالربا کی وجہ سے مکروہ ہے۔ دوسرے مروت کے خلاف ہے۔

بزرگوں کی صحبت دنیاداروں کی نظر میں

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے حکایت نقل فرمائی کہ حکیم ضیاء الدین صاحب جو رامپور کے رئیس تھے جب وہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں تھانہ بھون آنے لگے تو گاؤں والوں نے ان کے والد صاحب سے کہا کہ اجی تمھارے لڑکے کا بڑا افسوس ہے کہ اچھا خاصا ہو کر بگڑ گیا۔ اجی بری صحبت کا برا ہی اثر ہوتا ہے۔

ایک عالم پر عتاب کے وقت معاملہ میں عدل واعتدال

۵ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ کا واقعہ ہے کہ ایک عالم جو آج کل بڑے مشہور اور مقدس عالم مانے جاتے ہیں اس وقت حضرتؒ کا ان پر کسی وجہ سے عتاب تھا۔ وہ اس زمانہ میں حج کو گئے واپس آ کر تبرکات حج کھجوریں اور زمزم حضرتؒ کی خدمت میں بھیجے۔ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ ہدیہ دو جہتین ہے ایک آپ کا ہدیہ ہونے کی حیثیت سے دوسرے مکہ مدینہ کا تبرک ہونا۔ دوسری حیثیت

سے واپس کرنا بے ادبی ہے اس لئے بین بین صورت اختیار کرتا ہوں ایک زمزمی اور چند کھجوریں رکھ کر باقی واپس کردیں۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ

جب ترک سلطنت کر کے گوشہ نشین ہو گئے تو وزراء اور ارکان دولت کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ نے سلطنت کیوں ترک فرمادی؟ ہم سب آپ کے فرمانبردار ہیں۔ فرمایا کہ میرے قلب پر ایک فکر محیط ہے اور فکر کی حالت میں سلطنت کے کام انجام دینا مشکل ہیں۔ ان حضرات نے عرض کیا کہ فرمائیے کیا فکر ہے ہم اس فکر میں آپ کی مدد کریں گے فرمایا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے فریق فی الجنة و فریق فی السعیر یعنی آخرت میں انسانوں کا ایک فریق جنت میں اور دوسرا جہنم میں ہوگا۔ اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ پوری مخلوق کو مٹھی میں بھرینگے داہنی مٹھی والے جنت میں اور بائیں مٹھی والے دوزخ میں جائیں گے۔

اب مجھے یہ فکر درپیش ہے کہ میں ان دونوں فریق میں اور دونوں مٹھیوں میں سے کس میں ہوں گا۔ اس غم و فکر نے مجھے انتظام سلطنت کے قابل نہیں چھوڑا۔ حقیقت یہی ہے کہ جب فکر آخرت سوار ہو جائے تو اس کو تعلقات رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

خود چہ جائے جنگ و جدل نیک و بد   کیں دلم از صلحہا ہم مے اُمد

شہرت کی طلب بڑا فتنہ ہے

ارشاد فرمایا کہ جامع صغیر میں ایک حدیث مرفوع نظر سے گزری کہ عالم کے لئے یہ بہت بڑا فتنہ ہے کہ وہ اس کی خواہش رکھے کہ لوگ اس کے پاس آ کر بیٹھا کریں۔

تربیت سالکین میں ایک عجیب طریقہ

ارشاد فرمایا کہ میں بعض لوگوں سے ناراض تھا ان کو یہ مشورہ دیا کہ تم کسی اور سے بیعت

ہو جاؤ میں راضی ہو جاؤں گا۔ بعض لوگوں نے ایسا کر بھی لیا اور میں واقعی ان سے راضی ہو گیا۔

حب جاہ مقبولیت عند اللہ سے بہت بڑا مانع ہے

حضرت گنگوہیؒ نے ایک شیخ اور مرید کی حکایت سنائی کہ مرید بہت عبادت وریاضت کرتا تھا مگر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ شیخ نے بہت سے وظائف تبدیل کئے اور تدبیریں اختیار کیں لیکن اس کے باطنی حالات درست ہوتے نظر نہ آئے۔ پھر ایک تدبیر کی جو جاہ اور ظاہری عزت کے خلاف تھی وہ یہ کام نہ کر سکا اس وقت معلوم ہوا کہ یہ طالب جاہ تھا یہی طلب جاہ اس کے راستہ کا سنگ گراں بن گئی تھی۔

بزرگانِ دین نے حب جاہ کے علاج کے لئے اپنے نفس کے خلاف بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ جاہ کی تحصیل اس قدر کہ لوگوں کے ظلم سے بچ جائے جائز ہے مگر مقصود دینی نہیں اور اس درجہ سے زائد ہو تو دین کے لئے مضر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں یہ دعا سکھائی گئی ہے اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا و فی اعین الناس کبیرا یعنی یا اللہ مجھے میری نظروں میں حقیر اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنا دے تو یہ دعا طلب جاہ کی دعا ہے مگر حدیث میں صرف دعا پر اکتفا کیا گیا ہے اسکی تحصیل کے لئے کوئی تدبیر نہیں بتلائی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہ دراصل محض خداداد ہوتا ہے تدبیروں سے حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت گنگوہیؒ کی قسم

حضرتؒ نے ایک مکتوب میں بحلف یہ لکھا ہے کہ میں کچھ نہیں اس پر بعض علماء کو یہ شبہ ہو گیا کہ یہ حلف کیسے درست ہوا۔ بات یہ ہے کہ حضرتؒ نے کمالات متوقعہ کے اعتبار سے حلف فرمایا اور ہم آپ کو کمال واقعہ کے اعتبار سے بزرگ سمجھتے ہیں مگر حضرتؒ کے سامنے چونکہ کمالات متوقعہ مطلوبہ تھے جن کا درجہ بہت بلند ہے۔ انکے بالمقابل کمالات واقعہ حاصلہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔

لوگوں کے ساتھ معاملات میں درجات کا تفاضل

ارشاد فرمایا کہ میں ایک مدت تک اس میں مبتلا رہا کہ سب دوستوں کے ساتھ معاملہ میں مساوات کروں عرصہ تک ایسا کیا بھی مگر اس میں تکلیف بھی ہوئی اور پھر یہ بھی سمجھ میں آیا کہ ایسا کرنا تو سنت کے خلاف ہے کیونکہ حضور ﷺ کا جو معاملہ شیخین کے ساتھ تھا وہ دوسروں کے ساتھ نہیں تھا۔ مجلس میں بھی ایسے امور پیش آتے تھے جن سے ان کا امتیاز ظاہر ہوتا تھا۔ اس وقت سے اب اس میں کاوش نہیں کرتا وقت پر جیسا برتاؤ جس سے کرنے کو جی چاہتا ہے کر لیتا ہوں۔

مدرسہ خانقاہ کے چندہ میں مالداروں سے استغناء

فرمایا کہ ہمارے مدرسہ کے لئے ایک صاحب نے چار ہزار روپے بھیج دیئے اور یہ شرط لگائی کہ رجسٹرار کے سامنے تصدیق کر دی جائے میں نے یہ شرط نامنظور کر کے رقم واپس کر دی۔

کسی مناسبت سے اشعار ذیل پڑھے سباق سیاق یاد نہیں رہا۔ مگر اشعار سالکین طریق کے لئے سبق آموز ہیں ؎

اے بادشہ خوباں داد از غم تنہائی — دل بے تو بجان آمد وقت است کہ باز آئی

اے درد تو ام درمان بر بستر ناکامی — و لے یا تو دام مونس در گوشہ تنہائی

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست — کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

جماعت دیوبند میں حضرت گنگوہیؒ کا مقام

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ مولانا گنگوہیؒ کا بہت ادب کرتے تھے اسی طرح علماء دیوبند کا سارا مجمع حضرت گنگوہیؒ کا ادب و تعظیم سب سے زیادہ کرتے تھے۔ مولانا محمد یعقوبؒ اگرچہ حضرت گنگوہیؒ کے مرشد زادہ ہونے کی وجہ سے ایک مخدومیت کی حیثیت رکھتے تھے مگر وہ بھی حضرت کا بہت ادب کرتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات جب کسی مجلس میں جمع ہوتے تھے تو ہر ایک دوسرے کو آگے بڑھانے اور تعظیم و اکرام میں لگا ہوتا تھا۔ اجنبی آدمی کو یہ پہنچانا مشکل ہوتا

تھا کہ ان میں بڑا کون ہے۔

ارشاد

فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ نے ارادہ فرمایا کہ اپنی سب کتابیں مجھے عطا فرمادیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت کتابیں لیکر کیا کروں گا مجھے تو اپنے سینہ مبارک سے کچھ عطا فرمائیے۔ حضرت میری اس عرض سے بہت محظوظ ہوئے۔

ارشاد

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں میرا قیام صرف چھ ماہ رہا حضرت نے اتنے عرصے کے لئے فرمایا تھا میں کچھ زیادہ قیام کرتا مگر اس لئے نہ کیا کہ حضرتؒ کی عنایتیں اور شفقت مجھ پر بہت تھیں جن کا اظہار بھی مختلف مواقعہ میں ہوتا رہتا تھا۔ بعض لوگوں کو حسد ہوتا تھا اور وہ میری شکائتیں حضرتؒ سے کرتے تھے مگر حضرتؒ نے کبھی کسی شکایت کو قابل اعتناء نہیں سمجھا۔

ارشاد

فرمایا کہ رمضان المبارک میں تو یہ جی چاہتا ہے کہ وہی عبادتیں زیادہ کی جائیں جو منصوص ہیں۔ صوفیاء کرام کی مجتہد فیہا عبادات خاص قسم کے ذکر شغل وغیرہ کو جی نہیں چاہتا۔

ارشاد

فرمایا کہ میں نے بہت سے درویشوں سے سنا ہے کہ بزرگوں کے نام کے شجرے تو لوگوں نے بہت لکھے ہیں لیکن کوئی شجرہ حضرت حاجی صاحبؒ کے شجرہ سے بہتر نہیں۔ اس میں خاص درد ہے اگرچہ شاعری کے اعتبار سے بلند پایہ نہ ہو۔

الہام کسی بزرگ کا کسی کے حق میں قطعی نہیں ہوتا

یہاں تک کہ جس شخص کو الہام ہو خود اس پر بھی انکا اتباع واجب شرعی نہیں ہے جس کے خلاف کرنے سے گناہ ہو۔ البتہ اپنے الہام کی مخالفت کرنے سے بعض اوقات دنیا میں کوئی تکلیف

پہنچ جاتی ہے۔

ایک بزرگ ایک شہر میں تشریف لائے تو ایک بزرگ جو اسی شہر میں رہتے تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ آنے والے بزرگ کی زیارت کے لئے جائیں۔ الہام ہوا کہ مت جاؤ تو بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ارادہ ہوا تو پھر یہی الہام ہوا کہ مت جاؤ۔ پھر بیٹھ گئے تو تیسری مرتبہ پھر داعیہ پیدا ہوا اٹھے تو دو چار قدم چلے تھے کہ ٹھوکر کھا کر گرے اور ٹانگ ٹوٹ گئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ آنے والے بزرگ بدعات میں مبتلا تھے ان کے وہاں جانے سے عام مسلمانوں کو ضرر پہنچتا۔ اپنے الہام کی مخالفت سے اس طرح کی تکلیف تو پہنچ جاتی ہے مگر آخرت میں کوئی عذاب نہیں ہوتا۔ اور فرمایا کہ یہ حال اجتہادی غلطی کا ہے کہ اس پر عتاب نہیں ہوتا، مگر دنیا میں بعض اوقات تکلیف پہنچ جاتی ہے۔

مزارات اولیاء سے استفادہ

ارشاد فرمایا کہ قبور اولیاء سے یہ فیض ہوسکتا ہے کہ نسبت قوی ہو جائے۔ تعلیم سلوک کا فیض قبور سے نہیں ہوتا۔ احقر نے سوال کیا کہ مزارات سے استفادہ کی کوئی خاص صورت ہے تو فرمایا کہ صرف یہ کہ فاتحہ وغیرہ پڑھ کر صاحب قبر کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے اس سے نسبت کی تقویت ہوتی ہے۔ یہ تقویت نسبت بعض لوگوں کو تو پوری طرح معلوم و محسوس ہوتی ہے ورنہ کم از کم اتنی بات محسوس ہوتی ہے کہ کوئی نئی کیفیت قلب میں پیدا ہوتی۔ مگر اس میں زیادہ کاوش نہ کرنا چاہیے کیونکہ بعض حضرات اکابر کا مقولہ ہے کہ ''روباہ زندہ بہ کہ شیر مردہ'' یعنی مرے ہوئے شیر سے زندہ لومڑی بہتر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زندہ پیر اگرچہ ناقص ہو، کامل شیخ مردہ سے اسکے حق میں زیادہ مفید ہے کیونکہ وہ تعلیم کرتا ہے اور تعلیم سے بعض اوقات نسبت قوی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مزارات سے حاصل شدہ فیوض و کیفیات پائیدار نہیں ہوتیں۔ مفارقت کے بعد گھٹ جاتی ہیں اور فرمایا کہ مسئلہ سماع موتی میں فقہاء کا اختلاف ہے مگر اہل کشف سماع کے وجود پر متفق ہیں۔

سلب نسبت کی حقیقت

کسی نے سوال کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ بعض مشائخ نے دوسرے کی نسبت سلب کر لی، اسکی حقیقت کیا ہے تو فرمایا کہ نسبت حقیقیہ تو تعلق مع اللہ کا نام ہے اس کو کون سلب کر سکتا ہے البتہ ایک نسبت عوام کی اصطلاح ہے اس کو سلب کیا جا سکتا ہے۔ یہ کیفیت نشاط وانبساط ہوتی ہے جو ذکر اللہ اور عبادت کی کثرت میں معین ہوتی ہے۔ یہ کیفیت نفسانی ہے روحانی نہیں۔ جیسے حزن ونشاط وغیرہ اسکے سلب کرنے سے فی نفسہ تو کوئی ضرر نہیں مگر اس سے سہولت اعمال مسلوب ہو جاتی ہے اگر کوئی شخص سہولت نہ ہونے کے باوجود مشقت اٹھا کر سب کام پورے کرتا رہے تو اسکو کوئی ضرر دیتی نہیں۔ ہاں جو مقاومت نہ کر سکے اور سہولت مسلوب ہو جانے کے بعد اعمال میں کمی کر دے تو یہ دینی ضرر بھی ہے۔ اس لئے ناجائز ہے۔ ہاں خود سالک کا اپنی ضرورت کے لئے ایسا کرنے میں مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ بعض بزرگوں کے واقعات سے ثابت ہے کہ جو شخص ذکر شغل میں لگ کر حقوق العباد کے فریضہ میں کوتاہی کرنے لگا اسکی یہ نسبت انبساط سلب کر لی تو وہ پھر سب حقوق ادا کرنے لگے۔

نسبت ولایت کی تعریف

فرمایا کہ اصطلاح صوفیہ میں جس کو نسبت کہا جاتا ہے وہ اس تعلق مع اللہ کا نام ہے۔ جس کے لوازم میں سے دو چیزیں ہیں ایک دوام طاعت، دوسرے کثرت ذکر۔ ذکر کے ساتھ دوام اس لئے نہیں کہ وہ انسان کے بس میں نہیں۔ البتہ طاعت یعنی اطاعت احکام اس پر دوام انسان سے ہو سکتا ہے اور فرمایا کہ ولی سے معصیت کا صدور ہو سکتا ہے مگر صدور معصیت کے ساتھ بھی یہ نسبت خاصہ باقی نہیں رہتی، البتہ توبہ کرنے سے پھر عود کر آتی ہے۔

آیت ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا پر شبہ اور جواب

فرمایا کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ رفع عن امتی الخطاء والنسیان یعنی میری امت

سے خطا اور نسیان اٹھائے گئے ہیں۔ یعنی خطا اور نسیان میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ آیت مذکورہ میں خطا ونسیان پر مواخذہ نہ کرنے کی دعا پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے بیان کے مطابق خطا ونسیان کا گناہ معاف ہو چکا تو پھر اس دعا کی کیا ضرورت ہے؟ مولانا رومیؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر چہ خطا ونسیان کا گناہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیا مگر دراصل وہ فعل مواخذہ ہے کیونکہ اس سے بچنا ایک حیثیت سے اختیار میں داخل ہے یعنی اس سے بچنے کے اسباب اختیار یہ میں کوتاہی نہ کرے۔

ایک اہم وصیت

ارشاد فرمایا کہ میری یہ وصیت ہے کہ بزرگوں کے نظم وکلام سے کسی مسئلہ پر استدلال کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ کیونکہ شعر میں اکثر معانی الفاظ میں تابع ہو جاتے ہیں۔ پہلے سے جو مسئلہ معلوم تھا اس پر اسکو منطبق کر لینا تو درست ہے لیکن اس سے کوئی مستقل مسئلہ نکالنا درست نہیں۔ مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے۔

معنی اندر شعر جز ء با خبط نیست چوں غلاسنگ ست اورا ضبط نیست

حضرت شاہ اسحٰق صاحب دہلویؒ اور انکے بھائی شاہ یعقوبؒ

ان کی عادت تھی کہ جوان کو کسی سے سفارش کرنے کے لئے کہتا تو فوراً سفارش کر دیتے تھے اور انکے بھائی شاہ یعقوب کسی کی سفارش نہ کرتے تھے۔ شاہ اسحٰق صاحب پر خلق خدا کی نفع رسانی کا غلبہ تھا اور شاہ یعقوب یہ کہتے تھے ک سفارش کرنا بیشک مستحب ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ جس سے سفارش کی جاتی ہے بسا اوقات اس کو تکلیف ہوتی ہے اور مومن کو تکلیف و ایذا سے بچانا واجب ہے اس لئے میں بمقابلہ واجب مستحب کی فکر نہیں کرتا۔

حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ سے ایک صاحب ملنے آئے، اور آپ سے ایک ایسے شخص کے پاس سفارش کرنے کی درخواست کی جو شاہ صاحب کا مخالف تھا۔ شاہ صاحب نے فوراً سفارش لکھدی۔ جب وہ شخص شاہ صاحب کا خط لیکر اس کے پہنچا تو اس گستاخ نے اس خط کو موڑ کر ایک بتی

سی بنادی، اور کہا کہ لے جاؤ شاہ صاحب سے کہو کہ اس کو اپنی فلاں جگہ میں رکھ لو (گالی دی) یہ شخص بھی عجیب تھا۔ یہ سیدھا شاہ صاحب کے پاس واپس آیا اور جو الفاظ اس نے کہے تھے وہ نقل کر دیئے۔ شاہ اسحٰق صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ میرے اس عمل سے تیرا کام ہو جائے گا تو میں اس میں بھی تامل نہ کرتا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ یہ ایک لغو حرکت ہے یہ شخص یہاں سے پھر اس شخص کے پاس پہنچا اور شاہ صاحبؒ کا قول اس کو سنا دیا۔ اب تو اس شخص پر وجد طاری ہو گیا اور فوراً حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لی اور مرید ہو گیا۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ نواب محمود علی صاحب کے پاس ہر سال جاتے تھے اور لوگوں کی سفارشیں ایک بیاض میں لکھتے رہتے تھے۔ جب ملنا ہوتا تو یہ لمبی فہرست سفارشوں کی سنا دیتے۔ اکثر کو نواب سے پوری کرتے اور بعض سے عذر کر دیتے۔ مگر یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ ایک مرتبہ نواب صاحبؒ کو یہ کہنا پڑا کہ حضرت آپ اتنی زیادہ سفارشیں نہ لایا کریں مولانا نے فرمایا کہ ٹھیک ہے مگر پھر مجھے حاضری سے بھی معذور سمجھیں۔ میری تو حاضری کی وجہ بھی یہ ہے کہ آپ کو لوگوں کے حالات و حاجات کی اطلاع دیدوں۔ اگر اسی سے گرانی ہے تو میں حاضری سے معذور ہوں۔ البتہ یہ میں نہیں کہتا کہ سب سفارشیں پوری ہی کرو میرا کام پہنچا دینا ہے آگے آپ کا کام ہے۔

تنبیہہ:۔ احقر جامع کہتا ہے کہ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے سفارش کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور اس کے ذریعہ بے وسیلہ لوگوں کی بات بڑوں تک پہنچ جانے کا فائدہ بھی ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ جس سے سفارش کی جائے اس کو ایذاء نہ پہنچے۔ اس کو اپنے اثر سے سفارش قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ بلکہ اپنے قول و عمل سے بتلا دیا جائے کہ سفارش قبول نہ ہوئی تو بھی مجھے کوئی گرانی نہیں ہوگی۔ ایسی سفارش تو مستحب ہے اور جس میں دوسرے شخص کے اختیار کو اپنے اثر و رسوخ سے سلب کیا جائے یہ ناجائز ہے (یہ تشریح بھی حضرتؒ سے ہی سنی ہوئی ہے)۔

مہمانداری کا عجیب اصول

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مالدار مہمانوں کو معمولی کھانا اور غرباء کو عمدہ کھانا کھلاتے تھے کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ بھائی مہمان کو ایسا کھانا کھلانا چاہیے جو عموماً وہ نہ کھاتا ہو۔

بزرگانِ دین کا حلم وکرم

ایک بزرگ کو ایک شخص گالیاں دیا کرتا تھا اور وہ اسکے پاس ہدایا بھیجتے تھے پھر اس نے گالیاں دینی چھوڑ دیں۔ تو انہوں نے بھی ہدایا بھیجنے چھوڑ دیئے۔ اس نے سبب پوچھا تو فرمایا بھائی یہ تو لین دین کا معاملہ ہے۔ پہلے تم ایک چیز ہمیں دیتے تھے اس کے بدلہ میں ایک چیز ہم تمھیں دیتے تھے۔ اب تم نے وہ دینی چھوڑ دی تو ہم نے بھی چھوڑ دی۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کی گوشہ گیری کا سبب

کسی نے ان سے عرض کیا کہ آپ لوگوں سے کیوں نہیں ملتے، فرمایا کہ میرا مزاج نازک کو لوگوں کی ذراسی غلط حرکت سے اذیت ہو جاتی ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ میری اذیت سے ان پر قہر الٰہی متوجہ ہوتا ہے۔ میں نے ہر چند دعا کی کہ میری وجہ سے کسی پر شدت وعذاب نہ ہو مگر قبول نہیں ہوئی اس لئے میں لوگوں سے علیٰحدہ رہتا ہوں۔

حکایت:۔ حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلویؒ کے صاحب زادہ مصطفٰے سے یہ حکایت سنی تھی کہ ایک بزرگ حلم و بردباری میں مشہور تھے۔ ایک شخص ان کا حلم آزمانے کے لئے ان کے دروازہ پر گیا اور دستک دے کر ان کو بلایا۔ وہ تشریف لائے تو اس شخص نے کہا کہ آپکی والدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہ ایسی ایسی حسین ہیں اور ایک فحش سراپا بیان کر دیا۔

وہ بزرگ یہ سب سنتے رہے جب ختم کر چکا تو کہا کہ بہتر ہے مگر وہ عاقلہ بالغہ ہیں اپنے معاملہ کی مختار ہیں ان سے دریافت کرلوں وہ چاہیں تو کوئی مضائقہ نہیں یہ کہہ کر گھر کی طرف بڑھے، پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس شخص کا سر کٹا ہوا پڑا تھا انہوں نے دیکھا تو کہا کہ قتلہ صبری اس کو

میرے صبر قتل نے کر دیا۔

اس لئے ایک نیم مجذوب نے یہ نصیحت کی کہ جب تمھیں کوئی برا کہے تو نہ انتقام لو اور نہ صبر کرو۔ مطلب یہ ہے کہ پورا انتقام نہ لو اور پورا صبر بھی نہ کرو کچھ کہہ لو تا کہ وہ قہر خداوندی سے بچ جائے۔

شیخ العرب والعجم مولانا دیوبندی

حضرت قدس سرہ کی تواضع اور مہمان نوازی کی ایک عجیب حکایت مولوی محمود صاحب رامپوری نے سنائی کہ ایک مرتبہ ہمارا ایک مقدمہ دیوبند میں درپیش تھا۔ اس لئے رامپور سے دیوبند آئے تو ایک بنیہ ہندو بھی ہمارے ساتھ ہولیا۔ اس کو بھی کوئی ایسا ہی کام دیوبند میں تھا جب شہر میں پہنچے تو بنیہ نے کہا کہ جہاں آپ لوگ ٹھہرو میرا بھی وہیں رہنے کا انتظام ہو جائے تو اچھا ہے۔ مولوی محمود صاحب نے فرمایا کہ ہم حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر مہمان ہوئے، بنیہ کو بھی یہیں ٹھہرا دیا۔ جب رات کو سب سو گئے تو میں نے دیکھا کہ مولانا شیخ الہندؒ بنیہ کے پاس گئے اور آہستہ آہستہ اسکے پاؤں دبانا شروع کئے، میں نے دیکھا تو عرض کیا کہ حضرت یہ کیا ہے؟ اگر یہی کرنا ہے تو اس خدمت کے لئے میں حاضر ہوں فرمایا نہیں یہ تو میرا مہمان ہے اس کا اکرام و خدمت میرے ذمہ ہے۔

چھینک لینا اور اس کا جواب

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان چھینک لے اور الحمدللہ کہے تو سننے والوں پر مثل سلام کے یرحمک اللہ کہہ کہ اس کا جواب دینا واجب ہے۔ اس لئے اس میں کلام ہے کہ چھینکنے والے کو الحمدللہ با آواز بلند کہنا بہتر ہے تا کہ لوگ یرحمک اللہ کہہ کر جواب دیں تو ان کو بھی ثواب ملے۔ اس کے لئے بھی دعا ہو۔ علامہ شامیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے حضرتؒ نے فرمایا کہ جس جگہ لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور یہ خطرہ ہو کہ ہم نے با آواز بلند الحمدللہ کہا تو ان کو جواب دینے میں تکلیف ہو گی۔ ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ بلند آواز سے

الحمدللہ نہ کہے۔

باطنی امور میں تفقہ صوفیہ کا حصہ ہے

جس طرح احکام ظاہر میں اجتہاد اور تفقہ کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح احکام باطنہ میں بھی اس کی ضرورت ہے احکام ظاہرہ کے آئمہ اجتہاد معروف آئمہ مجتہدین اور فقہاء ہیں اور امور باطنہ کے فقہاء صوفیہ ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ جو مسئلہ احکام ظاہرہ سے متعلق ہو اور اس میں فقہاء اور صوفیہ کا اختلاف ہو جائے تو میں فقہاء کی تحقیق کو ترجیح دیتا ہوں لیکن اگر مسئلہ امور باطنہ سے متعلق ہے تو میں اس میں صوفیہ کے قول کو اختیار کرتا ہوں کیونکہ ان امور میں ان کا تفقہ زیادہ قابل اطمینان ہے (احقر جامع کہتا ہے) کہ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب فاتحۃ العلوم میں فرمایا ہے کہ آئمہ اربعہ اور بیشتر آئمہ فقہاء مجتہدین صرف ظاہر ہی کے امام نہیں بلکہ تصوف اور سلوک کے اور امور باطنہ کے بھی امام ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ کا یہ ارشاد عام علماء ظاہر کے متعلق معلوم ہوتا ہے جو امور باطنہ کے ماہر نہیں۔ واللہ اعلم۔

عام حیوانات اور انسان میں فرق کی ایک خاص وجہ

ارشاد فرمایا کہ جتنے حیوانات دنیا میں ہیں ان کے افراد میں قوت و استعداد کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ ایک فرد اتنا قوی ہوتا ہے کہ دو کا کام کر لے بعض اس سے بھی زیادہ چار چھ یا آٹھ دس فرد کا کام پورا کرے۔ ایک گھوڑا چار گھوڑوں کا کام پورا کرے یا ایک گدھا چار گدھوں کا بوجھ اٹھا لے۔ اسی طرح تمام حیوانات کے افراد میں تفاوت اور تفاضل ہر شخص جانتا ہے مگر یہ تفاوت اور تفاضل نوع انسانی میں تمام انواع سے اتنا زیادہ ہے کہ اسکی کوئی حد نہیں۔ ایک انسان سو آدمیوں کا اور دوسرا ایک انسان ہزار بلکہ لاکھ آدمیوں کا کام اکیلا انجام دے سکتا ہے حدیث میں یہ قصہ معروف ہے کہ فرشتوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پورے عالم کا موازنہ کیا تو آپ کی ذات سب پر بھاری رہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا ایک فرد سارے عالم کے برابر یا اس سے بڑھ کر بھی ہو سکتا ہے اسی لئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے کہ در

حقیقت انسان ایک نوع نہیں بلکہ جنس ہے اور نوع انسان کے افراد جن کو حکماء افراد کہتے ہیں درحقیقت افراد نہیں انواع ہیں۔ گویا انسان کا ہر فرد ایک مستقل نوع ہے مگر منحصر فی فرد واحد یعنی ایسی نوع ہے کہ اس کا فرد صرف ایک ہی ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی ایک وصیت

ارشاد فرمایا کہ جب کسی معاملہ میں لوگ تم سے جھگڑا کریں تو تم رطب و یابس سب اس کے حوالہ کر کے خود علیحدہ ہو جاؤ اور اسکی ایک مثال حضرت حاجی صاحبؒ نے بیان فرمائی کہ ایک شخص نے نئی شادی کی تھی داڑھی میں کچھ بال سفید آ گئے تھے حجام کے پاس جا کر کہا کہ داڑھی میں سے سفید بال چھانٹ کر کاٹ دو۔ حجام نے پوری داڑھی مونڈ کر سامنے رکھ دی کہ آپ خود چھانٹ لیں مجھے اتنی فرصت نہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میرا عمر بھر کا یہی معمول ہے کہ کچھ مدت ہوئی کہ میں قصبہ کی جامع مسجد میں ہفتہ وار وعظ کہا کرتا تھا جس میں شادی غمی کی مروجہ رسموں کی اصلاح پر زیادہ زور دیا لوگوں میں کچھ خلاف کا چرچا ہوا۔ میرے کانوں تک بھی الفاظ پہنچے میں نے رمضان المبارک کے آخری جمعہ کے وعظ میں اختتام پر لوگوں کو ٹھہرا کر کہا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں محض آپ لوگوں کے نفع کے لئے ہوتا ہے۔ دینی نفع تو معاصی سے بچنا اور دنیوی نفع اسراف سے اور اس سے پیدا ہونے والے مصائب سے بچانا ہے اور وعظ کہنا میرا کوئی پیشہ نہیں۔ اگر آپ لوگ اپنے نفع کو نہیں چاہتے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ وعظ آخری ہے اس کے بعد کسی کو ان شاء اللہ تعالیٰ میری طرف سے ناگواری نہ آئے گی۔ بہت سے رونے لگے اور پاؤں میں پڑنے لگے کہ ہمارا تو کوئی قصور نہیں۔ کچھ بیوقوف لوگوں نے کوئی بات کہی تو ہم پر اس کی سزا کیوں جاری ہو۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بے شک آپکا قصور نہیں آپ اپنے گھر بلا کر وعظ کہلوائیے میں کہوں گا۔ چنانچہ بستی میں گھر گھر بہت وعظ ہوئے اور گھروں کے اندر یہ وعظ زیادہ مفید ثابت ہوئے کیونکہ ان رسوم کی پابندی کا بڑا سبب عام طور پر عورتیں ہوتی ہیں۔ گھروں میں یہ وعظ زیادہ تر عورتوں نے سنے اور میرا اصل مقصد حاصل ہو گیا۔

اور فرمایا کہ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ بستی کے لوگ خلاف نہیں کرتے۔ اس لئے اب تھانہ بھون میں رسوم قریب قریب معدوم ہو گئیں۔

حضرتؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی وصیت اور اپنے مذکور الصدر معمول پر ایک حدیث سے بھی استدلال فرمایا کہ جو جامع صغیر میں رزین سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے کہ:۔

نعم الرجل الفقیه ان احتیج الیه نفع و ان استغنی عنه اغنی نفسه ۔ بہت اچھا وہ مرد فقیہ ہے کہ اگر لوگ اسکی ضرورت محسوس کریں تو ان کو نفع پہنچائے اور اگر لوگ اس سے استغناء برتیں تو یہ بھی ان سے استغناء کا معاملہ کرے۔

اور فرمایا کہ اسی لئے میں نے آجکل دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی سے بھی استعفاء دے دیا ہے مجھے جھگڑوں اور سوال و جواب میں پڑنے کی کہاں فرصت ہے اپنے بزرگوں کی طفیل سے میرا تو یہ مسلک ہے۔

خود چہ جای جنگ و جدل نیک و بد کیں دلم از صلحہا ہم مے رمد

ارشاد

فرمایا کہ فقہ میں بطور جریان عادت اب اجتہاد ختم ہو گیا اور ضرورت بھی باقی نہیں رہی لیکن طب اور معالجات جسمانی ہوں یا روحانی دونوں میں اجتہاد کے بغیر کام نہیں چلتا۔ جو مجتہد نہ ہو اس کو علاج بھی نہ کرنا چاہیے۔

ایک آیت کی تفسیر اور شبہ کا ازالہ

آیت اولئک علی ھدی من ربھم و اولئک ھم المفلحون ۔ اس میں دو چیزیں ہیں ایک ہدایت دوسرے فلاح کو بطور جزاء کے ذکر فرمایا ہے کیونکہ ان سے پہلے ایمان بالغیب اور ایمان بالرسل کے اوصاف مذکور ہیں۔ اس ایمان کی جزا کے طور پر اس میں ہدایت و فلاح کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ان میں فلاح کا جزائے عمل ہونا تو سمجھ میں آتا ہے کہ فلاح کے معنی کامیابی اور مراد پوری ہونے کے ہیں لیکن ہدایت تو راستہ دکھانے کو کہا جاتا ہے۔ کسی چیز کا راستہ

دیکھ لینا نہ کوئی مقصد ہے اور نہ جزائے عمل میں ہوسکتا ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے فرمایا کہ ایک واقعہ نے جو میرے ساتھ پیش آیا اس شبہ کا جواب بہت واضح کر دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ ایک صاحب میرٹھ جانیوالی گاڑی میں سوار ہونا چاہتے تھے اور غلطی سے رڑکی جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ گاڑی چلنے کے بعد احساس ہوا۔ میں بھی رڑکی اسی گاڑی سے جا رہا تھا میں نے دیکھا کہ یہ سخت بے چین ہیں اور میں اپنی جگہ مطمئن بیٹھا ہوں میں اسکو تسلی بھی دینا چاہتا ہوں تو وہ التفات نہیں کرتا۔ جوں جوں گاڑی چلتی رہی اسکی پریشانی بڑھتی رہی۔ اس وقت اندازہ ہوا کہ کسی شخص کو اس کا علم یقینی ہو جاتا کہ میں منزل مقصود کی طرف صحیح راستہ پر چل رہا ہوں خود ایک بہت بڑی نعمت و راحت ہے اس لئے وہ جزائے عمل بھی کہلا سکتی ہے۔ اس آیت نے ایمان والوں کو اطمینان دلا دیا کہ تم صحیح راستہ پر چل رہے ہو اس لئے بے فکر رہو اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو گی۔

اہل باطل کے کلام کا مطالعہ سخت مضر ہے

فرمایا کہ اہل باطل کے اقوال و افعال اور حالات میں گفتگو یا اس پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ قلب کے لئے سخت مضر ہے۔ بضرورت مناظرہ کبھی دیکھنا پڑے تو بھی ضرورت سے تجاوز نہ ہونا چاہیے۔

ارشاد

فرمایا کہ حدیث **لاتجعلوا بیوتکم قبورا** یعنی اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اس کا یہ مفہوم تو مشہور ہے کہ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ سے خالی رہنے کو قبر بنانے سے تعبیر کر کے اسکی خرابی کا بیان ہے مگر اسکی ایک تشریح بعض نے یہ بھی کی ہے کہ اپنے گھروں کے اندر قبریں نہ بناؤ کہ گھروں سے قبرستان کا کام لینے لگو۔

وقف کے مسئلہ میں ایک فقہی اشکال اور جواب

احقر کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ نقد رقم کا وقف یا اوقاف کی حاصل شدہ نقد آمدنی وقف کے حکم میں ہے یا نہیں۔ اس میں ایک زمانے تک مجھے بہت تردد رہا کیونکہ نقود سے انتفاع بغیر انکے استہلاک کے نہیں ہوتا۔ اور وقف کے لئے تابید اور بقاء عین شرط ہے اور پھر جب اس پر وقف کی تعریف صادق نہ آئی تو اس سے لازم آیا کہ یہ وقف کی ملک ہو اور واقف مر جائے تو اس کے وارثوں میں تقسیم ہو۔ مگر فتاوی عالمگیری کی ایک عبارت میں یہ مسئلہ الحمدللہ حل کر دیا۔

(عالمگیری طبع مصطفائی کتاب الوقف جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۴۰ باب الحادی عشر فصل ثانی میں یہ عبارت مذکور ہے)

ان كان لايمن تصحيحه وقفا فيجوز تصحيحها كالمسجد هبة على المسجد.

اگر چہ نقود کے وقف کو وقف صحیح کہنا مشکل ہے مگر اسکو اس حیثیت سے صحیح کہا جا سکتا ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ملک مسجد تعبیر ہے ایک خاص صورت کی جو وقف اور ہبہ کے بین بین اس کو ملک مسجد سے تعبیر کر دیا گیا ہے **فلله الحمد** ۔ بہرحال اس عبارت سے اتنا معلوم ہو گیا کہ یہ اوقاف کی نقد رقوم ملک واقف سے نکل گئی ہے ورنہ انکا امانت رکھنا ہی مشکل ہو جاتا۔

ارشاد

فرمایا کہ میں لوگوں سے کام اس لئے زیادہ نہیں لیتا کہ مجھ میں احسان ماننے کا مادہ بہت زیادہ ہے۔ جس سے ذرا سا کام لیتا ہوں پھر ہر معاملہ میں اسکی رعایت مدنظر ہوتی ہے اور یہ رعایت اس شخص کے لئے مضر ہوتی ہے۔ البتہ جس سے بے تکلفی ہو جائے وہ مستثنٰی ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس

فرمایا کہ مولانا بڑے جامع علوم اور جامع کمالات تھے۔ ہر فن کے ماہر تھے کھانا پکانے کپڑا

بیو نتنے اور سینے کا عجیب ملکہ تھا۔ موسیقی کے فن کو پورا جانتے تھے۔ مولانا کے ملفوظات عجیب حکیمانہ تھے حضرت کے جتنے ملفوظات مجھے یاد ہیں شاید اور کسی کو نہیں ہونگے۔ وجہ یہ ہے کہ مجھے مولانا سے محبت وعقیدت بھی سب سے زیادہ تھی اور میری حاضری کے وقت مولانا کا دل افادہ کے لئے کھل جاتا تھا۔

''فرمایا کہ وفادار ناقص اچھا ہے بے وفا کامل سے''

فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی سے چھپنا چاہے مثلاً مظلوم ہو ظالم سے بھاگے تو چاہیے کہ کسی قریب ہی جگہ پر چھپے کیونکہ دیکھنے والے عموماً قریب نہیں دیکھتے اور اسکی دلیل حضور ﷺ کا غار ثور میں چھپنا ہے۔

فرمایا کہ راز کو پوشیدہ کر کے کہنے کا طریقہ تو سب جانتے ہیں۔ایک صورت یہ بھی ہے کہ مجمع عام میں باتوں کے درمیان رلا ملا کر راز کی بات کہہ دے تو کسی کو التفات بھی اس طرف نہ ہوگا اور جس کو سمجھانا ہے وہ سمجھ جائے گا۔

ارشاد

فرمایا کہ دیوبند میں بزرگوں کا اجتماع ایک مستقل نعمت و دولت تھی جس کے فقدان کے لازمی اثرات آج کل محسوس ہو رہے ہیں۔ ورنہ مدرسہ تو بظاہر ترقی پر ہے۔ آمد و خرچ اور تعمیری ترقی کے علاوہ اہل علم کی تعداد بھی زیادہ ہوگئی ہے مگر اہل باطن بزرگوں کی کمی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ علوم میں تبحر بھی جبھی مفید ہوتا ہے کہ جب باطنی حالات اور اخلاق واعمال درست ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

آپؓ سے کسی ملحد نے کہا کہ آپ کا عقیدہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے وقت مقرر سے پہلے مرتا نہیں۔ فرمایا کہ ہاں کہنے لگا تو اچھا آپ ایک بلند عمارت پر چڑھ کر نیچے کود یں۔ فرمایا کہ بلاشبہ مجھے یقین ہے کہ ایسا کرنے سے اگر میری موت کا وقت نہیں ہے تو موت نہیں آئے گی۔ لیکن ایسا کرنا گویا امتحان لینا ہے تقدیر الٰہی کا جو بڑی گستاخی ہے۔ اس لئے میں ایسا نہیں کرسکتا۔

زندگی مکہ کی اور موت مدینہ کی

حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ زندگی تو مکہ مکرمہ کی بہتر ہے (یعنی ایک کے ایک لاکھ بنتے ہیں) اور موت مدینہ میں بہتر ہے کہ محشر میں رسول ﷺ کے ساتھ ہونا اور شفاعت کی قوی امید ہونا اس کا لازمی اثر ہے اور احادیث مختلفہ کو جمع کرنے کی بھی بہتر صورت یہی ہے۔

ارشاد

فرمایا کہ آزادی مطلقاً محمود نہیں بلکہ اگر شر سے آزادی ملے تو خیر ہے اور اگر خیر سے آزادی ہے تو شر ہے اور ایک شر سے آزادی بھی اسوقت خیر سمجھی جائے گی جبکہ اس سے زیادہ شر میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔

صلحاء کے اجتماع کی برکات

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ ہماری بزرگی کی مثال ایسی ہے کہ جیسے رڑکی گودام کے کاریگروں کی کاریگری۔ رڑکی گودام کے نام سے ایک قدیم کارخانہ (مِل) مشین پرزے بنانے کا انگریزوں نے بنایا تھا اس میں مشینیں فٹ تھیں ہر کاریگر اپنی اپنی مشین پر کام کرتا تھا ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جیسے یہ کاریگر جب اس کارخانہ سے باہر ہوں تو انکی کوئی کاریگری نہیں چل سکتی کیونکہ وہ مشینوں پر موقوف ہے اور وہ باہر ہیں نہیں۔

اسی طرح فرمایا کہ دارالعلوم میں بہت سے علماء وصلحاء کا مجمع ہے جس کی برکت سے سب متاثر ہو کر ان میں نیک کاموں کی طرف رغبت اور برے کاموں سے نفرت قدرتی طور پر پیدا ہو جاتی ہے اس مجمع سے باہر نکل کر وہ کیفیت باقی رہنا آسان نہیں۔

احقر جامع کہتا ہے کہ یہ بہت ہی اہم ارشاد ہے کیونکہ انسان کی خوبی اور خرابی سب اس کے ماحول اور گردوپیش سے آتی ہے۔ جس کا ماحول نیک ہو اس کا نیک ہونا فطری امر ہے اسی طرح جس کا ماحول خراب ہو اس کا خراب ہونا ایک طبعی امر ہے۔ اس لئے ہر انسان کو چاہیے کہ کم از کم

اپنے گھر کے ماحول کو دینی بنانے پر پوری توجہ دے۔ آیت قرآن یــــایھـــا الــذیــن امـنـوا قـوا انـفـسکم و اھیکم نارا سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ تم خود بھی آگ سے بچو اور اپنے اہل وعیال کو بھی آگ سے بچاؤ۔

بخل اور اسراف

فرمایا کہ لوگ بخل کو اسراف سے زیادہ برا سمجھتے ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ اسراف زیادہ برا ہے۔ اس لئے کہ اسراف کے نتائج بد بہ نسبت بخل کے بہت زیادہ ہیں دینی بھی اور دنیوی بھی یہی وجہ ہے کہ ہم نے کسی بخیل کو مرتد ہوتے نہیں دیکھا اور بہت سے اسراف کر کے فقیر ہونے والوں کو مرتد ہوتے دیکھا ہے۔

ایک واعظ کی دلیری

ایک واعظ کی مجلس میں امام احمد بن حنبلؒ اور یحیٰی بن معینؒ شریک تھے۔ واعظ نے بہت سی احادیث غلط سلط امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے بیان کیں، یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنستے رہے کہ کیا کہہ رہا ہے۔ جب وعظ ختم ہوا تو امام احمد بن حنبلؒ آگے بڑھے اور واعظ سے پوچھا کہ آپ احمد بن حنبل کو جانتے ہیں؟ تو کہا ہاں جانتا ہوں پھر فرمایا کہ مجھے بھی جانتے ہو؟ کہا نہیں امام صاحبؒ نے فرمایا کہ میں ہی تو احمد بن حنبل ہوں واعظ نے بڑی دلیری سے کہا کہ خوب کہا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ احمد بن حنبل ایک آپ ہی ہیں۔ معلوم نہیں کتنے آپ جیسے احمد بن حنبل دنیا میں موجود ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور امام رازی

حضرت مولانا نے تفسیر کبیر امام رازی کا کوئی مقام بضرورت دیکھنے کے لئے اپنے احباب میں کسی کو مامور فرمایا انہوں نے وہ مقام حضرت کو سنایا تو فرمایا کہ ہم سمجھتے تھے کہ امام رازی بہت ذہین ہیں مگر اب معلوم ہوا کہ ان کا ذہن طول وعرض میں تو چلتا ہے عمق اور گہرائی میں نہیں چلتا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہر زمانے کی ضرورت کے مطابق رجال کار پیدا فرمائے ہیں دوسرے وقت میں وہ بیکار ہونے لگیں تو وہ بیکار نہیں ہوتے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ

یہ دونوں حضرات حضرت نظام الاولیاء کے مزار پر اکثر حاضر ہوتے تھے۔ایک مرتبہ شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کو یہ خیال ہوا کہ میں تو یہاں کثرت سے حاضر ہوتا ہوں معلوم نہیں کہ حضرت نظام الاولیاءؒ کو ہمارے آنے کی خبر بھی ہوتی ہے۔اس کے بعد ایک روز مزار پر تشریف لے گئے اور مزار کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت سلطان الاولیاء کی روحانیت کو متشکل موجود دیکھا کہ وہ یہ شعر نظامی کا پڑھ رہے ہیں ؎

مرا زندہ پندار چوں خویشتن　　　　من آیم بجان گر تو آئی بہ تن

شاہ عبدالرحیم صاحبؒ موصوف میر زاہد کے شاگرد تھے زمانہ تعلیم میں ایک روز شیخ سعدیؒ کا ایک قطعہ پڑھتے ہوئے جارہے تھے مگر تین مصرعے یاد تھے چوتھا یاد نہ آتا تھا کہ یکا یک ایک بزرگ صورت آدمی سامنے آئے اور ان کا بھولا ہوا مصرعہ پڑھ دیا۔وہ یہ تھا (علمے کہ رہ بحق تماید جہالت ست) اور آگے چل دیئے۔شاہ صاحبؒ نے دوڑ کر ان کا ہاتھ پکڑا اور پوچھا آپ کا اسم شریف؟ تو فرمایا کہ مصلح الدین شیرازی۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ ایک مرتبہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء کے مزار پر مراقب تھے کہ حضرت الاولیاء کی روحانیت متشکل ہو کر سامنے آئی۔حضرت شاہ صاحبؒ نے پوچھا کہ سماع کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ آپ شعر کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں؟ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ کلام حسنہ حسن وقبیحہ قبیح۔یعنی شعر ایک کلام ہے جو کلام اچھا ہے وہ اچھا ہی ہے اور جو برا ہے وہ برا ہی ہے پھر فرمایا کہ خوش آوازی کو آپ کیا سمجھتے ہیں؟ شاہ صاحب نے فرمایا کہ یزید فی الخلق مایشاء کی تفسیر بعض حضرات نے صوت حسن (آواز خوش) سے کی ہے پھر فرمایا کہ اگر یہ دونوں جمع ہو جائیں شاہ صاحب نے عرض کیا کہ نور علی نور یهدی الله

لنور ہ من یشاء ۔ حضرت نظام الدین الاولیاء نے فرمایا کہ بس سماع کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں۔

(احقر جامع کہتا ہے) کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نظام الدین الاولیاء قدس سرہ سے جو سماع ثابت ہے اس میں مزامیر نہ تھے صرف خوش آوازی سے اشعار پڑھنا تھے۔

کرامت مؤثر فی القرب نہیں

ارشاد فرمایا کہ محققین کے نزدیک کرامت کا درجہ ذکر لسانی سے بھی کم ہے کیونکہ ذکر لسانی سے اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھتا ہے اور کرامت سے قرب میں کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔

ذکر قلبی

ارشاد فرمایا کہ ذکر قلبی کی حقیقت سے قلب کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہونا اور دل کا دھڑکنا جس کو اکثر لوگ قلب کا جاری ہونا سمجھتے ہیں وہ محض خفقان ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ سے کسی نے کہا کہ میرا قلب جاری ہو گیا ہے تو فرمایا کہ ہاں بھائی ہو گیا ہوگا۔ جب چلا گیا تو فرمایا کہ اس کو خفقان ہو گیا ہے یہ اس کو ذکر قلبی سمجھتا ہے۔

(احقر جامع کہتا ہے) کہ احقر نے حضرت سے کسی دوسری مجلس میں ذکر قلبی کی ایک قسم الفاظ متخیلہ سے بھی سنی ہے یعنی تخیل میں کوئی اللہ کا نام اس کے الفاظ کے ساتھ ادا کرے بغیر زبان کی حرکت کے۔

نیند سے انبیاء علیہم السلام کا وضو نہیں ٹوٹتا

یہ مسئلہ تو معروف و مسلم ہے۔ فرمایا کہ اس کی وجہ میری سمجھ میں یہ آئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نیند مکمل غفلت کی نیند نہیں ہوتی بلکہ ایسی ہوتی ہے جیسی ہماری نعاس (اونگھ) جس میں غفلت تامہ نہیں ہوتی اور ارشاد فرمایا کہ اس تقریر سے لیلۃ التعریس والی حدیث پر جو اشکال ہے وہ بھی رفع ہو جاتا ہے۔ لیلۃ التعریس کے واقعہ میں آپ کی آنکھ صبح کے میں وقت نہ کھلی بلکہ آفتاب

چڑھنے کے بعد کھلی۔اس پر یہ اشکال معروف ہے کہ حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ میری آنکھ سوتی ہے قلب نہیں سوتا۔ جب قلب بیدار تھا تو نماز قضا ہو جانے کی نوبت کیونکر آئی۔اس تقریر پر جواب یہ ہے کہ اونگھ میں اگرچہ مکمل غفلت نہیں ہوتی مگر وقت کا اندازہ نہیں رہتا۔ پھر فرمایا کہ اس تقریر سے شبہات تو اچھی طرح حل ہو جاتے ہیں مگر میں نے یہ تقریر کہیں نہیں دیکھی اس لئے اگر قواعد کے موافق ہو تو قبول کیا جائے ورنہ رد کیا جائے۔

پھر فرمایا میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر اپنی سمجھ میں کوئی بات ایسی آ بھی جائے جو کہ حضرات متقدمین سے منقول نہ ہو تو جی چاہتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے تلاش کر کے متقدمین بزرگوں میں کسی کا قول ایسا مل جائے تو انکی طرف نسبت کی جائے۔ بیان القرآن میں اس کی میں نے بہت کوشش کی ہے۔

ورع وتقویٰ میں نفس کا کوئی حظ نہیں اور عبادات میں کچھ حظ نفس بھی ہے

ارشاد فرمایا کہ تجربہ شاہد ہے کہ انسان پر عبادات اتنی شاق نہیں ہوتیں جتنا تقویٰ یعنی محرمات ومکروہات سے بچنا۔ وجہ یہ ہے کہ عبادات وجودی چیزیں ہیں دیکھنے والوں کو نظر آتی ہیں خود بھی آدمی ایک کام کرتا ہوا اپنے آپ کو پاتا ہے تو اس سے حظِ نفس ہوتا ہے بخلاف ورع اور تقویٰ کے کہ وہ ایک عدمی چیز ہے۔ محرمات ومکروہات کے ترک کرنے کا نام تقویٰ ہے اس میں نہ کوئی کام کرنا پڑتا ہے نہ کسی کو کوئی کام نظر آتا ہے۔ (یکم محرم ۱۳۹۳ھ سہ شنبہ)

ارشاد

فرمایا کہ سچ تو یہ ہے کہ فقہاء کا مقام سب سے بڑا ہے کیونکہ وہ معانی کے خواص کو پہنچانتے ہیں بخلاف حکماء کے کہ انکی نظر صرف اجسام کے خواص پر محصور ہے۔

ایک لطیفہ

حضرت شریح کا قول ہے کہ جب اپنی کوئی حاجت پیش آئے تو جوانوں سے طلب کرو وہ

دیر نہ لگائیں گے بوڑھوں سے مانگو گے تو ٹلا دینگے اور دیر لگا دینگے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے واقعہ سے عبرت حاصل کرو کہ جب انکے بھائیوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگی تو یوسف علیہ السلام نے فوراً کہہ دیا لاتثریب علیکم الیوم اور جب والد یعقوب علیہ السلام سے معافی طلب کی تو انہوں نے فرمایا کہ سوف استغفر لکم ربی.

حضرت نے فرمایا کہ یہ بات اگر تجربہ سے ثابت کی جائے تو مضائقہ نہیں مگر قرآن سے اس پر استدلال کرنا مخدوش ہے کیونکہ تفسیر درّ منثور میں حدیث مرفوع میں بیان کیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے جو دعائے مغفرت کو مؤخر کرنے کے لئے فرمایا اس کا مقصد ٹلانا یا دیر لگانا نہیں تھا بلکہ آخر شب کے وقت تک اس لئے مؤخر کرنا تھا کہ وہ وقت دعا کی قبولیت کے لئے افضل اور ارجی للقبول ہے۔

نیک فال اور بدفالی

مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا کہ از روئے احادیث معتبرہ کسی چیز سے نیک فال لینا تو جائز و درست ہے مگر بدفالی لینا درست نہیں۔ وجہ فرق یہ ہے کہ نیک فال کا حاصل زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اپنا مقصد پورا ہونے کی رجاء اور امید قوی ہو جائے گی اور بندہ ہی اس کا مامور ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی دعا اور تمنا کی قبولیت کی امید رکھے نیک فال اس رجاء کی تقویت ہوگئی۔ اس لئے اس میں کوئی محذور شرعی نہیں بخلاف بدفالی کے کہ اس کا حاصل اللہ کی طرف سے مایوسی اور قطع رجاء ہے اللہ سے رجاء کا قطع کرنا حرام ہے جو چیز اس کا سبب ہے وہ بھی ناجائز ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک شر کے لئے کوئی دلیل نہ ہو حسن ظن مامور بہ اور بدگمانی ممنوع ہے۔ غرض حسن ظن کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں عدم الدلیل علی خلافہ کافی ہے اور بدگمانی بغیر دلیل کے جائز نہیں۔ واقعہ افک میں قرآن کریم کا ارشاد اس پر شاہد ہے فلولا اذجاء وھم الایة.

ارشاد

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ قدس سرہ بطور پیش گوئی کے فرمایا کرتے تھے کہ تجھے (یعنی حضرتؒ کو) تفسیر اور تصوف سے مناسبت ہوگی۔ یہ نقل کر کے حضرت نے فرمایا کہ الحمد للہ یہ کچھ نہ کچھ ہے پھر فرمایا کہ حضرت کے یہ الفاظ اگر چہ جملہ خبریہ تھے مگر میرا خیال یہ ہے کہ حقیقت میں یہ جملہ انشائیہ یعنی دعاء تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ دعاء قبول فرمالی۔ پھر فرمایا کہ میں تو بزرگوں کے اخبار کو بھی انشاء سمجھتا ہوں اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ انکے انشاءات کو بھی اخبار بناڈالتے ہیں۔

نابالغ کے پیچھے نماز تراویح

ایک استفتاء اس مضمون کا آیا تھا کہ نابالغ کے پیچھے نماز تراویح پڑھنے میں آپ کے نزدیک قول راجح کیا ہے حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے شامی سے ممانعت کی ترجیح بحوالہ ہدایہ نقل کر دی۔ اور وجوہ ذیل سے موجّہ کر دیا۔

(۱) اول تو نابالغ کی نماز نفل ہے اور تراویح سنت مؤکدہ اور بناء اقوی کی اضعف پر جائز نہیں۔

(۲) اور اگر سب کی نفل ہی مان لی جائے تو نفل بالغ کی اقوی ہے بہ نسبت نفل نابالغ کے کیونکہ بالغ کی نفل شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے نابالغ کی واجب نہیں ہوتی۔

(۳) بچے عموماً مسائل طہارت سے ناواقف بھی ہوتے ہیں اور متساہل بھی اس لئے فساد صلوٰۃ کا امکان ہے۔

تین کتابیں البیلی ہیں

حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے فرمایا کہ تین کتابیں البیلی ہیں قرآن مجید، بخاری شریف۔ مثنوی شریف۔

ایک غیر مقلد کی دعوت اور حضرت کی حکیمانہ تعلیم

فرمایا کہ قنوج میں ایک غیر مقلد صاحب نے میری دعوت کی، میں نے منظور کر لیا۔ اہل سنت بھائیوں نے مجھے اشارہ سے منع کیا انکو خطرہ تھا کہ یہ سب غیر مقلد ہیں اور کسی مقلد کو دعوت میں شریک نہیں کیا۔ کہیں خدانخواستہ کوئی ایذاء پہنچے مگر مجھے شبہ نہ تھا اس لئے میں نے دعوت قبول کر لی۔ جب وہاں پہنچا تو ایک شخص نے نواب صدیق حسن خان صاحب کی ایک کتاب میں ایک مضمون تقلید کے خلاف دکھلایا اور پوچھا کہ آپ کی اسکے بارے میں کیا رائے ہے؟ میں نے پوچھا کہ آپ کو نواب صاحب کے لکھے ہوئے میں کچھ تردد ہے یا نہیں؟ وہ آدمی ہوشیار تھا میری غرض سمجھ گیا اور کہنے لگا بس تسلی ہوگئی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اسکے بعد میں نے ان سے کہا کہ میں چونکہ اب آپ کا نمک کھاؤنگا آپ کا حق میرے ذمہ ہوگیا اس لئے میں محض خیر خواہی سے ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ ترک تقلید تو ایک مسئلہ ہے اس میں گنجائش ہے اگر آپ نیک نیتی سے کرتے ہیں تو ہمیں اس میں زیادہ کلام نہیں۔ لیکن دو چیزیں آپ کے یہاں زیادہ شدید اور یقینی معصیت ہیں ان سے بچنے کا اہتمام کیجئے۔

ایک بدگمانی دوسرے بدزبانی

بدگمانی تو یہ کہ آپ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جس مسئلہ کی کوئی دلیل حدیث کتب صحاح میں نہیں، تو اس کی کوئی دلیل ہی نہیں۔ حالانکہ آپ لوگ بھی جانتے ہیں کہ حدیث کا ان صحاح ستہ میں انحصار نہیں اور صحاح ستہ کی بھی سب حدیثیں صحیح نہیں۔ اور بدزبانی یہ کہ بڑے بڑے آئمہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں سب نے اپنی اس غلطی کا اقرار کیا اور توبہ کی۔

تفسیر قرآن کے متعلق ایک اہم ارشاد

فرمایا کہ میں بلا کسی ضرورت داعیہ کے یہ کبھی نہیں سوچتا کہ قرآن نے جس مضمون کو جس عنوان سے تعبیر کیا ہے اس میں کیا نکتہ ہے۔ مجھے اس معاملہ میں کشاف کی بات بہت پسند ہے کہ

جس مضمون کی تعبیر کے لئے مختلف عبارتیں ہوسکتی ہوں ان میں کسی ایک کو اختیار کر لینا کافی ہے وجہ ترجیح بتلانے کی ضرورت نہیں۔ ایک روز مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کیساتھ غالباً مغرب کے بعد جارہا تھا آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک علم عطا ہوا تھا جس میں قرآن مجید کی تمام تعبیرات اور عنوانات کی حکمتیں بتلائی گئی تھیں مگر وہ اب باقی نہیں رہا۔ (حضرت سے کسی دوسری مجلس میں اس کے متعلق یہ بھی سنا تھا کہ یہ اتنا بڑا بھاری علم تھا کہ میری برداشت سے باہر تھا اسلئے رفع کر لیا گیا)۔

ارشاد

فرمایا کہ جب میں نے اول اول حدیث پڑھانی شروع کی تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ میں اور حضور ﷺ بالکل متحد ہیں اور اسوقت مجھ پر علوم و معارف کے عجیب دروازے کھلتے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی عمر اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا کشف

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ مرض وفات میں تھے۔ تکلیف بڑھی تو لوگ گھبرانے لگے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں یہ دس سال اور زندہ رہیں گے۔ مگر پھر اسی مرض میں مولانا کی وفات ہوگئی۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا کشف غلط ہوگیا مولانا نے فرمایا کہ کشف تو دراصل صحیح تھا مگر مجھے سمجھنے میں غلطی ہوگئی۔ وہ یہ کہ میں نے بذریعہ کشف مولانا کی عمر کے متعلق حال دریافت کرنا چاہا تو لفظ مہدی منکشف ہوا میں نے اس سے حروف کے اعداد سمجھے جو ۵۹ ہوتے ہیں۔ مولانا کی عمر اس وقت ۴۹ سال تھی اس لئے میں نے کہہ دیا کہ دس سال اور زندہ رہیں گے مگر بعد میں ثابت ہوا کہ لفظ مہدی کے حروف کے اعداد مراد نہ تھے بلکہ حضرت مہدی کی عمر مراد تھی اور انکی عمر ۴۹ سال ہوگی۔ اسی کے مطابق انکی وفات ہوگی۔ اور فرمایا کہ میں نے یہ دعا بھی کی تھی کہ یہ بزرگ نافع خلائق ہیں۔ میری عمر میں سے کچھ حصہ ان کی عمر میں اضافہ کر دیا جائے مگر یہ دعاء قبول نہ ہوئی۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ دونوں بزرگ کوئی استاد شاگرد یا پیر مرید نہ تھے بلکہ ہم سبق ہم مکتب معاصر اور پیر بھائی تھے مگر انکا عمل اپنے معاصرین کے حق میں یہ تھا تو اپنے بڑوں کے حق

میں کیسا ہوگا۔

دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی سے استعفٰی

فرمایا کہ میں مجبور ہوکر استعفاء دیتا ہوں کیونکہ لڑنے جھگڑنے کی عادت نہیں لیکن الحمدللہ ضابطہ کا تعلق قطع کررہا ہوں رابطہ کا تعلق قطع نہیں۔ بلکہ شاید اور بڑھ جائے اور فرمایا کہ فتنہ اور اختلاف امت کے خوف کے وقت اپنے آپ کو معزول کر لینے کی سنت حضرت حسنؓ سے ثابت ہے اور رسول اللہ ﷺ سے ان کے عمل کی تقریر و تصویب بھی قولاً ثابت ہے باینہمہ یہ توقع ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ مدرسہ اسی طرح رہے گا بزرگوں کے اخلاص و محبت کی برکات اس میں موجود ہیں۔

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود   این ز اخلاصات ابراہیم بود

باہمی رواداری اور رعایت رفقاء

فرمایا کہ اب سے کچھ پہلے کا زمانہ کتنا مبارک اور بہتر تھا تعجب ہوتا ہے کہ پہلے تو اپنے بڑے بھی چھوٹوں کی رعایت کرتے تھے۔ اس پر قصبہ رامپور کی ایک شادی کا ذکر فرمایا جس میں دیوبند سے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا دیوبندی اور سہارنپور سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ تھانہ بھون سے حضرتؒ سب حضرات کو جمع کیا تھا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ میزبانوں نے شادی کی رسوم مروجہ سے اجتناب نہیں کیا۔ حضرتؒ انہی ایام میں شادی غمی کی رسوم کے خلاف تقریریں تھانہ بھون وغیرہ میں کررہے تھے اور بحمدللہ نفع ہورہا تھا۔ حضرتؒ نے دیکھا کہ اگر میں یہاں شریک شادی ہوگیا تو ساری محنت ضائع ہوجائے گی۔ ساتھ ہی یہ فکر بھی تھی کہ حضرت کے اکابر حضرت دیوبندی اور سہارنپوری وہاں تشریف فرما تھے۔ بڑی فکر ہوئی کیا کریں لیکن حضرت کو اپنے اکابر پر اعتماد تھا کہ وہ میرے عذر کو محسوس فرمائیں گے برا نہ مانیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے تو یہ فرمایا کہ جب فتویٰ اور تقویٰ میں خلاف ہوتا ہے تو اکثر یہی ہوتا ہے کہ وہ (یعنی حضرت تھانویؒ) تقویٰ کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت مولانا دیوبندی نے

فرمایا کہ عوام کے حالات وخیالات اوران کے مفاسد کی اطلاع جتنی انکو ہے ہمیں نہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اکابر نے تو اس طرح نوازا اور چھوٹے لوگوں کے خطوط مناظرانہ آئے۔ اور فرمایا کہ درحقیقت یہ علم احکام نہیں علم واقعات ہے علم احکام میں تو وہی حضرات اعلم واعلیٰ تھے مگر واقعات عوام شاید مجھے زیادہ معلوم ہیں اوراس میں کوئی فخر نہیں۔ آخر ہد ہد کوایسے واقعات معلوم ہو گئے جو سلیمان علیہ السلام کو معلوم نہ تھے اور بوجہ مومن ہونے کے میں ہد ہد سے کم نہیں اور ہمارے اکابر حضرت سلیمان علیہ السلام سے افضل واعلیٰ نہیں۔

ارشاد

فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ مجھے احادیث میں مذہب حنفی ایسا نظر آتا ہے جیسے آفتاب۔ اور فرمایا کہ ہمارے حضرات کا طرز درس نہایت سادہ تھا۔ بہت کتابوں کے حوالے نہ دیتے تھے کتاب کا حل کرتے اور آگے چلتے تھے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ

ایک روز دونوں ایک جگہ جمع تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ فرمانے لگے میاں ہمیں تمھاری ایک بات پر بہت رشک ہے کہ تم فقیہ بہت بڑے ہو ہمیں یہ نصیب نہیں۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا جی ہاں ہمیں چند جزئیات یاد ہو گئیں تو آپ کو رشک ہونے لگا اور آپ جو مجتہد بنے بیٹھے ہیں اس پر ہمیں کبھی رشک نہ ہوا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی قسم کھالے کہ میں فقیہہ کو دیکھوں گا تو آج کل اسکی قسم پوری نہ ہوگی۔ جبتک مولانا گنگوہیؒ کو نہ دیکھے گا۔

عوام کو مغالطہ سے بچانے کا اہتمام

حضرت مولانا شیخ محمد تھانویؒ کی ایک بنیہ پر ڈگری مع سود کے ہوگئی اور سود بھی کافی مقدار آٹھ سو روپیہ تھا مولانا نے سود لینے سے انکار فرمادیا۔ سب جج جو ایک مولوی آدمی تھے انہوں نے مولانا سے کہا کہ درمختار میں تو یہ لکھا ہے کہ لاربوا بین المسلم والحربی یعنی مسلمان اور حربی

کافر کے درمیان سود کا معاملہ بحکم سود نہیں (تو اس کافر بنیہ کو آپ کیوں رقم چھوڑ تے ہیں) حضرت مولانا نے فرمایا کہ یہ مسئلہ تو مجھے بھی یاد ہے مگر میں درمختار بغل میں دبائے کہاں کہاں پھروں گا۔ لوگوں میں تو چرچا یہ ہوگا کہ شیخ محمد نے سود لیا۔

عمل میں احتمال ریاء کے سبب عمل کو نہ چھوڑے

کسی بزرگ سے ایک شخص نے شکایت کی کہ فلاں آدمی ریاء کاری کے طور پر ذکر اللہ کرتا ہے۔فرمایا کہ تم ریاء سے بھی ذکر نہیں کرتے ۔اسکا ذکر ریائی بھی قیامت میں ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ ہو کر پل صراط پر رہبر ہوگا۔حضرتؒ نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگ کو معلوم ہوگا کہ اس شخص کے عمل میں ریاء اور اخلاص ملے جلے ہیں ورنہ جو عمل خالص ریاء کے لئے ہو اس کا کوئی نور نہیں ہوگا۔

پھر فرمایا کہ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ کسی کام میں ریاء کا احتمال قلب میں آئے تو کام کو ہرگز نہ چھوڑے بلکہ یہ ارادہ کرے کہ کام تو میں یہ ضرور کروں گا بعد میں استغفار کرلوں گا۔

سالکین کے لئے ایک اہم نصیحت

ارشاد فرمایا کہ اچھی صورت یہ ہے کہ اگر کسی عمل میں کوتاہی کا احتمال ہو تو اسکی تحقیق اور کاوش میں نہ پڑے بلکہ اس کو واقع سمجھ کر استغفار کرے جیسے کسی راستہ میں دلدل ہو اور یہ خیال پیدا ہو کہ شاید پاؤں خراب ہوا ہو تو راہرو کو نہ چاہیے کہ اس کا مطالعہ کرنے بیٹھ جائے کہ کہاں لگا اور کیا لگا بلکہ جب کہیں پانی ملے دھوڈالے۔حدیث کی تعلیم ولکن سددو اوقاربوا کا یہی خلاصہ ہے۔

تعلیم میں سہولت

فرمایا کہ میں تعلیم میں زیادہ مستحبات کا اہتمام نہیں کرتا۔آج کل تو لوگ واجبات ہی سے بری ہوجائیں تو غنیمت ہے۔

ضیاء القلوب میں ذکر و مراقبہ وغیرہ کی شرائط کا درجہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے ضیاء القلوب حضرت حاجی صاحبؒ سے سبقاً پڑھی ہے اس میں جتنی قیود ذکر کے لئے لکھی ہیں سب کے متعلق فرمایا کہ غیر ضروری ہیں اور بعض طبائع تو ان قیود سے مشوش ہو جاتی ہیں۔

مقصود اصلی اعمال نہیں بلکہ رضائے حق ہے

حضرتؒ نے فرمایا کہ لوگوں نے خلط کر رکھا ہے کہ مقصود اصلی اعمال کو سمجھ لیا ہے اور ظاہر ہے کہ اعمال میں مومن قوی اور مومن ضعیف برابر نہیں ہو سکتے اس لئے بعض آدمی غمگین ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں مقصود رضائے حق ہے اور اس میں قوی اور ضعیف اپنی اپنی قوت کے موافق عمل کر کے برابر ہو سکتے ہیں۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے صحت اور قوت میں فرق ہے قوی آدمی تندرست ہو کر بڑے بڑے کام کرنے لگتا ہے اور ضعیف باوجود تندرست ہو جانے کے وہ کام نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر اس سے وہ یہ سمجھے کہ میں تندرست نہیں ہوں تو غلط ہے۔ غرض طبیب صحت کا ذمہ دار ہے قوت کا نہیں۔ اسی طرح طریق سلوک طے کرنے سے صحت روحانی پیدا ہو جاتی ہے مگر قوت ایک فطری اور طبعی امر ہے۔ صحت روحانی کی حقیقت یہ ہے کہ اعمال ظاہرہ و باطنہ کو اخلاص کیساتھ کرنے لگے۔

صوفی کی تعریف

شیخ عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں صوفی کی تعریف عالم باعمل۔ سے کی ہے اور حقیقت یہی ہے کہ تیسیر عمل کے لئے جو تدبیریں اور طریقے اختیار کئے جاتے ہیں انہی کا نام سلوک و طریقت ہے۔

متاخرین صوفیہ کے بعض اعمال و وظائف جو سلف صالحین میں معروف نہ تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے انکے متعلق فرمایا کہ یہ بدعت کی تعریف میں نہیں آتے۔ اسکی مثال

ایسی ہے کہ کسی نسخہ میں طبیب نے شربت بزوری لکھا اور یہ شربت اس وقت عام طور پر بازار میں ملتا تھا۔ نسخہ استعمال کرنے والوں کو کوئی تکلیف نہ تھی پھر ایک ایسا وقت آ گیا کہ یہ شربت بازار میں مفقود ہو گیا تو اب کسی نے شربت بزوری کا نسخہ لکھا۔ مریض کو اس کے تمام مفردات جمع کر کے شربت بنانے کا کام کرنا پڑا۔ اب کوئی شخص اس سے یہ کہے کہ حکیم صاحب کے نسخہ میں تو صرف ایک لفظ شربت بزوری لکھا تھا یہ سارا جھگڑا جو تم نے کھڑا کیا نسخہ میں زیادتی یا بدعت ہے تو جیسا اس کا کہنا معقول نہیں اسی طرح صوفیہ کے مجوزہ خاص خاص اعمال مراقبات جو بعض باطنی امراض کا علاج ہوتے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے۔

میر زاہد

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کے استاد ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی معقولات میں اپنی سند میر زاہد سے ملائی۔ عالمگیرؒ نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا۔ عالمگیر ایسے شخص نہ تھے جو کسی ایسے شخص کو قاضی شرع کی جگہ بٹھا دیں جو شریعت کا ماہر نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر زاہد کے جو اقوال علم باری وغیرہ میں بظاہر خلاف جمہور معلوم ہوتے ہیں وہ تشبیہاً ہیں یا کوئی اور تاویل کی جائے۔

حقہ پینے کا حکم

فرمایا کہ میرے نزدیک صاف بات یہ ہے کہ یہ ایک دواء ہے۔ جو حکم اور دواؤں کا ہے وہی اس کا ہے یعنی جائز بلا کراہت۔ مگر اس میں بدبو ہے سو مسجد میں جانے کے وقت منہ صاف کرے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی علالت اور ایک ناواقف حکیم سے سابقہ

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے چند احباب کے ساتھ سکندرہ تشریف لے گئے وہاں بیمار ہو گئے۔ میزبانوں نے ایک حکیم کو بلایا۔ اس نے عجیب طرز اختیار کیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک حال بیان کیا تو چند دوائیں لکھ دیں پھر آ گے اور کچھ بیان کیا تو اور کچھ لکھ دیں۔ اسی طرح جوں

جوں کوئی حال وہ کہتے رہے حکیم صاحب دو چار دوائیں لکھتے رہے اب نسخہ ایک دفتر بن گیا۔ جب حکیم صاحب چلے گئے تو ساتھیوں نے عرض کیا کہ یہ کوئی نسخہ ہے یہ تو ایک قرابادین ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ نہیں ہم انہیں کا علاج کرینگے۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ شاہ صاحبؒ نے انکی دوا لی اور اچھے ہو گئے۔ حکیم صاحب کی شہرت ہو گئی۔ مقصد حضرت شاہ صاحبؒ کا یہی تھا کیونکہ یہ حکیم صاحب نیک آدمی تھے واقف زیادہ تھے نہیں اس لئے فقر فاقہ رہتا تھا انکو فائدہ پہنچ گیا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ جس طرح یہ حکیم ہر حال کو سن کرنئی دوا تجویز کرتے تھے آج کل کے مشائخ نے روحانی علاج میں یہی طریقہ اختیار کر دیا ہے ہر مرض روحانی کے لئے وظیفے تجویز کر رکھے ہیں عبادت میں جی نہ لگنے کا ایک وظیفہ تجویز کیا پھر اس وظیفہ میں جی نہ لگا تو اس کے لئے ایک اور وظیفہ تجویز کیا فــو بــکــم جــوا ۔ اور ضرورت اس کی ہے کہ مرض کے اسباب پر غور کر کے اسباب کا علاج کرے۔ آج کل کے ڈاکٹری انگریزی علاج میں بھی یہی سنتے ہیں کہ اسباب مرض پر زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ ازالہ مرض کی دوائیں تجویز کر دیتے ہیں وقتی طور پر مرض رفع ہو جاتا ہے پھر عود کرتا ہے۔

رسمی مناظرہ سے نفرت

ارشاد فرمایا کہ آج کل مجھے مناظرہ سے نفرت ہے اور طالبعلمی کے زمانہ میں بہت مناظرے کرتا تھا۔ سبب یہ ہے کہ آج کل مناظروں میں تحقیقِ حق تو مقصود رہا ہی نہیں۔ صرف بات کی پچ کرنے پر آدمی مجبور ہوتا ہے اس سے مجھے نفرت ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد

فرمایا کہ الحمدللہ مجھے چار چیزوں میں شرح صدر ہے مشاجراتِ صحابہ، روح، مسئلہ تقدیر، مسئلہ وحدۃ الوجود۔

مرزا قادیانی اور اکابر دیوبند

مرزا قادیانی کے متعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی رائے تو پہلے ہی سے شدید تھی اسکی کتاب براہین احمدیہ دیکھ کر فرمایا کہ اس میں عیسائیت کی بو آتی ہے مگر حضرت گنگوہیؒ شروع ہی میں نرم تھے مرزا کی طرف سے تاویلیں کرتے تھے۔ جب اس نے بالکل ہی صراحۃً نبوت کا دعویٰ اور دوسرے کفریات واضح کر دیئے تو مجبور ہو کر تکفیر فرمائی۔

نیک گمانی اور بدگمانی میں اعتدال

فرمایا کہ شیخ سعدیؒ کے دو شعر اس معاملہ میں متضاد ہیں ایک گلستان میں ہے

ہر کرا جامہ پارسا بینی — پارسادان و نیک مرد انگار

دوسرا بوستان میں ہے

نگہ دارد آن شوخ در کیسہ دُر — کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بر

گلستان کے شعر سے سب کے بارے میں نیک گمانی اور بوستان کے شعر سے بدگمانی کی تلقین معلوم ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اعتقاد کے اعتبار سے تو گلستان کے شعر پر عمل چاہیے کہ جس کا ظاہر اچھا دیکھے اس کے ساتھ نیک گمان رکھے مگر معاملات میں بوستان کے شعر پر عمل کرے کہ اپنے راز اور خاص چیزیں ہر شخص کے سامنے نہ کھولے اس میں احتیاط کرے۔

ارشاد

فرمایا کہ میں نے بزرگوں کی بہت دعائیں لی ہیں۔ فرمایا کہ میں نے کبھی اللہ کا نام لینے والے بدعتی بزرگ کی بھی توہین نہیں کی اور نہ برتاؤ خشونت کا کیا۔

حضرت مولانا دیوبندی (شیخ الہندؒ) کے متعلق حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد

جب حضرت مولانا دیوبندی حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں مکہ معظمہ حاضر ہوئے تو حضرت نے مولانا سے کوئی سوال کیا۔ مولانا نے جواب دیا جس پر حضرت حاجی صاحبؒ نے خوش

ہو کر فرمایا کہ مولوی محمد قاسمؒ نے تمھیں فقط مولوی ہی نہیں بنایا بلکہ فقیر بھی بنادیا ہے۔

رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کے بعض ملفوظات

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے شاگرد اور بہت بڑے عالم ہونے کے ساتھ کچھ کیفیات مجذوبانہ تھیں گفتگو بھی عجیب ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک جزامی آیا تھا ہم نے اسکے ساتھ کھانا کھایا وہ اتباع سنت کی برکت سے اچھا ہو گیا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ اجی ہم ایک مرتبہ بیمار ہوئے ہمیں ڈر ہوا کہ مر نہ جائیں اور ہمیں مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ رات کو خواب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زیارت ہوئی انہوں نے ہمیں سینہ سے لگایا ہم اچھے ہو گئے۔

ایک اہم ہدایت

ایک مرتبہ بہت سے حقائق و معارف کا بیان کرنے کے بعد فرمایا اور آخری بات یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو مریض سمجھے اور علاج کرتا رہے اور استغفار کرتا رہے اور اس فکر میں نہ پڑے کہ کتنا اچھا ہوا کتنا مریض ہوں معالجہ اور استغفار کرتا رہے ساری عمر اسی طرح ختم کر دے۔

فرمایا کہ جو اس طریق (تصوف) میں داخل ہوا اور اس کو تواضع نصیب نہ ہوئی تو اسکو اس طریق سے کچھ حصہ نہیں ملا۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ جو چیز حب فی اللہ کی بناء پر اخلاص کے ساتھ آئے اس میں نور ہوتا ہے اس کو ضرور استعمال کرنا چاہیے۔ ایک بزرگ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہدیہ لانے کے لئے کچھ تھا نہیں۔ راستہ میں سے خشک لکڑیوں کا ایک گٹھا باندھا اور لاکر بطور ہدیہ پیش کر دیا۔ ان بزرگ نے اسکی اتنی قدر کی کہ ان لکڑیوں کو احتیاط کے ساتھ رکھا اور وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد غسل کے لئے جو پانی گرم کیا جائے وہ اس سوختہ سے

کیا جائے۔

غیر مسلموں کے ساتھ معاملہ

فرمایا کہ حیدر آباد دکن کی ٹکسال میں ایک انگریز افسر تھا اس نے مجھے ٹکسال کی سیر بڑے اکرام کے ساتھ تفصیل سے کرائی۔ میں نے اکثر اس کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کیا کہ آپ کے اخلاق تو ایسے اچھے ہیں جیسے مسلمانوں کے ہوتے ہیں۔

اور فرمایا کہ ایک سفر میں ایک انگریز کا ساتھ ہو گیا۔ کھانے کا وقت ہو گیا تو میں نے اپنے کھانے سے اس کی تواضع کی مگر اپنے برتن میں نہیں کھلایا الگ کر کے دے دیا۔ میں نے اس میں اسکا حق جوار ادا کیا کیونکہ قرآن میں اس شخص کو بھی وقتی پڑوسی قرار دیا ہے جو کسی سفر وغیرہ میں ساتھ ہو جائے۔ والصاحب بالجنب کا یہی مطلب ہے تو پڑوسی ہونے کے اعتبار سے اس کا حق تھا وہ تو ادا کر دیا مگر اکرام و تعظیم نہیں کی۔ میرا یہی مذاق ہے کہ غیر قوموں کی نہ تحقیر کرتا ہوں نہ تکریم و تعظیم۔

اور فرمایا میں ارشاد حدیث کے مطابق اکرام ضیف تو کرتا ہوں اکرام سیف نہیں کرتا۔ ضیف کے معنی مہمان اور سیف تلوار کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مہمان کا بحیثیت مہمان کے اکرام کرنے کی حدیث میں تاکید ہے۔ لیکن کسی کے صاحب قوت و اقتدار ہونے کی وجہ سے اس کی تعظیم کا حکم نہیں۔

حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبندؒ کا اتباع سنت اور حسن ادب

حضرت خواجہ صاحبؒ نے جب یہ حدیث سنی کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں جو کا آٹا بغیر چھانے پکایا جاتا تھا تو گھر میں حکم دے دیا کہ آئندہ اسی سنت پر عمل کرنا چاہیے۔ آٹا چھانا نہ جائے۔ چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی لیکن چونکہ اس کی عادت نہ تھی سب کے پیٹ میں درد اور تکلیف ہوئی تو فرمایا کہ ہم سے ایک گستاخی ہو گئی کہ ہم نے اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ پر قیاس کر لیا۔ گویا ایک قسم دعوائے مساوات ہو گیا اس کا وبال ہم پر پڑا۔ ہم کہاں اور رسول اللہ ﷺ کہاں۔

ہمیں آپ ﷺ کے مقام سے نیچے ہی رہنا مصلحت ہے اور پھر سابق معمول کے مطابق آٹا چھان کر پکنے لگا۔

تنبیہ

مگر یہ صورت ان سنتوں کے متعلق درست ہے جو مقاصد شرعیہ میں سے نہیں ہیں جیسے آٹے کا بغیر چھانے استعمال۔ اور سنن مقصودہ میں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عمل کی نقل پوری اتارنے کی کوشش کرے۔ (محمد شفیع)

مولانا فیض الحسن سہارنپوری

آپ سے کسی نے وہابی اور بدعتی کی تعریف پوچھی تو فرمایا کہ وہابی بے ادب باایمان اور بدعتی باادب بے ایمان کا نام ہے۔

کسی موقع پر اشعار ذیل پڑھے۔ موقع محل یاد نہیں رہا مگر اشعار مفید ہیں اس لئے لکھتا ہوں (ولنعم ما قیل)۔

تاجر ما جنس درواز راہ دور آوردہ است　　از برائے داغ دل آتش زطور آوردہ است

حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات میں ہے۔

نیست کس را از حقیقت آگہی　　جملہ می میرند بادست تہی

خود حضرتؒ کا ایک شعر۔

اندریں رہ ہر چہ می آید بدست　　حیرت اندر حیرت اندر حیرت ست

عمل تسخیر کے متعلق حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کا ارشاد

ارشاد فرمایا کہ بچپن میں مجھے تعویذات کا بہت شوق تھا۔ ایک بیاض میں بہت سے تعویذات جمع کر رکھے تھے جو عرصہ ہوا جلا دی۔ اور فرمایا کہ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوبؒ سے عرض کیا کوئی ایسا عمل بھی ہے جس سے مؤکلات مسخر ہو جائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں ہے اور

آسان بھی ہے لیکن یہ بتلاؤ کہ تم خدا بننے کے لئے پیدا ہوئے ہو یا بندہ بننے کے لئے؟ اس جملے سے آنکھیں کھل گئیں اور اس فن سے نفرت ہوگئی۔

مولوی غوث علی شاہ پانی پتیؒ

کے متعلق فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کی تحقیق ان کے بارہ میں یہ ہے کہ وہ صادق تو تھے کامل نہ تھے۔

ایک اہم عمل

ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ میں اپنی طبیعت کو عقل پر غالب نہیں آنے دیتا اور عقل کو شریعت پر غالب نہیں آنے دیتا۔

ازواج مطہرات کے لئے سال بھر کا نفقہ

ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کو سال بھر کا نفقہ دے دینے کی سنت جاری فرما کر امت کے لئے آسانی فرمادی کہ وہ بھی اتباع سنت کرسکیں ورنہ آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا توکل اس قدر قوی تھا کہ اس کی حاجت نہ تھی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے چھوٹے بچوں سے کلام کے وقت بڑے آدمی تتلا کر بچوں کی طرح بولتے ہیں تاکہ انکو بولنا آسان ہوجائے۔

ارشاد

فرمایا کہ امت محمدیہ کا کمال اسی میں ہے کہ ہر شخص دوسروں کو اپنے سے بڑا سمجھے۔ اس طرح سب بڑے ہوجاتے ہیں ورنہ کوئی بھی بڑا نہیں رہتا۔

معمولاتِ سلف

ارشاد فرمایا کہ سلف صالحین کے تین معمول تھے۔ نماز تلاوت، ذکر۔ متاخرین نے صرف ذکر کو تو رکھا باقی کو چھوڑ دیا۔ اسی لئے ناقص رہے۔

مجالس حکیم الامت

مجالس رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ

اختلافی مسائل میں عدل واعتدال

فرمایا کہ کانپور میں ایک شخص نے میرے سامنے اہل بدعت کی برائی کرنا شروع کی۔ میں نے انکی طرف سے تاویلات شروع کیں جس سے وہ سمجھا کہ میں بدعتی ہوں۔ پھر اس نے غیر مقلدوں کی برائیاں بیان کرنا شروع کیں۔ میں نے انکی طرف سے تاویلات کرنا شروع کردیں اس نے متحیر ہوکر پوچھا کہ آخر آپ کا مذہب کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میرا مذہب یہ آیات قرآن ہیں کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولو علی انفسکم اور لایجرمنکم شنأن قوم علی ان لاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ۔ پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ہوجاؤ تم اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے اگرچہ یہ گواہی خود تمھارے نفس ہی کے خلاف ہو اور دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ نہ بھڑکادے تم کو غصہ کسی قوم کا اس بات پر کہ تم انصاف نہ کرو (بلکہ) تمھیں انصاف ہی کرنا چاہیے وہی تقویٰ کے قریب ہے۔

ونعم ما قال الجامی ۔

زہفتد و دو ملت کرد جامی رو بعشق تو ۔۔۔ بلے عاشق ندارد مذہبے جز ترک مذہبہا

سالک کو جو حال پیش آئے اس پر راضی رہنا چاہیے

حضرت حاجی صاحبؒ کی مجلس تھی۔ حقائق و معارف کا بیان ہورہا تھا کہ اچانک ایک شخص آیا اور اس نے ایک تعویز مانگا۔ حضرتؒ نے تقریر موقوف کرکے اس کو تعویز لکھ کردیا۔ مجلس کے لوگ دل تنگ ہورہے تھے کہ اس نے کیسے بے وقت یہ سوال کرکے مجلس کا لطف ختم کردیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ اپنے بندوں کی مصلحت کو حق تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں بعض دفعہ ایک مفید کام کا سلسلہ جاری رہنے میں کسی مفسدہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مثلاً کبر وغیرہ تو حق تعالیٰ اسکو قطع

کرا دیتے ہیں جو بظاہر لوگوں کو ناگوار گزرتا ہے مگر اس میں ان کی مصلحت مضمر ہوتی ہے اس لئے آدمی کو ابن الوقت ہونا چاہیے اور یہ ابن الوقت وہ ہے جو ابوالوقت کا قسیم ومقابل نہیں بلکہ اس معنی کے اعتبار سے ہر شخص کو ابن الوقت ہونے کی ضرورت ہے اسی کو فرمایا ہے۔

صوفی ابن الوقت باشد اے رفیق

اور فرمایا کہ بعض اوقات ایک کام ہماری نظر میں بہت اہم ہوتا ہے مگر وہ اللہ کے نزدیک کچھ نہیں ہوتا اللہ تعالی اپنے فضل سے وہ کام چھڑا کر اہم کام میں لگا دیتے ہیں۔

حقیقی خواب میں ایک نور ہوتا ہے

ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں کے خواب عموماً اضغاث احلام کی قسم سے ہوتے ہیں اور سچے خواب میں ایک نور ہوتا ہے بیان ہوتے ہی اسکی تعبیر سمجھ میں آنے لگتی ہے۔

ایک اہم نصیحت

خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ اشرف السوانح لکھنے کے لئے طویل چھٹی لیکر تھانہ بھون میں مقیم تھے۔ چھٹی ختم پر آ گئی اور کام بہت باقی تھا حضرت نے فرمایا کہ میں ہمیشہ کہتا تھا کہ مختصر مختصر جو سامنے آوے اس کو لکھ ڈالو پھر جو جو یاد آتا رہے گا اضافے ساری عمر کرتے رہنا۔ کام اسی طرح ہوتا ہے مگر کوئی بڈھوں کی بات مانتا نہیں۔ جوانی کے جوش میں جب کام لیکر بیٹھتے ہیں تو یہ خیال کرتے ہیں کہ کبھی کچھ کر ڈالیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دوست تر دارند   جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

قلب کی نگرانی ہر وقت رکھنا چاہیے

ارشاد فرمایا کہ اس طریق تصوف میں قلب کی ایسی حالت ہے جیسے چھوئیں موئیں ہر وقت نگرانی اور رذائل سے تحفظ کی ضرورت ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو دیکھا گیا کہ پانی کا مشکیزہ کاندھے پر لادے ہوئے جارہے ہیں۔ سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ دوسرے ملکوں کے وفود آئے ہوئے تھے اس وقت دربار کی ایک شان بن گئی خطرہ پیدا ہوا کہ قلب میں عجب وتکبر پیدا نہ

ہو جائے اسکا علاج کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔

حضرت کی ایک بیماری اور خلق عظیم اور رعایت حقوق وحدود

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ کی شب میں حضرت تہجد کے لئے اٹھے۔ پیشاب کے لئے بیٹھے تو ایک دورہ ایسا ہوا کہ زمین پر گر گئے نبضیں ساقط ہو گئیں پسلی در کہنی وغیرہ میں چوٹ بھی آئی۔ اٹھنا چاہا تو اٹھ نہ سکے مجبوری زمین ہی پر لیٹ گئے۔ پھر بمشکل نماز کی چوکی تک پہنچے اس وقت تک بھی گھر والوں کو از راہ شفقت بیدار نہیں کیا کچھ دیر کے بعد گھر والے بیدار ہوئے۔ صبح کو ڈاکٹروں حکیموں کا علاج شروع ہوا۔ سب کی رائے یہ ہوئی کہ حضرت چندروز مکمل آرام کریں۔ ڈاک بھی نہ لکھیں اور کسی سے ملاقات بھی نہ کریں۔ یہ انتظام بھائی شبیر علی صاحب کے سپرد ہوا کہ لوگوں کو حضرت تک نہ پہنچنے دیں باہر ہی سے حالات بتلا کر رخصت کر دیں۔

احقر کو دیوبند میں اطلاع ملی تو تھانہ بھون اس مقصد سے حاضر ہوا کہ قریب رہ کہ ہر وقت کا حال معلوم ہو سکے گا۔ ملاقات کے متعلق تو معلوم ہو گیا کہ ڈاکٹروں نے ممانعت کر دی ہے اس لئے احقر کا خیال تھا کہ اپنی حاضری کی اطلاع بھی حضرت تک نہ پہنچاؤں گا مگر ہوا یہ کہ میں شب میں تھانہ پہنچا صبح کا وضو حوض پر کر رہا تھا کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ کا چھوٹا بچہ قریب آکر وضو کرنے لگا۔ وہ مجھے پہچانتا تھا اس نے بغیر میری اطلاع کے گھر میں جا کر میرے آنے کی اطلاع حضرت کو کر دی۔

حضرت نے غایت شفقت سے یہ ارادہ فرمایا کہ تھوڑی دیر کے لئے مجھے اس طرح بلائیں کہ بھائی شبیر علی صاحبؒ کو اطلاع نہ ہو کیونکہ وہ ملاقاتوں کی ممانعت کے لئے مامور تھے۔ اس لئے اپنے خادم سلیمان سے فرمایا کہ مولوی شفیع کو بھیج دو۔ سلیمان کو معلوم تھا کہ آج کل حضرت بجز بھائی شبیر علی صاحب کے کسی کو نہیں بلواتے۔ وہ میرے نام میں حرف شین کے اشتراک سے یہ سمجھا کہ بھائی شبیر علی کو بلوایا ہے جا کر ان سے کہہ دیا وہ حاضر ہوئے تو حضرت نے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ ہم نے تو آپ سے چوری کر کے ایک کام کرنا چاہا تھا اللہ کو منظور نہ تھا چوری کھل گئی۔ میں مولوی شفیع کو

بلانا چاہتا تھا۔ بھائی شبیر علی صاحب نے خیال فرمایا کہ میں نے خود حضرت سے کوئی درخواست ملاقات کی کی ہے یا کم از کم اپنی حاضری کی اطلاع کردی ہے اس لئے مجھ سے خفا ہوتے ہوئے تشریف لائے کہ آپ لوگوں کو حضرت کی راحت اور صحت کی پرواہ نہیں۔ اپنی ملاقاتوں کی فکر میں رہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا مجھے قطعاً کوئی علم نہیں کہ حضرت کو میری حاضری کی اطلاع پہنچ گئی میں نے کسی سے نہیں کہا۔

خلاصہ یہ کہ بھائی شبیر علی صاحب نے مجھے حضرت کے زنانہ مکان میں جہاں حضرت فرد کش تھے پہنچادیا اور بہت تاکید کی کہ چند منٹ سے زیادہ نہ بیٹھنا۔ چنانچہ احقر نے مختصر ملاقات اور مزاج پرسی کے بعد اٹھنا چاہا تو حضرت نے روک لیا اور کچھ دیر تک ارشادات فرماتے رہے اسکے بعد فرمایا کہ اچھا بس اب میرا جی بھر گیا۔ میں رخصت ہو گیا۔

اس ذرۂ بے مقدار اور ناکارہ وآوارہ کو دیکھئے اور حضرت قدس سرہ کی جلالت شان کو اور پھر اس پر ضعف وعلالت کے سبب اطباء کی مخالفت کو اور حضرت کے اس معاملہ کو ملاحظہ فرمائیے۔

خاشاک بین کہ بردل دریا گزر کند

اور ان سب چیزوں کے ساتھ یہ رعایت کہ بھائی شبیر علی صاحب کے انتظام میں خلل نہ آئے اور ان کو ناگواری نہ ہو۔ کتنی رعائتیں اس مختصر سے واقعہ میں ہیں اور درحقیقت دین کی اصل ہی حقوق وحدود کی رعایت ہے۔

مسٹر جناح قائدِ اعظم کا ایک خط حضرت کے نام

رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ ہی کا زمانہ تھا کہ حضرت کو یہ معلوم ہوا کہ مسلم لیگ اور کانگرس میں باہمی مصالحت کی گفتگو ہو رہی ہے اور مسٹر جناح گفتگو کرنے والے ہیں۔ حضرتؒ کو یہ فکر ہوئی کہ مسٹر جناح شرعی احکام سے واقف نہیں کہیں اس مصالحت میں کچھ خلاف شرع شرائط پر صلح نہ ہو جائے تو مسلمانوں کے لئے بڑی مشکل ہو گی اس لئے مسٹر جناح کے نام اس مضمون کا خط لکھا کہ محض سیاسی اور اقتصادی معاملات میں تو آپ کو کچھ بتلانے کی ضرورت نہیں لیکن مذہبی امور میں

آپ کو ان سے مصالحت کرنے کا حق اس وقت تک نہیں ہے جب تک آپ علماء ماہرین سے مسودہ صلح دکھلا کر مشورہ نہ کرلیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی امر خلاف شرع طے ہو جائے پھر دشواریاں پیدا ہوں اس کے جواب میں مسٹر جناح صاحب کا خط انگریزی میں آیا جسکا ترجمہ یہ ہے۔

خط قائداعظم:۔ مجھ کو مولانا مظہر الدین نیز نواب زادہ لیاقت علی صاحب سے گفتگو کرنے کا موقع ملا اور میں بہت زیادہ خوش ہوا یہ معلوم کر کے کہ آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کے مقصد اور پروگرام سے پوری ہمدردی ہے مجھ کو آپ کا خط ملا لیکن موجودہ متعدد مشاغل اور عدم حاضری بمبئی کے سبب آپؒ کو جواب اس سے قبل نہ دے سکا۔

چند نکات جو میرے سامنے پیش کئے گئے میں نے ان کو بغور تحریر کرلیا ہے اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ان کے متعلق آپ سے ضرور مشورہ کروں گا جب وقت آوے گا۔

آپ کی مہربانی کا شکریہ

احقر کے محررہ فتاویٰ کا نام حضرت کی طرف سے

حضرت قدس سرہ کو اپنے شیخ کے ساتھ ایسا شغف تھا کہ اپنے سارے ہی کاموں کو شیخ کے نام سے موسوم فرمایا۔ خانقاہ کا نام خانقاہ امدادیہ، مدرسہ کا نام امدادالعلوم رکھا اپنے فتاویٰ کا نام امداد الفتاویٰ رکھا۔ پھر مولانا ظفر احمد صاحب نے وہاں فتاویٰ کا کام شروع کیا تو اس کا نام امداد الاحکام۔ ان کے بعد مفتی عبدالکریم صاحب نے تھانہ بھون میں فتاویٰ کا کام شروع کیا تو اسکا نام امداد المسائل تجویز فرمایا پھر ۱۳۴۹ھ میں احقر کے سپرد دارالعلوم دیوبند میں خدمت فتویٰ کی گئی تو میرے فتاویٰ کا نام امداد المفتیین رکھا۔ بعض مسائل میں بعد میں ترمیم یا تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی تو اسکا نام اختیار الصواب فی مختلف الابواب تجویز فرمایا۔ (رمضان ۱۳۵۸)

حضرت کی کرامت یا تصرف

• حضرتؒ کے ایک خاص عزیز جو عالم صالح ہیں انہوں نے خود بیان فرمایا کہ اوائل شباب میں میرا قلب حسن صورت سے بہت متعلق ہو جاتا تھا۔ میں نے حضرت سے اسکی شکایت کی تو

حضرت نے فرمایا کہ اچھا آج شب کو تین بجے تہجد کے وقت مکان پر آ جانا۔ میں حاضر ہوا تو اول حضرت نے مجھے بٹھا کر فرمایا کہ عزیزم داعیہ تو ایک فطری امر ہے وہ تو کسی اصلاح وتدبیر سے زائل نہیں ہوسکتا اور فی نفسہ مذموم بھی نہیں۔ اور جب تک محل مذموم میں صرف نہ ہو اسکی فکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

البتہ میں ایسی تدبیر کرتا ہوں کہ جس سے تمھاری کلفت اور پریشانی رفع ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور تقریباً آدھے گھنٹے لگائے رکھا پھر چھوڑ دیا۔ اس دن سے آج کا دن ہے کہ الحمد للہ مجھے کبھی ابتلاء نہیں ہوا۔ (۲۴ رمضان ۱۳۵۸ھ)

عارف وغیر عارف کی عبادت میں تفاوت

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ عارف کی دو رکعت غیر عارف کی ایک لاکھ کے برابر ہیں (احقر جامع کہتا ہے) کہ اسکی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں صحابہ کرام کے اللہ کی راہ میں ایک مد خرچ کرنے کو دوسروں کے جبلِ احد کے برابر خرچ کرنے سے بھی افضل فرمایا ہے۔

معمولات کی پابندی کا حیرت انگیز اہتمام

رمضان ۱۳۵۷ھ میں اطباء کے مشورہ سے حضرت نے بعد عصر شہر سے باہر تشریف لیجانے کا معمول بنایا تھا بعض حاضرین خانقاہ نے ساتھ چلنے کی اجازت لے لی تھی ان میں احقر بھی شامل تھا۔ عصر کے بعد چہل قدمی کا یہ معمول حضرتؒ نے بنا رکھا تھا کہ نالہ کے ریلوے پل تک تشریف لے جاتے اور وہاں سے واپس آ جاتے تھے۔ معمولات کی پابندی حضرت کی طبیعت ثانیہ بنی ہوئی تھی۔ کسی روز طبیعت کسلمند ہوئی کہ چلنے کو دل نہیں چاہتا پھر بھی اس معمول کو ناغہ نہ فرماتے تھے۔

ایک روز اس سفر کے منتہٰی ریلوے پل سے پہلے گائے بیل جانوروں کا ایک بڑا گلہ سامنے آ گیا اور گرد وغبار کی وجہ سے اس راستہ پر چلنا مشکل ہو گیا۔ معمول کے مطابق جتنا چلنا تھا اس میں سو پچاس قدم کی کمی رہ گئی تو یہیں سے واپس ہو جانے کے بجائے راستہ بدل کر جتنے قدم کی کمی تھی

اسکو پورا کرنے کے بعد واپس ہوئے۔

یہ پابندی ایسے امور سے متعلق ہے جو مقاصد نہیں زوائد میں سے ہیں۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مقاصد میں کس قدر پابندی ہوگی۔ ایک روز اسی سیر کے درمیان فرمایا کہ جن معمولات کا تعلق کسی دوسرے سے ہو میں انکی بہت پابندی کرتا ہوں اور جو خود میرے نفس سے متعلق ہیں ان میں بہت آزاد رہتا ہوں۔دوپہر کا آرام کبھی کرتا ہوں کبھی نہیں۔اسی طرح دوسری چیزیں ہیں۔

عصر کے بعد کی سیر میں پندنامہ کا درس

اس مرتبہ میرے ساتھ میرے لڑکے محمد زکی بھی تھے جنکی عمر اس وقت بہت تھوڑی تھی۔ فارسی پڑھتے تھے حضرتؒ بچوں پر بہت شفقت فرماتے تھے۔یہ بچہ حضرت کی خدمت میں جو چاہتا کہہ لیتا تھا ایک روز حضرت سے درخواست کی کہ مجھے پندنامہ عطار پڑھادیں۔ بچہ کی درخواست رد کرنا پسند نہ فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اور تو کوئی وقت خالی نہیں عصر کے بعد جب ہم چہل قدمی کے لئے جنگل جاتے ہیں راستہ میں پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ یہ درس شروع ہوا پھر تو خانقاہ میں مقیم متعدد علماء نے بھی اس میں شرکت کی اجازت لے لی۔احقر بھی حاضر رہتا تھا۔اس درس کا ایک ملفوظ یہ یاد رہا۔قرب سلطان کی مذمت جو پندنامہ میں لکھی ہے اس پر ارشاد فرمایا کہ قرب سلطان میں اول تو دنیوی خطرہ بھی ہر وقت رہتا ہے۔ذرا نظر بدلی تو مصیبت کھڑی ہوگئی اور دینی مفسدہ بڑا ہے وہ یہ کہ ان کے سامنے حق گوئی بڑی مشکل ہے بالخصوص اس وجہ سے کہ شریعت نے خود بھی انکے ادب کی رعایت کا حکم دیا ہے۔ (۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ)

جس عورت کا کوئی محرم حج میں ساتھ نہ ہو کسی با محرم عورت کے ساتھ اسکا سفر

باہر سے ایک سوال آیا کہ ایک صاحب حج کو جارہے ہیں انکے ساتھ ان کی خالہ بھی ہیں اور ایک دوسری معمر عورت جو انکی محرم نہیں ہے وہ بھی انکی خالہ کے ساتھ سفر حج میں شریک ہونا چاہتی ہے کیا یہ جائز ہے؟ حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا:۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! حنفی مذہب میں تو اس صورت میں بھی اجازت نہیں اور شافعی مذہب میں اگر ثقہ عورتیں ہمراہ ہوں تو اجازت ہے اور حنفی کو کسی خاص مسئلہ میں شافعی کی تقلید بوقت ضرورت جائز ہے۔ ضرورت کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا۔ (اشرف علی ۲۱ رمضان ۱۳۵۷ھ)

حضرت نظام الاولیاءؒ کے خلیفہ حضرت حسنؒ کے ایک شعر پر تضمین

حضرت سلطان نظام الاولیاء قدس سرہ کے ایک خلیفہ حضرت حسنؒ تھے جو شروع میں حضرت نظام الاولیاء کے قدموں میں پڑے اور سلوک میں کمال حاصل کر کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ انکا ایک شعر ہے۔

اے حسن تو یہ آن گہے کردی — کہ ترا طاقت گناہ نماند

احقر نے اسی ردیف وقافیہ میں چند اشعار لکھے تھے۔

بس شمردم گناہ زید و عمر — چون زعیب خود انتباہ نماند

چون نظر بر گناہ خود افتاد — گنہ ہیچ کس گناہ نماند

بر درت آنگہے رسیدہ شفیع — کہ در دیگرش پناہ نماند

عجبے تے ز راہ در ماندن — لیک کس چون من تباہ نماند

در چنیں جود و فیض محروے — ہمچو این ننگ خانقاہ نماند

مددے اے نگاہ پیر مغان — غیر آن بہر بندہ راہ نماند

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ کا ایک شعر

فقر میں بھی سر بسر کبر و غرور و ناز ہوں — کس کا نیاز مند ہوں سب سے جو بے نیاز ہوں

(محمد شفیع)

مسودات سے تبییض کی گئی۔ ۳ محرم ۱۳۹۳ھ

مجالس حکیم الامت

ربیع الاول ۱۳۵۸ھ میں احقر بیمار ہوا اور بیماری نے طول پکڑا۔ دارالعلوم سے کچھ عرصہ کی رخصت لی یہ فرصت بیماری تھانہ بھون میں گزارنے کا قصد کر کے حاضر ہو گیا۔ ۵ ربیع الثانی سے ۱۸ جمادی الاول ۵۸ھ تک کے تقریباً چالیس روزہ قیام میں اشرف المجالس سے جو کچھ اقتباسات بیماری کے باوجود حاصل کئے اس کا کچھ حصہ لکھا جاتا ہے۔

ذکر اسم ذات اللہ اللہ!

بعض علماء صرف اسم ذات یعنی اللہ اللہ کے ذکر کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ماثور و منقول نہیں، اسی لئے بعض علماء نے اس کو بدعت تک کہہ دیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں ہے واذکر اسم ربک بکرۃ واصیلا۔ یعنی یاد کرو نام اپنے رب کا صبح اور شام۔ یہاں لفظ اسم کو بہت سے حضرات مفسرین نے مقحم (یعنی زائد) قرار دیا ہے اور فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ اپنے رب کو یاد کیا کرو۔ لیکن یہ احتمال بھی کچھ بعید نہیں کہ لفظ اسم کو زائد نہ کہا جائے تو مراد یہ ہوگی کہ اپنے رب کا نام ذکر کیا کرو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ رب کا نام اللہ ہے اس سے ذکر اسم ذات مدلول قرآنی بن جاتا ہے۔ انتہی

احقر کہتا ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے بعض ایسی آیات کی تفسیر میں جہاں اسم ربک آیا ہے یہی مفہوم لیکر ذکر اسم ذات اللہ اللہ کو اس کا مدلول قرار دیا ہے واللہ اعلم

حضرت نے فرمایا کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت واذکر اسم ربک بکرۃ واصیلا یہ سلوک طریق حق کے مبتدی کے متعلق ہے کہ مبتدی کا پہلا کام نام کی رٹ لگانا ہے اس کے بعد دوسری آیت میں جو وتبتل الیہ تبتیلا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ منتہی کا حال ہے کیونکہ ابتداء اس طریق کی ذکر اللہ کی کثرت سے ہوتی ہے اور انتہا ساری مخلوق سے کٹ کر صرف خالق کا ہو رہنا ہے

اپنی تواضع کے ساتھ مریدوں کی تربیت کا خاص اہتمام

فرمایا کہ ایک صاحب نے حضرت حاجی صاحب کی مجلس میں آپ کے فیوض و برکات جو ہر وقت مشاہدہ میں آتے تھے بیان کئے تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ مجھ میں کیا رکھا ہے سب تمھارے ہی اندر ہے اس کا ظہور میرے ذریعہ سے ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تم ایسا مت سمجھنا۔ سبحان اللہ یہ ہے خاصہ تربیت کہ اپنی تواضع اور مرید کی مصلحت دونوں کو جمع فرما دیا۔

محقق صوفیہ کرام سے نفع عظیم اور گمراہ صوفیوں سے امت کا ضرر عظیم

فرمایا کہ صوفیہ کرام سے امت کو اتنا نفع پہنچا ہے کہ اور کسی سے اتنا نفع نہیں پہنچا۔ مگر گمراہ اور اہل باطل مدعیان تصوف سے امت کو ضرر بھی اتنا پہنچا کہ کسی کافر سے بھی اتنا ضرر نہیں پہنچا۔ اور فرمایا کہ نواب قطب الدین صاحب مصنف مظاہر حق نے غالباً امام مالکؒ کے حوالہ سے لکھا ہے من تفقه ولم يتصوف فقد تفسّق و من تصوف ولم يتفقد فقد تزندق ومن جمع بينهما فقد تحقق یعنی جو شخص فقیہ ہو جاوے مگر صوفی نہ ہو وہ خشک بے کیف و بے نور رہتا ہے اور جو صوفی ہو گیا فقیہ نہ ہوا وہ زندیق اور ملحد ہو گیا۔ اور جس نے دونوں کو جمع کر لیا وہ محقق ہو گیا۔

عراقی اور شمس تبریز

یہ دونوں بزرگ صوفیائے کرام میں معروف و مشہور بڑے باکمال حضرات ہیں دونوں ایک بزرگ کی خدمت میں فیض باطنی حاصل کرنے کے لئے جاتے تھے۔ عراقی ایک بڑے عالم ہونے کے ساتھ بڑے فصیح و بلیغ شاعر بھی تھے۔ اپنے حالات نظم میں لکھ کر شیخ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ شمس تبریز لکھنے پڑھنے کے عادی نہ تھے معمولی زبان میں حالات لکھتے اور پیش کرتے تھے۔ ایک روز شیخ نے ان سے کہا کہ آپ عراقی کی طرح اپنے حالات نظم اور بلیغ انداز میں کیوں نہیں لکھتے۔ شمس تبریز اس سوال پر دلگیر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھ میں یہ لیاقت نہیں ہے شیخ نے انکے جواب میں فرمایا کہ غم نہ کرو اللہ تعالیٰ تمھیں ایک زبان دیگا جس کے ذریعہ تمھارے علوم و فیوض

دنیا میں پھیلیں گے۔

ان بزرگ کی پیشین گوئی مولانا رومیؒ کی شکل میں پوری ہوئی۔ مولانا رومیؒ شمس تبریزؒ کے مرید ہوئے اور ان سے باطنی فیوض حاصل کئے۔ پھر اپنی مثنوی کے ذریعہ ان کو بیان کیا۔ قدرت نے اس کو ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی دنیا کے ہر خطے میں پڑھی جاتی ہے مختلف زبانوں میں اس کے نظم و نثر ترجمے کئے جاتے ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ جو شخص اللہ کا ہو رہے اس میں جو کمی کوتاہی بھی ہوتی ہے اسکو حق تعالیٰ مختلف انداز سے پورا فرما دیتے ہیں۔ شمس تبریزؒ جیسے بے زبان بزرگ کو ایسی زبان عطا فرمادے کہ وہم و قیاس سے زیادہ انکے فیوض کو دنیا میں پہنچا دیا۔ حضرتؒ نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ ہمارے حاجی صاحبؒ قدس سرہ علوم میں معروف اور صاحب تصنیف نہ تھے مگر حق تعالیٰ نے انکے اخلاص و عبادت کی برکت سے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو انکی زبان بنا دیا ان کے ذریعے کتنے علم و معرفت کی نہریں دنیا میں رواں ہوئیں اور انکے فیوض و برکات دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے۔

اور خود سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی دینی تبلیغی تصنیفی خدمات اتنی ہیں کہ آخری دور میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت ہے۔

حروف و کلمات کا ادب

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک روز بیت الخلاء میں تشریف لے گئے پھر فوراً ہی گھبرا کر واپس آئے اور ناخن پر جو قلم کی نوک سے ایک نقطہ لگا ہوا تھا اسکو دھونے کے بعد بیت الخلاء میں گئے۔ یہ تھا ان حضرات کا ادب جسکی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کو درجات عالیہ عطا فرمائے تھے۔ آج کل تو اخبار و رسائل کی فراوانی ان میں قرآنی آیات احادیث اور اسماء الٰہیہ ہونے کے باوجود گلی کوچوں میں غلاظتوں کی جگہوں پر بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں العیاذ باللہ العلی العظیم اور معلوم ہوتا ہے کہ

اس وقت کی دنیا جن عالمگیر پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے اس میں اس بے ادبی کا بھی بڑا دخل ہے۔

ملا دو پیازے

فرمایا کہ ملا دو پیازہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے شاگرد ہیں اور بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ بڑے لوگوں بادشاہوں میں تبلیغ حق کے لئے ایسی وضع اور صورت بنا رکھی تھی جو مسخرے لوگوں کی ہوتی ہے اور بھی بہت سے بزرگوں نے ایسا کیا ہے۔

خوش پوشاک ہونا حدود کے اندر ہو تو کوئی عیب نہیں

فرمایا کہ ایک صاحب یہاں آئے تھے مجھ میں دو عیب لگائے۔ انکو میرے حقیقی عیبوں کی تو خبر نہ تھی۔ ایک عیب یہ کہ خوش پوشاک ہیں دوسرے یہ کہ لطائف کی مشق نہیں کراتے۔ میں کہتا ہوں کہ اول تو خوش پوشاک ہونا کوئی عیب نہیں۔ اگر حق تعالیٰ کسی کو مال دیں اور وہ اچھا کپڑا پہنے تو اسمیں حرج کیا ہے۔ دوسرے میں خوش پوشاکی کا اہتمام کبھی نہیں کرتا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی چکن خرید کر پہنی ہو بلکہ جب خود بناتا ہوں تو سادہ ململ لٹھے کا بناتا ہوں۔ اور دل تو یہ چاہتا تھا کہ گاڑھا (کھدر) پہنوں مگر ایک مرتبہ نین سکھر (کھدر) کا کرتہ میں نے پہن لیا تمام بدن میں مرچیں لگنے لگیں معلوم ہوا کہ میں اس کا محتمل نہیں۔

ہاں لوگ جو لباس بنا کر بھیجتے ہیں اس میں یہ معمول ہے کہ اگر بنانے سے پہلے مجھ سے مشورہ کرتے ہیں تو تکلف کے کپڑے کو منع کرتا ہوں اور بلا اطلاع بنالائیں تو دیکھتا ہوں اگر میری حیثیت سے بہت زیادہ ہو تو نہیں پہنتا اور کچھ تھوڑا سا زائد ہو تو پہن لیتا ہوں۔

بزرگوں کے درجات قائم کرنا

فرمایا کہ بہت سے لوگ بزرگوں کے باہمی تفاضل اور درجات پر بحثیں کیا کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اپنی رائے سے ان حضرات کے تفاضل اور درجات کا پہنچانا سخت دشوار ہے بلکہ اسکی صحیح صورت یہ ہے کہ ان کے معاصرین اہل علم و بصیرت بزرگوں کا معاملہ دیکھا جائے کہ

ان بزرگوں کے ساتھ کیا تھا جس کو وہ افضل سمجھتے ہوں وہ افضل اور جسکو مفضول سمجھتے ہوں وہ مفضول ہے۔ اسی بناء پر ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے درمیان تفاضل میں گفتگو کے وقت ہمارے بعض اکابر نے فرمایا کہ ہم نے بزرگوں کو یہ دیکھا کہ وہ بہ نسبت حضرت شاہ اسمٰعیلؒ کے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی عظمت زیادہ کرتے تھے۔

ایک شاعرانہ لطیفہ

ایک صاحب نے اپنے خط میں حضرتؒ سے چند فرمائشیں لکھیں اور اس کے ساتھ یہ شعر لکھا ؎

عاشق کے دل کو توڑ و لیکن ذرا سنبھل کر　　　لاتقنطوا کو دیکھو یہ کس کی گفتگو ہے

حضرتؒ نے فی البدیہہ جواب میں یہ شعر لکھ دیا ؎

عاجز کے دل کو توڑ و لیکن ذرا سنبھل کر　　　لاتظلموا کو دیکھو یہ کس کی گفتگو ہے

اور لکھا کہ میں ان فرمائشوں کے پورا کرنے پر قادر نہیں اور غیر قادر کو مجبور کرنا ظلم ہے۔

حضرتؒ نہ شعر شاعری کو پسند کرتے تھے نہ کبھی یہ مشغلہ رہا لیکن فطری ذوق سلیم اور طبیعت کی شگفتگی سے جب کبھی کوئی شعر کہا تو بڑا چست اور وزنی ہوتا تھا ایک مرتبہ اپنا ایک شعر سلوک راہ حق کے متعلق فرمایا ؎

اندریں رہ آنچہ می آید بدست　　　حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

اسی ذوق لطیف کا ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کے مریدین میں ایک صاحب خورجہ کے رہنے والے محمد یوسف نامی تھے۔ ذاکر شاغل صاحب حال مگر نیم مجذوب قسم کے آدمی تھے ایک مرتبہ تھانہ بھون پہنچے وہاں سے جلال آباد گئے جہاں ہمارے شیخ الشیوخ حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ کا قیام رہا تھا۔ وفات کو عرصہ ہو چکا تھا۔ وہاں جا کر یہ تحقیق کی کہ حضرت میاں جی صاحبؒ کا کوئی دیکھنے والا اب موجود ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ ایک بڈھا بنیا ہندو ہے۔ اسکے پاس پہنچے پوچھا کہ تم نے حضرت میاں جی صاحبؒ کو دیکھا ہے اس نے کہا ہاں دیکھا ہی نہیں ان کے مکتب میں پڑھا بھی ہوں۔ محمد یوسفؒ صاحب خورجوی نے کہا کہ جب تم نے ان سے پڑھا ہے تو کبھی

تمھیں مارا بھی ہوگا اس نے کہا کہ ہاں کئی مرتبہ۔ فرمایا کہ کہاں مارا تھا اس نے اپنی گدی کی طرف اشارہ کیا۔

یوسف صاحبؒ عاشق مزاج بزرگوں کی محبت میں مغلوب الحال تھے لگے اس کی گدی چومنے حضرت کو لوگوں نے یہ واقعہ سنایا تو آپ نے برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

عشق را نازم کہ یوسف را بازار آورد　　　ہمچو صغا زاہدے راز یرز نار آورد

یہ شعر بہت پہلے کسی بزرگ کا ہے مگر اس واقعہ پر شعر کی اصل مراد سے بھی زیادہ چسپاں ہو گیا۔

بعض اوقات مرید سے شیخ کو اور شاگرد سے استاد کو فیض پہنچتا ہے

ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ کا تجربہ ہے کہ کتاب پڑھانے کے وقت جب مطالعہ کیا تو بعض مقامات پر اشکال پیش آیا۔ حل نہیں ہوا سبق پڑھانے بیٹھے تو بات سمجھ میں آ گئی۔ یہ بلاشبہ طلبہ کی برکت تھی۔ اسی طرح بعض اوقات کسی مخلص مرید کی برکت سے حق تعالیٰ شیخ پر مشکل مقامات کھول دیتے ہیں۔ اس لئے کسی شیخ اور مصلح کو ناز نہیں کرنا چاہیے کہ ہم لوگوں کو نفع پہنچاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ جس پر کرم فرماتے ہیں اور اس سے اصلاح خلق کی خدمت لیتے ہیں تو اس خدمت ہی کی برکت سے انکو علوم و معارف اور درجات عالیہ دیئے جاتے ہیں۔ اگر وہ اس خدمت کو ترک کر دیں تو سب حالات رفیعہ سے محروم ہو جائیں۔ جس کنویں سے پانی نکالنے والے کم ہو جائیں یا کوئی نہ رہے اسکے سوتے بند ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ شیخ موصل ہے بعد وصول الی الحق کے وہ بھی علیحدہ ہو جاتا ہے بس مرید رہتا ہے اور اللہ میاں۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے مشاطہ اور دولھن کہ دولھن کو خلوت میں پہنچا کر مشاطہ رخصت ہو جاتی ہے مولانا رومیؒ نے فرمایا ؎

جلوہ بیند شاہ و غیر شاہ نیز　　　وقت خلوت نیست جز شاہ عزیز

البتہ یہ بات پھر بھی رہتی ہے کہ شیخ کی مخالفت کرے گا تو سب مقامات سلب ہو جاتے ہیں کیوں کہ یہ ناشکری ہے۔

میرے والد ماجد کی ایک حکایت از مولانا محمد یعقوب صاحبؒ

حضرتؒ کو اپنے اساتذہ میں سب سے زیادہ گہرا تعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے تھا اور میرے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحبؒ بھی حضرتؒ کے ہم سبق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے شاگرد تھے اور دوسرے شاگردوں سے زیادہ خصوصیت رکھتے تھے۔ والد ماجد نے اپنا ایک واقعہ سنایا تھا جس کو حضرتؒ نے بھی بارہا اپنی مجالس میں ذکر فرمایا۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ دیر تک مصروف گفتگو رہے۔ والد ماجد اس زمانے میں پچھلے بزرگوں کے حالات کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اگر چہ صاحب جلال بزرگ مشہور تھے مگر والد صاحب پر خاص عنایات تھیں اس لئے بے تکلف ایک سوال پیش کر دیا کہ بزرگان سلف میں اس کا بڑا اہتمام تھا کہ کلام کم کیا جائے۔ زیادہ گفتگو سے منع فرماتے تھے۔ اس کی حد کیا اور اسکا کیا مطلب ہے۔

حضرت نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ اصل مقصد تو ناجائز کلام سے بچنا ہے مگر بعض اوقات ناجائز سے بچنے کے لئے بطور علاج کے جائز ومباح کلام کو بھی ترک کرنا پڑتا ہے کیونکہ اس کے بغیر نفس صرف جائز کلام پر قناعت نہیں کرتا۔ شدہ شدہ حرام وناجائز میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ والد صاحب ایک کتاب ہاتھ میں لئے ہوئے تھے اسکو اپنے ہاتھ میں لے کر اسکے ایک ورق کو موڑ دیا۔ پھر والد صاحب کو دیا کہ اس مڑے ہوئے ورق کو سیدھا کرو۔ والد صاحب نے سیدھا کر دیا مگر وہ پھر مڑ گیا اور بار بار ایسا کرنے پر بھی سیدھا نہیں ہوا تو حضرت مولانا نے پھر کتاب اپنے ہاتھ میں لیکر اس مڑے ہوئے ورق کو دوسری طرف موڑ دیا اور پھر والد صاحب کو دیا کہ اب سیدھا کرو۔ والد صاحب نے اسکو سیدھا کیا تو وہ سیدھا ہو گیا اور اپنی جگہ ٹھہر گیا۔ یہ محسوس مثال دکھلانے کے بعد فرمایا کہ صوفیائے کرام جو مجاہدات کراتے ہیں اسکی یہی مثال ہے کہ اصل مقصود تو اعتدال پر قائم رہنا ہے لیکن خم خوردہ نفس اعتدال پر اس وقت تک نہیں آتا جب تک اسکو بالکل دوسری طرف نہ

موڑ دیا جائے۔ یعنی بہت سے مباحات اور جائز امور سے بھی روک دیا جاتا ہے۔ تب وہ اعتدال پر آتے ہیں کہ ناجائز سے بچنے لگیں۔ یہ مجاہدات خود مقصود نہیں ہوتے بلکہ علاج ہوتے ہیں۔ جو اس حقیقت پر غور نہیں کرتے وہ ان صوفیائے کرام پر اعتراض کرنے لگتے ہیں کہ حلال چیزوں سے روکتے ہیں حالانکہ انکا روکنا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کوئی حکیم معالج اپنے مریض کو کسی پاک صاف حلال طیب چیز کے کھانے سے اس لئے روکتا ہے کہ وہ اسکے مزاج میں بیماری پیدا کردے گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس نے خدا کے حلال کو حرام کر دیا۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے ایک آیت کی تفسیر

فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں جو یہ آیت آتی ہے **لاعاصم الیوم الامن رحم** اس کی تفسیر میں اکثر آئمہ تفسیر نے یہ فرمایا ہے کہ یہاں عاصم بمعنی معصوم ہے۔ فرمایا کہ اس میں تکلف ہے اور بے تکلف تفسیر یہ ہے کہ یہاں اصل میں دو جملے تھے ایک **لاعاصم الیوم الاللہ** دوسرا **لامعصوم الامن رحم**۔ ان دونوں کو ملا کر ایک جملہ میں ادا کر دیا گیا **لاعاصم الیوم الامن رحم**۔

مولانا جامیؒ کے ایک شعر کا صحیح مفہوم

مولانا جامیؒ نے مولانا روم کی مثنوی کے متعلق فرمایا ہے ۔

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

اسکا ظاہر مطلب لیا جائے تو غلط ہوتا اسکا ظاہر ہے اور شاعرانہ مبالغہ پر محمول کرنا بھی رسول وقرآن کے معاملہ میں مولانا جامی سے بہت بعید ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے حاجی صاحبؒ اس کی تشریح یہ فرماتے تھے کہ یہاں قرآن سے مراد قرآن معروف نہیں بلکہ کلام الٰہی ہے جو وحی متلو اور غیر متلو دونوں کو شامل ہے۔ اس تشریح پر کوئی اعتراض نہیں رہتا کیونکہ مضامین مثنوی قرآن و سنت سے باہر کہیں نہیں۔

دفع آسیب کے لئے حاضرات کا مسئلہ

ایک صاحب نے حضرتؒ سے خط میں سوال کیا کہ آسیب کے علاج کے لئے کچھ لوگ حاضرات کا عمل کرتے ہیں اس میں بعض غیر مشروع چیزیں بھی کی جاتی ہیں اسکوا گر دواء کیا جائے تو کیا جرم ہے۔ جبکہ فقہاء کے نزدیک دواء وعلاج کے لئے بعض حرام چیزوں کے استعمال کے جواز پر فتویٰ بھی منقول ہے۔

حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ اس تدبیر سے آسیب دفع ہو جاتا ہے اہل تحقیق کے نزدیک بالکل غلط اور دھوکا ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے خود اسکی تحقیق ہے کہ یہ محض ایک خیال کا تصرف ہے۔ اگر مجلس میں کوئی آدمی اسکے خلاف خیال جما کر بیٹھ جائے تو پھر کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ پھر چند واقعات کا ذکر فرمایا جن سے اسکا مسمریزم کی قسم ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔

(۷ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ بعد ظہر)

دنیا میں کسی کے تعلق پر بھروسہ نادانی ہے

فرمایا کہ دنیا میں اسطرح رہنا چاہیے کہ اسکا کوئی نہیں بالکل اکیلا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ حال نصیب تو نہیں۔ مگر تمنا ضرور ہے اور فرمایا ؎

زیر بارند درختاں کہ ثمر ہا دارند　　　اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

(۸ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ)

احقر جامع کہتا ہے کہ اسکے کچھ دن کے بعد حضرت قدس سرہ نے ایک تنہائی کے موقع پر احقر سے ذکر فرمایا کہ الحمدللہ میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہوں۔ تعلقات وعلائق سب سے ہیں اور سب کے حقوق ادا بھی کرتا ہوں مگر پھر اپنے کو تنہا پاتا ہوں ؎

می دہد یزدان مراد متقین　　　تو چناں خواہی خدا خواہد چنیں

اختلاف علماء کے موقع میں حضرت کا اعتدال

واقعہ احمد حسن :۔ حضرتؒ کی خدمت میں عرصہ دراز سے ایک عالم رہتے تھے ۔ ذی علم ہونے کی بناء پر حضرتؒ نے ایک کتاب کی تصنیف کا کام بھی ان کے سپرد فرمادیا تھا جس کی تنخواہ انکو عطا فرماتے تھے ۔ مولوی صاحبؒ موصوف خشک کتابی تقویٰ کے بڑے دلدادہ تھے اور حضرتؒ پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ ان میں تقویٰ نہیں ۔ حضرت کو اسکا علم ہوتا تو فرماتے کہ وہ سچ کہتے ہیں میں کہاں کا متقی ہوں اس پر کبھی ناگواری پیش نہیں آتی ۔

اتفاقاً اسی زمانہ میں تحریک خلافت چلی جس میں کانگریس کے ہندو بھی شریک ہو گئے اور ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد پر آزادی ہند کی تحریک نے خلافت کی جگہ لے لی ۔ اس ہندو مسلم اشتراک نے جگہ جگہ خلاف شرع امور کو رواج دیا ۔ بعض اکابر علماء نے اصل مقصد یعنی انگریزوں سے ہندوستان کی آزادی کو اہم سمجھ کر اس اشتراک کو قبول کیا اور جہاں اس اشتراک کی وجہ سے خلافِ شرع امور کا ارتکاب ہوتا تو وہ اس پر نکیر بھی فرماتے ۔ مگر تحریک عوامی ہو چکی تھی ۔ علماء کی فکر کا اثر بہت محدود دائرے میں رہتا ہے اور عام مسلمان غلط راستہ پر پڑ کر کفر و اسلام کا امتیاز کھوتے جاتے تھے ۔ حضرتؒ اس طرح اشتراک کو شرعاً جائز بھی نہ جانتے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے انجام کار مفید بھی نہ سمجھتے تھے (جیسا کہ بعد کے واقعات نے اسکا مشاہدہ کرادیا) لیکن جو علماء اسکے جواز کے قائل تھے انکا احترام وادب ہمیشہ قائم رہا انکے قول پر عمل کرنے والوں کے ساتھ وہی معاملہ رہا جو اجتہادی مسائل کے اختلاف میں رہنا چاہیے ۔

مولوی صاحب مذکور اس معاملے میں بھی حضرتؒ کے خلاف کانگرس کے حامی علماء کے ساتھ متفق الرائے تھے ۔ اس حد تک حضرتؒ کو کوئی ناگواری نہ تھی مگر وہ کچھ آگے بڑھے اور خانقاہ امدادیہ میں رہتے ہوئے حضرت کے فتویٰ کے خلاف فتاویٰ شائع کئے کرائے ۔ جلسوں میں تقریریں کیں خانقاہ میں آنے والوں کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوششوں میں تیز ہو گئے تو حضرتؒ نے ان سے فرمایا کہ :

''میں آپ کو آپ کی رائے سے نہیں روکتا کہ مسئلہ اجتہادی ہے مگر ایک جگہ رہ کر اختلاف کرنا مناسب نہیں اس لئے اب مصلحت یہ ہے کہ آپ اپنے وطن چلے جائیں اور جو تصنیف کا کام آپ یہاں کر رہے وہاں جا کر کریں اور یہی تنخواہ جو آپ کو یہاں مل رہی ہے وہاں پہنچتی رہے گی۔ پھر آپ کھل کر خلافت و کانگرس کی موافقت میں فتویٰ دیں اور تقریریں کریں مجھے کوئی گرانی نہیں ہوگی۔ پھر جب یہ تحریک یکسو ہو جاوے تو پھر یہاں آ جائیے۔

حضرتؒ نے فرمایا مگر خدا کے بندے نے کسی چیز کو نہ مانا مولوی صاحب بہت مدعی تقویٰ تھے حیدر آباد وغیرہ ریاستوں سے جو وظائف علماء یا مدارس کو ملتے تھے ان سب کو حرام کہتے تھے وجہ یہ تھی کہ اسکا تقویٰ صرف کتابی تھا۔ کسی بزرگ کی صحبت میں اصلاح نفس کے قصد سے رہے نہیں تھے۔ اور محض کتابوں اور مطالعہ پر اعتماد کرنے والے عموماً ایسی بلاؤں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

انعام اور استدراج میں فرق

بعض فساق فجار بلکہ کفار کو بھی دنیا میں بہت نعمتیں مال و دولت حکومت و ثروت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دے دی جاتی ہے جو انکے لئے انجام کار اور زیادہ غفلت اور سرکشی کا سبب بن کر آخرت کا عذاب شدید بن جاتی ہے یہ ظاہری نعمت درحقیقت سزا ہوتی ہے اسکو قرآن وحدیث کی اصطلاح میں استدراج کہا جاتا ہے۔

حضرتؒ نے ایک روز ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھیں پھر فرمایا کہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو۔ پھر فرمایا مگر ایک بات سے امید ہوتی ہے کہ استدراج نہیں۔ وہ یہ کہ مجھے استدراج کی فکر اور خوف لگا رہتا ہے اور جس شخص کی نعمتیں اللہ کی طرف سے بطور استدراج ہوتی ہیں اسکو یہ فکر ہی کبھی نہیں ہوتی بلکہ جوں جوں نعمت زیادہ ہوتی جاتی ہے اس کی غفلت اور بڑھتی جاتی ہے۔

ایک لطیفہ

حضرت کے ماموں کا نام امداد علی تھا درویش صفت آدمی تھے مگر کچھ بدعات میں مبتلا اس

لئے حضرت سے نہیں بنتی تھی ۔انہوں نے اپنی خانقاہ کا نام خانقاہ امدادعلی رکھا تھا اور تھانہ بھون کی مشہور خانقاہ سیدالطائفہ حضرت حاجی امداداللہ کے نام سے موسوم خانقاہ امداداللہ کہلاتی تھی ۔ بطور ظرافت کے فرمایا کہ خانقاہ امداداللہ اور خانقاہ امدادعلی میں وہی فرق ہے جو اللہ میاں اور حضرت علیؓ کے درمیان ہے ۔

ایک لطیفہ

مولانا نے جو کانگرس کے حامی تھے حضرت کو خط لکھا کہ میں آپکی خدمت میں حاضری کا قصد کرتا ہوں مگر میں نے سنا ہے آپ کانگریسیوں سے چھوت کا معاملہ کرتے ہیں ۔حضرت نے جواب میں لکھا کہ اس تہمت کا تو میرے پاس کوئی علاج نہیں مگر میں نے سنا ہے کہ آپ کے مزاج میں جلال اور غصہ زیادہ ہے اور میں بھی کچھ ایسا ہی ہوں تو آپ فرمائیے کہ یہ جلالین کا سبق کون پڑھائے گا ۔اس خط نے انکو حاضری کے لئے مزید آمادہ کر دیا اور تشریف لائے شگفتہ ملاقات رہی پھر یہ کہہ کر گئے کہ بڑے ظالم ہیں وہ لوگ جو آپ کو متشدد کہتے ہیں ۔

باطنی امراض کے علاج کیلئے خداداد بصیرت

فرمایا کہ طالبین سلوک میں سے ایک شخص نے خط میں لکھا کہ مجھ میں کبر بہت ہے اور فرمایا کہ مجھے بھی محسوس ہوا کہ واقعی ہے ان کا یہ احساس غلط نہیں ۔میں نے ان کے لئے یہ علاج تجویز کیا کہ اپنا یہ مرض خط میں لکھ کر میرے پاس بھیج دو اسی طرح پانچ مرتبہ یہ کام کرو ۔ارشاد فرمایا کہ بحمداللہ پانچ مرتبہ لکھنے کی نوبت پوری ہونے سے پہلے ہی یہ مرض جاتا رہا ۔

مشائخ طریق کو جنھیں حق تعالیٰ کی طرف سے اصلاح خلق کی خدمت عطا کر دیجاتی ہے ان کو ہر شخص کے علاج کے لئے نئی نئی تدبیریں بھی سکھادی جاتی ہیں جو زمانے اور مقام اور افراد کی خصوصیات پر نظر کر کے یہ حضرات تجویز کرتے ہیں اور ان کا نفع مشاہدہ میں آتا ہے ۔یہ کوئی عام ضابطہ نہیں کہ پانچ مرتبہ اپنی بیماری لکھ کر طبیب کے پاس بھیج دو تو شفاء ہو جائے ۔غالباً اس تدبیر میں دو چیزیں پیش نظر رہی ہیں ایک یہ کہ بیمار کو اپنی بیماری کا مکمل استحضار کم از کم چالیس روز رہے

اور وہ خود اسکے ازالہ کی فکر میں لگے کیونکہ ڈاک کے ذریعے خطوط کے پانچ مرتبہ آنے جانے میں تقریباً چالیس روز خرچ ہو ہی جاتے ہیں دوسرے یہ کہ ہر مرتبہ حضرتؒ کی دعاء اور توجہ انکو حاصل ہوتی رہے واللہ اعلم۔

آیت ولقد یسرنا القرآن پر ایک شبہ اور جواب

قرآن کریم نے متعدد مرتبہ اس کلام کو دہرایا ہے کہ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر ،یعنی ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ اس پر عام طور پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ قرآن کے علوم و معارف تو ایسے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء اور علماء کو اپنی عمریں صرف کرنے کے بعد بھی ان پر احاطہ نہیں ہو سکا تو پھر اسکو آسان فرمانے کا کیا مطلب ہے۔

حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہ یسر (آسانی) مسائل میں ہے دلائل میں نہیں یعنی قرآن مجید نے جو احکام دیئے ہیں انکو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں۔ البتہ ان کے دلائل اور حکمتیں اور شبہات کے جوابات ان میں یسر کا ذکر نہیں۔ وہ اپنی جگہ محنت اور غور وفکر چاہتے ہیں۔ حق کی شناخت اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں رکھ دی ہے اور اس کا علم ضروری دیا ہے

ارشاد فرمایا کہ آج رات الحمد للہ ایک علم عظیم عطا ہوا وہ یہ کہ جو شخص کفار کے گھر میں پیدا ہوا انہیں میں پلا اسکو یہ کبھی وسوسہ بھی نہ آیا کہ میں جو کام کر رہا ہوں یا اللہ تعالیٰ کے متعلق جو کچھ میرا عقیدہ ہے یہ شاید غلط ہو اسی طرح دوسرے کسی باطل کام میں جو شخص اس طرح رہا ہو کہ اسکو حق کا دھیان کبھی آیا ہی نہیں ایسے شخص کے متعلق مجھے ہمیشہ یہ خلجان رہتا تھا کہ یہ تو معذور قرار دیا جانا چاہیے۔ جہنم ابدی عذاب میں اسکا مبتلا ہونا سمجھ میں نہ آتا تھا کیونکہ ایسا آدمی جسکو خلاف کا وسوسہ اور دھیان بھی کبھی نہیں آیا جس کی وجہ سے اسکو تحقیق کرنے کا موقع ملتا تو تحقیق نہ کرنا اس کے لئے کوئی جرم نہیں کہا جا سکتا مگر آج معلوم ہوا کہ حق کا علم ضروری اللہ تعالیٰ ان سب کو عطا فرما دیتے ہیں جن کو احکام کا مکلف کیا گیا ہے مگر بعض جگہ اس کا ظہور موانع کی کثرت کے سبب نہیں

ہوتا۔ ورنہ درحقیقت فطری اور ضروری طور پر اللہ تعالیٰ نے ہر مکلّف انسان کو اتنی سمجھ عطا فرمادی ہے کہ اگر وہ خالی الذہن ہوکر غور کرے تو اسکو یہ علم ضروری یقیناً حاصل ہو جائے گا (یعنی کم از کم اتنا ضرور سمجھ جائے گا کہ میں خود اور یہ سارا عالم خود بخود نہیں بنا۔ اسکا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور یہ بھی کہ وہ پیدا کرنے والا سارے جہان سے زیادہ علم وقدرت رکھنے والا ہے اور وہ ایک ہی ہوسکتا ہے اور یہ کہ جس نے ہمیں اور سارے جہان کو پیدا کیا ہے اور ہر وقت اس کی طرف سے ہمیں نعمتیں مل رہی ہیں ہمارا فرض ہے کہ اسکی پسند و ناپسند کو پہنچانیں اور ناپسند چیزوں سے اجتناب کریں اسکی پسند کے کام کریں اور جب اتنی سمجھ آ گئی تو اللہ کی پسند و ناپسند کی تحقیق کرنا اس پر لازم ہوگیا اور ذرا تحقیق کرتا تو معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے پیغمبر اور اپنی کتابیں بھیجی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اعمال کی تاکید اور ناپسندیدہ سے پرہیز کرنے کی ہدایات ہیں۔ بس یہی مکمل ایمان اور حق پرستی ہے) غرض اللہ تعالیٰ نے حق کے پہنچانے کے لئے بہت راستے رکھ دیئے ہیں اور ہر مشکل کا حل رکھ دیا ہے ؎

درفیض است منشین ناامید این جا | برنگ دانہ از ہر قفل می روید کلید انیجا

صوفی کی تعریف

ارشاد فرمایا کہ صوفی کا ترجمہ میرے نزدیک عالم باعمل ہے (لوگوں نے اس میں نہ جانے کیا کیا شرطیں قیدیں لگائی ہیں جو اسکی تعریف کا جز نہیں بلکہ عمل کے ثمرات و برکات ہیں جو ہر شخص کے لئے الگ الگ ہوتے ہیں)

ایک حدیث کی تشریح

مقاصد حسنہ میں علامہ سخاوی نے ایک حدیث نقل کی ہے اطلبوا الخیر عند حسان الوجوہ یعنی جو لوگ شکل وصورت سے اچھے ہوں ان سے خیر اور بھلائی کی توقع رکھو۔ حضرت نے فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے صورت کو سیرت کا ترجمان بنایا ہے جس کو شخص اللہ نے صورت اچھی دی ہے وہ علامت ہے حسن سیرت کی اسی طرح جس شخص کی

شکل وصورت میں کوئی عیب ہے وہ بمقتضائے اصل علامت ہے عیب باطنی کی لیکن کسی خاص جگہ عوارض کی وجہ سے حال مختلف ہو جائے تو وہ ضابطہ کے خلاف منافی نہیں۔ شیخ سعدیؒ نے اسی مضمون کو اسطرح بیان فرمایا ہے ؎

گنہ عفو کرد آلِ یعقوب را — کہ معنے بود صورت خوب را

حضرت امام باقرؒ کے واقعہ میں کہا گیا ہے ؎

چشم ازرق موئے گون رنگ زرد — ایں چنین کس با کسے نیکی نکرد

مشائخ وعلماء کیلئے ایک اہم وصیت

فرمایا کہ جس طرح کوئی طبیب ڈاکٹر بیمار ہو جائے تو اپنا علاج خود نہیں کرتا دوسرے معالج کی طرف رجوع کرتا ہے اسی طرح مشائخ وقت اور مقتداء لوگوں کو اگر کسی وقت اپنے نفس میں کوئی روحانی مرض محسوس ہو تو انکو چاہیے کہ کسی اپنے بڑے سے رجوع کریں اگر چہ وہ سلوک میں اپنے سلسلہ کا نہ ہو۔ مگر اہل حق میں سے متبع سنت ہو۔ اور اگر کسی شخص کا ضابطہ کا کوئی بڑا نہ رہے (ضابطہ کا اس لئے کہا کہ حقیقت میں کون بڑا ہے اسکی خبر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) تو اسکو چاہیے کہ اپنے چھوٹوں میں ہی سے متعدد لوگوں کے سامنے اپنا حال پیش کر کے مشورہ لے۔ توقع ہے کہ صحیح علاج سمجھ میں آجاوے گا۔

اتفاق اور اختلاف وشقاق کی اصل بنیاد

فرمایا کہ ہمارے حضرت مرشد فرمایا کرتے تھے کہ اتفاق کی بنیاد تواضع پر ہے اسی طرح باہمی شقاق ومنافرت کی بنیاد کبر ہے (اجتہادی مسائل میں اختلاف رائے دوسری چیز ہے وہ کبھی شقاق ومنافرت پر منتج نہیں ہوتی) پھر فرمایا کہ الحمدللہ خانقاہ کے لوگوں میں باہمی کوئی اختلاف اور جھگڑا نہیں۔ سبب یہ ہے کہ سب میں تواضع ہے ہر ایک دوسرے کو بڑا اور بہتر سمجھتا ہے۔

حضرت شاہ اسحٰق صاحب دہلوی کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

مولانا محمد صدیق صاحب گنگوہیؒ نے سید احمد خان صاحب بانی علی گڑھ کالج سے خود سنا وہ فرماتے تھے کہ لوگ حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی کو متشدد کہتے ہیں مگر یہ بالکل غلط ہے ہم نے خود انکے معاملات کو دیکھا ہے وہ اپنے نفس کے معاملہ میں تو بیشک متشدد تھے کہ کسی خلاف اولٰی فعل کو اپنے لئے گوارا نہ کرتے تھے مگر عام لوگوں کے لئے بڑے نرم تھے۔ پھر کہا کہ میں نے سنا ہے کہ مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی بھی ایسے ہی ہیں انکا تشدد اپنے نفس کے حق میں ہے۔

احقر کہتا ہے کہ میں نے اپنے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کو بھی ایسا ہی پایا ہے اپنے نفس کے معاملہ میں سخت تھے۔ بعض چیزوں کے جواز کا فتویٰ لوگوں کو دیتے تھے مگر اس میں ذرا بھی شبہ ہوتا تو خود احتیاط فرماتے تھے۔ ایسے متعدد واقعات احقر کے سامنے پیش آئے بلکہ ایک واقعہ میں حضرت نے احقر ہی سے ایک فقہی سوال کا جواب لکھوایا پھر اسکی تصدیق بھی فرمائی اور اسکے مطابق سب کو فتویٰ بھی دے دیا۔ لیکن اس میں ایک معاملہ اپنی ذات کا تھا تو خود اس فتویٰ پر عمل نہیں کیا بلکہ احتیاط پر عمل کیا۔ معاملہ کچھ خاندانی حقوق اور تقسیم میراث کا تھا جس کے لئے ہزاروں روپیہ اس احتیاط کی بناء پر حضرتؒ نے ان عزیزوں میں تقسیم کیا جسکا حق معلوم ہوتا تھا۔ انگریزی رنگوں کی روشنائی جو لکھنے میں کام آتی ہے اس میں اسپرٹ شامل ہونے کی خبر حضرت کو پہنچی اور بعض اسپرٹ حرام ہونے کے ساتھ نجس بھی ہوتے ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ روشنائی میں کس طرح کا اسپرٹ استعمال کیا جاتا ہے اس لئے شروع میں حضرت اس روشنائی سے لکھنے کو منع فرماتے تھے اور روشنائی سے لکھے ہوئے کاغذ کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے کو بھی منع فرماتے تھے۔ پھر بعض لوگوں نے تحقیق کر کے ایک تو یہ بتلایا کہ اس میں استعمال ہونے والا اسپرٹ وہ نہیں جو ناپاک ہوتا ہے (یعنی جو کھجور یا انگور سے لیا گیا ہو) دوسرے واقعات یہ بتلائے کہ اس زمانے میں اس اسپرٹ سے کوئی چیز خالی نہیں۔ پریس میں چھپائی کے لئے جو روشنائی استعمال ہوتی ہے اسمیں بھی اسپرٹ ہے جس سے قرآن بھی چھاپے جاتے ہیں۔ جلدوں کے رنگ میں اسپرٹ شامل ہے اسی طرح عام استعمالی

چیزوں میں کہیں نہ کہیں اسپرٹ شامل ہوتا ہے۔

اس پر حضرت نے فتویٰ گو لوگوں کے لئے جواز کا دے دیا لیکن خود عمر بھر نہ یہ روشنائی استعمال فرمائی اور نہ رنگ کی روشنائی سے لکھے ہوئے کاغذ کو جیب میں رکھکر کبھی نماز پڑھی۔

ایک مرتبہ مجھے ایک کاغذ کسی کو دینے کے لئے عطا فرمایا جو رنگ سے لکھا ہوا تھا میں نے حضرت کے سامنے ہی جیب میں رکھ لیا۔ آپ خانقاہ سے مکان تشریف لے گئے وہاں جا کر یاد آیا کہ میں نے یہ کاغذ جیب میں رکھ لیا تھا تو وہیں سے آدمی بھیج کر متنبہ کیا کہ اس کاغذ کو جیب میں رکھ کر نماز نہ پڑھنا۔ مگر یہ سب اپنے عمل میں تھا دوسروں کے لئے جواز کا فتویٰ تھا کوئی روک ٹوک نہ تھی۔

بزرگوں سے حاصل کرنے کی اصل چیز، ایک تعلیم یافتہ کے خط کا جواب

ایک انگریزی تعلیم یافتہ شخص نے خط میں لکھا کہ میں احکام شرعیہ سے کچھ واقف ہوں اور جتنا واقف ہوں ان پر عمل بھی کرتا ہوں لیکن میں اس چیز سے واقف نہیں کہ جو بزرگوں کی صحبت سے حاصل کی جاتی ہے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ وہ چیز تعلق مع اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت و اطاعت کا گہرا تعلق (جسکی بنا پر احکام شرعیہ کی تعمیل آسان اور خلاف ورزی مشکل نظر آنے لگتی ہے) انہیں صاحب نے ایک بات یہ بھی لکھی تھی کہ میں چاہتا ہوں کہ عبادت کی دلی رغبت اور شوق پیدا ہو جائے اسکے جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ امر غیر اختیاری ہے اسکے درپے نہ ہو۔

علم دین کا بے مثال ادب

فرمایا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک روز بیت الخلاء میں تشریف لے گئے اندر جا کر نظر پڑی کہ انگوٹھے کے ناخن پر ایک نقطہ روشنائی کا لگا ہوا ہے جو عموماً لکھتے وقت قلم کی روانی دیکھنے کیلئے لگا لیا جاتا تھا فوراً گھبرا کر باہر آ گئے اور اسکے دھونے کے بعد تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اس نقطہ کو بھی علم کے ساتھ ایک تلبس و نسبت ہے۔ بے ادبی معلوم ہوئی اس کو بیت الخلاء میں پہنچاؤں۔

جو لوگ ہر وقت اپنے دل کو بری چیزوں سے صاف رکھتے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ہر

وقت اہتمام رکھتے ہیں انکا یہی حال ہوتا ہے کہ ادنیٰ کوتاہی سے بھاگتے ہیں اور ادنیٰ سی نیکی کو بھی چھوڑتے نہیں کیونکہ بعض اوقات ادنیٰ سی چیز محبوب حقیقی کی خاص توجہ سے حجاب بخاتی ہے۔

فراق دوست اگر اندک ست اندک نیست　　　　دورن دیدہ اگر نیم سوست بسیار است

یہ ثمرات و برکات عشق کے ہیں۔

مثنوی رومیؒ کے ایک شعر کی صحیح شرح

زان طرفہ کہ عشق می افزود درد　　　　بو حنیفہ شافعیؒ درسے نکرد

اس شعر سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ابوحنیفہ وشافعی عشق مولیٰ سے خالی تھے اسی لئے انکی تعلیمات میں درس عشق نہیں اور یہ واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ جتنے آئمہ مجتہدین گزرے ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو حق تعالیٰ کی محبت میں عشق کا درجہ نہ رکھتا ہو۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب فاتحۃ العلوم میں آئمہ اربعہ کے ایسے واقعات لکھے ہیں جن سے ان کا صاحب دل اور عاشق حق ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے بظاہر مولانا رومیؒ کا یہ شعر خلاف واقع معلوم ہوتا ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اس شعر کی شرح میں صرف ایک کلمہ فرما کر سب شبہات دور کر دیتے تھے وہ کلمہ یہ تھا (اے علماء ظاہر) یعنی یہاں ابوحنیفہ شافعی کے ناموں سے خود یہ ائمہ مراد نہیں بلکہ مراد علماء ظاہر ہیں جیسے مشہور مثل (لکل فرعون موسیٰ) میں فرعون و موسیٰ کے نام مقصود نہیں بلکہ گمراہ اور ہادی مراد ہیں اور ابوحنیفہ شافعی کو علماء ظاہر کہنا بھی عوام کی سطحی اصطلاح کی بناء پر ہے ورنہ یہ بزرگ جیسے علماء ظاہر تھے ویسے ہی علماء باطن بھی تھے۔

شعبان ۱۳۵۰ھ

مصنفین کتب کے لئے خاص ہدایت

فرمایا کہ جب میں تصنیف کا کام کرتا تھا تو عادت یہ تھی کہ ہر وقت کاغذ پنسل میری ساتھ رہتے تھی چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کوئی مضمون یاد آ گیا تو فوراً لکھ لیتا تھا آدھی رات کو کوئی چیز یاد

آتی تو لکھ کر سوتا تھا کیونکہ بعض اوقات مضمون ذہن سے غائب ہو جاتا ہے سوچنے سے بھی یاد نہیں آتا۔ پھر فرمایا کہ اب تو سب سے فارغ ہو گئے ؂

فارغ از دغدغہ دست و گریبان کردی — اے جنون گرد تو گردم کہ چہ احسان کردی

اصول شرعیہ کی رعایت کے ساتھ لوگوں کے نفسیات کی رعایت کا اہتمام

تعلیم و تبلیغ اور دعوت الی الخیر میں قرآن حکیم نے انبیاء علیہم السلام کو سب سے پہلے حکمت اس کے بعد موعظت حسنہ کی ہدایت فرمائی ہے ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة۔ تجربہ شاہد ہے کہ دعوت حق کی تاثیر میں اسکو بڑا دخل ہے اور جہاں اسکا اثر نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے وہاں غور کیا جائے تو اکثر اس حکایت ربانی کی رعایت میں کمی وکوتاہی اس کا سبب ہوتی ہے حضرتؒ کو حق تعالیٰ شانہ نے جیسے علمی عملی ظاہری اور باطنی کمالات عطا فرمائے تھے اس طرح پیغمبرانہ دعوت کے اصول بھی ہمیشہ مستحضر رہتے تھے۔ مریدین میں اہل علم حضرات جن کا اثر عوام پر ہوتا ہے ان میں سے کسی سے کوئی لغزش ہوتی تو اسکی معافی کے لئے یہ شرط ہوتی تھی کہ جو غلطی آپ نے علانیہ کی ہے اسکی توبہ بھی علانیہ ہونی چاہیے تاکہ عوام میں جو غلط فہمی پیدا ہوئی اسکا کفارہ ہو جائے۔ اس لئے اشتہار و اعلان شرط ہوتا تھا بہت سے اہل علم حضرات نے ایسے اعلانات حضرت کے ایماء پر طبع کرا کر شائع کر دیئے ہیں اسی سلسلے کے ایک بہت بڑے مشہور عالم کا واقعہ ہے کہ ان کے ایک معاملہ سے حضرتؒ کو رنج پہنچا اور اپنے ساتھ خصوصی تعلق کو ختم کر دیا۔ یہ عالم حقیقۃً عالم اور طالب حق تھے۔ حضرت کے ترک تعلق کا ان پر بہت زیادہ اثر تھا۔ معافی تلافی کی کوشش کی تو حسب عادت اعتراف غلطی کا اعلان کرنے کا حکم ہوا۔ مگر خود حضرت کو ان کی علمی شہرت و وجاہت کی وجہ سے یہ احساس تھا کہ اعلان ایسا ہونا چاہیے جس میں غلطی کا اعتراف تو پورا ہو مگر انکی وجاہت اس سے متاثر نہ ہوتا کہ عوام وخواص کے علمی افادہ و استفادہ جو ان سے متعلق ہے کوئی خلل نہ آئے۔

ان تمام رعایتوں کی جامع عبارت لکھنا خود ان عالم صاحب کے لئے دشوار ہو رہا تھا۔ حضرت نے

احقر کے سامنے فرمایا کہ لاؤ بھائی یہ ان سے نہ بن پڑے گا میں خود انکی طرف سے لکھے دیتا ہوں۔ چنانچہ حسب ذیل مضمون تحریر فرمایا جس کا عنوان بھی اعتراف غلطی وغیرہ کے بجائے شکر نعمت رکھا کہ انکی علمی شہرت وحیثیت متاثر نہ ہو۔ اس میں حضرت سے اجازت لیکر بعض جملے خود ان بزرگ عالم نے بڑھائے۔ یہ مضمون حسب ایماء حضرت دیوبند کے ماہنامہ قاسم العلوم ماہ شوال ۱۳۵۳ھ کا ضمیمہ ہو کر شائع ہوا مضمون یہ ہے۔

شکر نعمت

چند سال پہلے اصلاح دارالعلوم دیوبند کی نیت سے جو تحریک اٹھی تھی سب جانتے ہیں کہ اس میں یہ عاجز بھی حصہ دار تھا۔ سلسلہ واقعات نے تکوینی طور پر جو صورت اختیار کر لی بلاشبہ وہ دارالعلوم کے وقار اور مفاد کو صدمہ پہنچانے والی تھی جس پر تمام دردمندان دارالعلوم کی طرح اس عاجز کو بھی انتہائی قلق وتاسف تھا خصوصاً حضرت مخدومی ومطاعی حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہم کے قلب گرامی پر اس کا اثر بہت زیادہ رہا۔

اس دوران میں سب سے بری چیز جو خصوصاً میرے قلب کو محزون ومصدوم کرنے والی تھی وہ حضرت ممدوح کے دامن لطف وعنایت سے ایک طرح کا ظاہری انقطاع اور حضرت قاسم العلوم والخیرات نانوتوی قدس اللہ روحہ کے گھرانے سے ایک قسم کی بے تعلقی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بعض بہی خواہوں کی سعی جمیل سے یہ صورت حال ختم ہوئی اور حضرت مولانا تھانوی مدظلہم کی دیرینہ شفقت میری تمنا اور خواہش پر عملی رنگ میں پھر عود کر آئی اور خاندان قاسمی سے بھی اپنے روایتی تعلقات پھر تازہ ہوگئے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کی یہ عظیم نعمت ہے کہ میرے بزرگ میری نیت کی طرف سے مطمئن ہیں اور میری کوتاہیوں کو نظر انداز فرماتے ہیں۔ میں صدق دل سے اللہ جل شانہ کے انعام واحسان اور اپنے بزرگوں کی نوازش وقدر افزائی کا شکر گزار ہوں اور رب کریم سے حسن عمل کی توفیق چاہتا ہوں وھو المعین المستعان۔

(۱۲ شوال ۱۳۵۳ھ) ۰۰۰۰ عفا اللہ عنہ

ایک عبادت کے ایصال ثواب میں چند آدمیوں کو شریک کیا جائے تو ثواب تقسیم ہوگا یا سب کو برابر ملے گا

ارشاد فرمایا کہ ایصال ثواب اگر چند لوگوں کو مشترک طور پر کیا جائے تو حضرت گنگوہیؒ تقسیم کے قائل تھے لیکن بعد میں بعض روایات کی بناء پر میرا خیال یہ ہوگیا کہ سب کو برابر ثواب ملے گا اسکی تحقیق امداد الفتاویٰ میں مفصل لکھ دی گئی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس میں بُعد ہی کیا ہے حق تعالیٰ کی تو شان بہت بڑی ہے ایک چراغ سے سینکڑوں چراغ جلائے جاتے ہیں اس چراغ کی روشنی میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

شیطان کو معلم الملکوت کہنے کی شہرت

ارشاد فرمایا کہ یہ بات بہت مشہور ہے مگر اسکی تصدیق کسی روایت سے نظر میں نہیں آتی اور نہ یہ بات فی نفسہ سمجھ میں آتی ہے زیادہ زیادہ یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ وہ اس درجہ کا بڑا عالم تھا کہ معلم الملکوت ہوسکتا تھا۔ شعراء نے عموماً اسکو لیا ہے یہاں تک کہ خاقانی نے بھی اپنی نظموں میں لکھا ہے خاقانی بہت بڑے آدمی تھے مگر محقق بڑے نہ تھے۔

مخلوق کی ناراضی میں بعض اوقات حکمت ہوتی ہے

ارشاد فرمایا کہ بعض اوقات حق تعالیٰ اپنے کسی مقبول بندے سے کچھ لوگوں کو بدگمان کر دیتے ہیں وہ ان کو برا کہنے لگتے ہیں۔ اس میں انکی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ توجہ الی اللہ اور زیادہ بڑھ جاتی ہے مولانا رومیؒ نے فرمایا ؎

خلق رابا تو چنین بدخو کنند ـــ تا ترا ناچار روآ نسو کنند

دنیا کی فکر سے آخرت کی فکر مقدم ہونا چاہیے

اس مضمون میں مولانا رومیؒ کا یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

خواب نایدمر ترا از بیم دلق ـــ خواب چون آید ترا با بیم حلق

یعنی اگر تمھیں کسی جگہ اپنے کپڑے چوری ہو جانے کا خطرہ ہو تو رات کو نیند نہیں آتی لیکن جن کاموں میں جان کے ہلاکت میں پڑنے کا خطرہ ہو تو تمھیں ان کے ساتھ کیسے نیند آ جاتی ہے۔ اسی مضمون کو ایک بزرگ نے عربی شعر میں فرمایا ؎

و کیف تنام العین وھی قریرۃ　　　ولم تدرفی ای المحلین تنزل

یعنی انسان کی آنکھ ٹھنڈی ہو کر آرام کے ساتھ کیسے سوسکتی ہے جبکہ اسکو یہ خبر نہ ہو کہ دو مقام جنت و دوزخ میں سے کہاں اسکا ٹھکانا ہوگا۔

بعض اوقات مہر بصورت قہر ہوتی ہے

ارشاد فرمایا کہ حالی مرحوم کا ایک مصرع ہے ؎

مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح

بعض اوقات کسی انسان کو ایک تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے اور وہ درحقیقت اس سے بڑی کسی تکلیف کا علاج ہوتا ہے یہ چونکہ حقیقت سے بے خبر ہے اس لئے شور مچاتا اور پریشان ہوتا ہے۔

ایک آیت پر منطقی اشکال اور اس کا جواب

ارشاد فرمایا قرآن کریم میں ہے **ولو علم اللہ فیھم خیرا لاسمعھم ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون** ۔ منطقی قاعدے سے یہ قیاس کی شکل اول ہے جسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے **ولو علم اللہ فیھم خیرا التولوا** ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ان میں کوئی بھلائی معلوم ہوتی تو یہ منہ پھیر کر بھاگتے۔ حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ یہ نتیجہ کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔

فرمایا کہ جواب اسکا یہ ہے کہ شکل اول کا نتیجہ جب صحیح نکلتا ہے جب حد اوسط مکرر ہو یہاں مکرر نہیں ہے کیونکہ لفظ **اسمعھم** جو مکرر آیا ہے وہ درحقیقت مکرر نہیں ہے کیونکہ ان دونوں لفظوں کے معنی الگ الگ ہیں کیونکہ پہلے جملے میں **اسمعھم** سے مراد وہ سماع ہے جو علم خیر کے ساتھ جمع ہوتا ہے یعنی سماع مقبول و موثر اور دوسرے جملے میں سماع سے وہ سماع مراد ہے جو علم خیر کیساتھ جمع نہیں ہوتا یعنی صرف کانوں سے سننا اور دل میں کوئی اثر نہ لینا۔ اس لئے تقدیر عبارت دوسرے

جملے کی یہ ہے **ولو اسمعهم مع عدم علم الخير لتولوا** یعنی اگر اللہ تعالیٰ یہ جانتے ہوئے کہ ان کو حق بات سنانا مفید نہیں ہوگا پھر بھی سنائیں تو وہ سننے کے باوجود منہ پھیر کر بھاگے لیکن جیسے آیت ولو شاء الله ما اشر کنا جو اہل جہنم بطور عذر کے کہیں گے یہ غلط ہوگا اور تقریباً یہی الفاظ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں ولو شاء الله ما اشر کوا یہ غلط نہیں وجہ یہ ہے کہ شاء اللہ کا مفہوم دونوں جملوں میں الگ الگ ہے پہلے جملے میں مشیت بمعنی رضا ہے یعنی اہل جہنم یہ عذر کریں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے شرک وکفر پر راضی نہ ہوتا تو ہم شرک کر ہی نہ سکتے تھے اور دوسرے جملے میں مشیت بمعنی ارادہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اگر یہ ارادہ ہوتا کہ لوگ شرک نہ کریں تو انکو شرک کرنے کی قدرت ہی نہ ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر کسی کا ارادہ غالب نہیں ہوسکتا۔ اور بغیر اللہ کے ارادہ کے دنیا میں نہ کوئی اچھا کام ہوسکتا ہے نہ برا۔ البتہ رضاء اللہ تعالیٰ کی اچھے کاموں کے ساتھ متعلق ہوتی ہے برے کاموں سے رضا متعلق نہیں ہوتی بلکہ برے کاموں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

حکیمانہ جواب

ایک صاحب نے سورہ تبت یدا ابی لهب کچھ شبہات پیش کئے۔ یہ صاحب تعلیم یافتہ مگر علوم دین سے بے خبر تھے اور سوالات بھی دور از کار تھے حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ سمجھ نہیں سکتے۔ یہ بولے کہ عالم ہی کیا ہوا جو صحیح بات سمجھا نہ سکے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ نے اقلیدس تو پڑھی ہوگی انہوں نے اقرار کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر آپ کا نوکر گھوڑے کا سائس آپ سے پوچھے کہ اقلیدس کے پہلے مقالہ کی پانچویں شکل کا ثبوت آپ اس طرح بیان کریں کہ میں سمجھ سکوں تو جو تقریر آپ اس وقت فرمادیںگے میں بھی اسکے سننے کا مشتاق ہوں۔ کیا آپ کے پاس اس کے سواء کوئی جواب ہوگا کہ اسکا ثبوت بہت سے اصل موضوعہ اور علوم متعارفہ پر موقوف ہے جب تک تم انکو نہ سمجھ لو۔ پانچویں شکل کو نہیں سمجھ سکتے۔

عقیدہ تقدیر کی حکمت

قرآن کریم نے مسئلہ تقدیر کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ **لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم** یعنی تقدیر خداوندی کے معتقد ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ اگر تمھارا کوئی مقصود فوت ہو جاوے تو تم زیادہ افسوس اور رنج وغم میں نہ گھلو اور اگر کوئی مقصود حاصل ہو جائے تو بہت زیادہ خوشی جو تکبر وغرور تک پہنچائے اس میں مبتلا نہ ہو واقعی بات یہ ہے کہ جو شخص دنیا کے تمام واقعات وحالات کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور انکا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے وہ تقدیر الٰہی سے ہوتا ہے اور اسکا واقع ہونا ناگزیر ہے۔ کسی کی طاقت اسکو روک نہیں سکتی وہ عیش ومصیبت اور راحت وتکلیف کی دونوں حالتوں میں اعتدال پر رہتا ہے۔

حضرت نے فرمایا اسکی واضح مثال یہ ہے کہ دو شخص ہوں ایک قائل تقدیر دوسرا منکر تقدیر اور دونوں کے دو لڑکے ہوں اور دونوں اکلوتے ہوں اور دونوں ایک ہی وقت ایک ہی مرض میں مبتلا ہو جاویں اور علاج معالجہ کے باوجود دونوں مر جاویں پھر دونوں کے متعلق یہ ثابت ہو جاوے کہ علاج میں غلطی ہوگئی۔ تو اب دونوں کا حال دیکھئے کہ منکر تقدیر کو عمر بھر اضطراب اور بے چینی رہے گی۔ کبھی قرار نہ آئے گا اور قائل تقدیر کو اس طرح کا اضطراب نہیں ہوگا کیونکہ وہ سمجھے گا کہ یہ علاج کی غلطی بھی مقدر ہی تھی جس کا واقع ہونا ضروری تھا۔

دنیا کو اللہ تعالیٰ نے عالم اسباب بنایا ہے جو کچھ ہوتا ہے اسباب کے پردوں سے اسکا ظہور ہوتا ہے حقیقت ناشناس لوگ انہیں پردوں میں رکھ کر رہ جاتے ہیں اور جن کو حقیقت کا علم ہے اور جانتے ہیں کہ اسباب عالم سب پردے ہیں اصل فاعل تو قدرت حق ہے حافظ شیرازی نے خوب فرمایا ؎

این ہمہ مستی و بیہوشی نہ حد بادہ بود — باحریفان آنچہ کرد آن نرگس مستانہ کرد

نرگس مستانہ کنایہ ہے عنایت حق سے۔

مدارس اسلامیہ کے لئے چندہ جمع کرنے کا طریقہ بقول حضرت شیخ الہندؒ

ارشاد فرمایا کہ مولانا مبارک علی (سابق نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) سے مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت شیخ العرب والعجم شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسنؒ کے سامنے کسی نے یہ شکل پیش کی کہ مدارس اسلامیہ کے لئے چندہ جمع کرنے میں بہت سے منکرات پیش آتے ہیں۔ لوگوں میں علم و علماء کی تحقیر پیدا ہوتی ہے وغیر ذالک اور چندہ نہ کریں تو ان مدارس کا کام کیسے چلے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ چندہ کرو مگر غریبوں سے کرو۔ حضرت نے یہ روایت نقل کر کے فرمایا کہ یہ بالکل صحیح علاج ہے وجہ یہ ہے کہ غریب لوگ چندہ جمع کرنے والے علماء کو حقیر نہیں سمجھتے تعظیم کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور جو کچھ دیتے ہیں ان پر بار خاطر بھی نہیں ہوتا۔ خوشدلی کے ساتھ دیتے ہیں جس میں برکت ہی برکت ہوتی ہے۔

مگر اس پر یہ سوال ہوگا کہ غریب لوگوں سے چندہ ملے ہی گا کتنا؟ مقدار چندہ بہت گھٹ جائے گی مگر یہ خیال اولاً تو یوں غلط ہے کہ دنیا میں ہمیشہ غریبوں کی تعداد زیادہ مالداروں کی کم رہی ہے۔ اگر سب غریب آدمی ایک ایک آنہ دینے لگیں تو لاکھوں کی رقم جمع ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر فی الواقع چندہ کم وصول ہو تو کام کو اسی پیمانہ پر کرو زیادہ نہ بڑھاؤ کیا ضروری ہے کہ قدرت سے زیادہ بار اٹھایا جائے۔

مامون رشید کا ایک عبرت آموز واقعہ

فرمایا کہ ایک شخص خلیفہ ہارون الرشید کے صاحبزادے مامون رشید کے پاس آیا اور حج ادا کرنے کے لئے ان سے روپیہ مانگا۔ مامون الرشید نے کہا کہ اگر تم صاحب مال ہو تو سوال کیوں کرتے ہو۔ اور صاحب مال نہیں تو تم پر حج فرض نہیں اس نے کہا کہ میں آپ کو ایک بادشاہ سمجھ کر آیا ہوں مفتی سمجھ کر نہیں آیا۔ مفتی تو شہر میں آپ سے زیادہ اچھے موجود ہیں۔ آپ مجھے فتویٰ نہ سنائیں جو دے سکتے ہیں دے دیجئے ورنہ انکار کر دیجئے۔ مامون الرشید کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی

اور حج کے لئے رقم دے دی۔

حضرت اسحٰق صاحب محدث دہلوی کے جامع العلوم ہونے کا عجیب واقعہ

حضرت امیر شاہ خان صاحبؒ جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مرید خاص تھے اور بزرگان دہلی کے واقعات سند کے ساتھ روایت کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ اپنے خاندان میں غبی مشہور تھے کیونکہ خاندان سارا اکابر علماء کا ہے ایک سے ایک بڑھ کر تھا اگر اس بزرگ کی جو اس خاندان میں غبی مشہور تھا ایک حکایت سنو تو تعجب ہوتا ہے واقعہ یہ ہے کہ :

ایک روز ایک طالب علم کو بے چین دیکھ کر شاہ صاحب نے وجہ پوچھی تو اولاً اس نے متکبرانہ طور پر اغماض کیا کہ کچھ نہیں پھر اصرار کرنے پر بتایا کہ شمس بازغہ (فلسفہ کی مشہور درسی کتاب) کا ایک مقام حل نہیں ہوتا اور استاد سے اسکے بارے میں اختلاف ہوگیا۔ تین روز سے اس میں الجھا ہوا ہوں شاہ صاحب نے از روئے شفقت فرمایا ذرا ہمیں تو دکھاؤ اس نے یہ سمجھ کر کہ ایک محدث علم حدیث کے ماہر ہونگے فلسفہ کی کتابوں سے انکا کیا واسطہ۔ بڑے استغنا کے ساتھ کتاب ان کے آگے رکھ دی۔ حضرت شاہ صاحب نے اس مقام کا مطالعہ کر کے اس کی ایسی واضح تقریر کردی کہ اسکے سب شبہات جاتے رہے۔ اب تو یہ طالبعلم قدموں میں گر پڑا حضرت شاہ صاحب نے فرمایا میاں ہم نے پڑھا سب کچھ ہے مگر اسکو لغو سمجھ کر چھوڑ رکھا ہے۔

فقہ سب فنون سے زیادہ مشکل ہے

ارشاد فرمایا کہ مجھے تو تمام علوم وفنون میں فقہ سب سے زیادہ مشکل معلوم ہوتا ہے اور تواضعاً یہ بھی فرمایا کہ مجھے تو اس فن سے مناسبت نہیں بالکل عاجز ہو جاتا ہوں۔

ملا خالد نقشبندی ترکی کا تقویٰ اور بزرگان دہلی پر تنقید

حضرتؒ نے فرمایا کہ جس شخص پر رنگ فقہ اور فتویٰ کا غالب ہوتا ہے اسکے فتویٰ کا رنگ اور

ہوتا ہے کہ جزئیات میں تشدد کی عادت ہوتی ہے۔ جس پر حدیث کا رنگ غالب ہوتا ہے اسکے فتویٰ کا رنگ اس سے مختلف ہوتا ہے کہ اس میں کچھ توسع ہوتی ہے یہ ترکی بزرگ تھے اور ترکوں میں عموماً فقہ اصول فقہ کا رنگ غالب ہوتا ہے اسکا بھی یہی حال تھا۔ دہلی پہنچے تو بازار سے سودا کسی دوسرے کے ہاتھ نہ منگواتے تھے خود جا کر سودا خریدتے تھے اور فرماتے تھے کہ بازاروں میں عام طور پر بیوع فاسدہ رائج ہیں اس لئے دوسروں پر اطمینان نہیں ہوتا۔

دہلی میں کسی بزرگ کے قائل نہ تھے یہ کہتے تھے کہ یہ لوگ متقی نہیں۔ دہلی کے اکابر علماء کے متعلق اس وقت انکی تحقیق یہ تھی کہ فرماتے تھے کہ عبدالعزیز آدمی ست عبدالقادر مسلمان ست و رفیع الدین ناحق بر علم خود غرہ می کند۔ پھر حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا تو رنگ عجیب دیکھا تو یہیں کے ہو رہے بیعت ہوئے مجاہدے کئے اور انکے خلیفہ مجاز ہوئے اور سب تقویٰ کے دعوے رخصت ہو گئے۔

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ

اکابر دیوبند کا عدل واعتدال

ٹھسکہ میں ایک بزرگ تھے بہادر علی شاہ صاحب سماع سنتے تھے مگر ذاکر شاغل عبادت گزار آدمی تھے۔ ہمارے بزرگوں کے معتقد بھی تھے۔ ایک مرتبہ پیران کلیر شریف کے سجادہ نشین نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ سے بیعت ہونے کی درخواست کی تو حضرت گنگوہیؒ نے انکو مشورہ دیا بہادر علی شاہ صاحب ٹھسکہ والے سے بیعت ہو جاویں۔ باوجود اختلاف مسلک کے بہادر علی صاحب کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ اور خود بظاہر اس لئے نہ کیا کہ سجادہ نشین کو بہت سی رسوم کی شرکت

ضروری ہوتی ہے جو حضرت کے مذاق کے خلاف تھیں۔

لکھنؤ میں مدح صحابہ کی مجالس کے متعلق حضرت کا ارشاد

روافض کی تبرا گوئی کے مقابلہ میں لکھنؤ کے بعض علماء نے مدح صحابہ کی جاری کی تھیں جس کے نتیجہ میں روافض کی تبرا گوئی اور تیز ہوگئی۔ اس کے متعلق بعض حضرات نے حضرت سے سوال کیا تو حضرتؒ نے انکو جواب لکھا جس کا خلاصہ بطور یادداشت کے ایک پرچہ میں لکھا ہوا تھا جس کی نقل یہ ہے۔

الجواب:۔ روی البخاری بسنده عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ ولا تجهر بصلوتک ولا تخافت بها قال نزلت ورسول الله صلی الله علیه وسلم مختف بمکه کان اذا صلی باصحاب رفع صوته بالقرآن فاذاسمع المشرکون سبوا القرآن ومن انزله ومن جاء به فقال الله تعالیٰ لنبیه صلی الله علیه وسلم ولا تجهر بصلوتک ای بقراءتک فیسمع المشرکون فیسبوا القرآن ولا تخافت بها من اصحابک فلا تسمعهم وابتغ بین ذالک سبیلا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود قرآن کا جہر اور وہ بھی جماعت کی نماز میں امام پر واجب ہے اگر سبب بن جائے قرآن کے سب وشتم کا تو ایسے وقت میں اتنے جہر کی ممانعت ہے کہ سب و شتم کرنے والوں کے کان میں آواز پہنچ جاوے تو مدح صحابہ کا اعلان و جہر کہ فی نفسہ واجب بھی نہیں۔ اگر سبب بن جائے کے صحابہ کے سب وشتم کا تو ایسے وقت اسکا اتنا جہر کہ سب وشتم کرنے والوں کے کان میں آواز پہنچے کیسے ممنوع نہ ہوگا۔ ویؤیده ویزیل بعض الاشکالات الواردة علیه مافی روح المعانی تحت قوله تعالیٰ ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله الایة (روح صفہ ۲۱۹ ج ۷)

واستدل بالآیة ان الطاعة اذا ادت الی معصیته رائجة وجب ترکها فان مایودی الی الشر شر وهذا بخلاف الطاعته فی موضع فیه معصیة لایمکن دفعها وکثیرا ما یشتبهان ولذالم یحضر ابن سیرین جنازة اجتمع فیها الرجال والنساء وخالفه

الحسن قائلا لو تركنا الطاعة لاجل المعصية لاسرع ذلك فی دینناللفرق بینهما ونقل الشهاب عن المقدسی فی الصحیح عند فقهائنا انه لایشرک مایطلب لمقارنة بدعة کترک اجابة دعوة لما فیها من الملاهی وصلوة الجنازة لنائحة فان قدر علی المنع منع والا صبر و هذا اذا لم یقتدبه والا لا یقعد لان فیه شین الدین. الی اخرما فصله فلیطالع ثمه ۔ اس آیت سے اسپر استدلال کیا گیا ہے کہ جب کوئی طاعت معصیت راجحہ کا سبب بن جائے تو اس طاعت کو بھی چھوڑ دینا واجب ہوجاتا ہے کیونکہ جو چیز کسی شر کا سبب مودی بنے وہ بھی شر ہے اور یہ بات اس سے الگ ہے کہ کسی ایسی جگہ میں جہاں معصیت ہورہی ہو اور اس کے دفع کرنے پر قدرت نہ ہو وہاں کوئی طاعت ادا کی جائے اور بسا اوقات لوگوں پر یہ دونوں چیزیں مشتبہ ہوجاتی ہیں ۔ دونوں کا ایک ہی حکم سمجھ لیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ابن سیرین اس جنازہ میں شریک نہیں ہوئے جس میں مرد وعورتیں مخلوط شریک تھے اور حضرت حسنؒ نے اسکی مخالفت فرمائی اور کہا کہ اگر ہم معصیت کی موجودگی کی وجہ سے طاعت کو چھوڑ دیا کریں تو ہم بہت سی طاعات سے محروم ہوجائیں گے اور یہ ہمارے دین کی بربادی کا آسان راستہ ہوگا ۔ اور شہاب مقدسی سے نقل کیا ہے کہ صحیح ہمارے فقہا کے نزدیک یہ ہے کہ کسی طاعت مطلوبہ کو کسی بدعت کی مقارنت کی وجہ سے نہیں چھوڑا جاسکتا جیسے کسی ولیمہ کی دعوت نہ قبول کرنا اس بناء پر کہ وہاں لہو ولعب ہے یا جنازہ میں شرکت نہ کرنا اس وجہ سے کہ وہاں کوئی نوحہ کرنے والی عورت ہے ۔ بلکہ یہ ہونا چاہیے کہ ولیمہ اور جنازے میں شریک ہو اور جو گناہ کا کام ہورہا ہو اسکو روکے اگر روکنے پر قدرت ہو ورنہ صبر کرے اور یہ جب ہے کہ ایسا کرنے والا قوم کا مقتدا نہ ہو اور اگر یہ مقتدا ہے تو اسکو شرکت نہیں چاہیے ۔

نیز اس مضمون کی تائید علامہ شامی کے کلام سے بھی ہوتی ہے جو فصل اتباع الجنائز میں لکھا ہے ۔

قول الله المختار (ولا یترک اتباعها لاجلها) ای لاجل النائحة لان السنة لا

تترک باقتران البدعة ولا یرد الولیمة حیث یترک حضورها ببدعة فیها للطارق بانهم لو ترکوا المشی مع الجنازة لزم عدم انتظامها ولا کذلک الولیمہ لوجود من یاکل الطعام (شامی صفحہ ۹۳۲)۔ جنازہ کے پیچھے چلنا اس بنا پر نہیں چھوڑنا چاہیے کہ وہاں کوئی نوحہ کرنے والی عورت ہے کیونکہ اقتران بدعت کی وجہ سے اصل سنت کو نہیں چھوڑا جاسکتا اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ولیمہ کی شرکت جبکہ وہاں کوئی بدعت ہو ترک کردی جاتی ہے کیونکہ اگر نائحہ کہ وجہ سے جنازہ کی شرکت چھوڑ دی گئی تو جنازوں کا انتظام درست نہ رہے گا بخلاف ولیمہ کے کہ ایک نے نہ کھایا تو دوسرے کھانے والے موجود ہیں۔

آیت یفسد فیھا ویسفک الدماء پر شبہ اور اسکا جواب از مولانا محمد یعقوب صاحبؒ

اس آیت سے بظاہر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جو فساد اور خونریزی اس میں بیان کی گئی ہے یہ خود آدم علیہ السلام سے سرزد ہوگی۔ حالانکہ وہ نبی معصوم ہیں۔ اسکا جواب دوسرے حضرات نے تو یہ دیا ہے کہ اس سے خود آدم علیہ السلام کی ذات مراد نہیں۔ بلکہ بنی آدم مراد ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے عجیب جواب یہ دیا ہے کہ یہاں فساد اور خونریزی کے شرعی معنی مراد ہی نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں کیونکہ انسان جانوروں کو ذبح کرکے کھائے گا شکار کرے گا تو لغوی معنی کے اعتبار سے یہ بھی زمین میں ایک فساد کی صورت ہے۔

حضرت کی خاص تواضع

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس سے چاہیں اپنے دین کا کام لے لیتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ جس سے کام لیا جائے وہ عنداللہ مقبول ہی ہو۔ دیکھو چمار سے بیگار لی جاتی ہے مگر اس سے چمار کا کوئی درجہ نہیں بڑھ جاتا وہ اپنی جگہ پر چمار ہی رہتا ہے۔ ہمارا حال بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کچھ خدمت ہم سے لے لیتے ہیں مگر اپنا حال ہم خود جانتے ہیں کہ ہم کہاں ہیں درجہ تو اللہ کے

نزدیک صرف عالم باعمل کا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے کرتے میں اکیس پیوند

شیخ دحلان نے اپنی کتاب فتوحات اسلامیہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو انکی خلافت کے زمانہ میں طواف کرتے ہوئے اس حالت میں دیکھا ہے کہ انکے کُرتے میں اکیس پیوند لگے ہوئے تھے جن میں سے بعض کپڑے کے بھی نہ تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا جبّہ جو ابھی تک انکے خاندان میں محفوظ ہے اور سالانہ اسکی زیارت کرائی جاتی ہے یہ بھی اس واقعہ کی یادگار ہے اور اصل سبب یہ ہے کہ حضرت شیخ کو یہ کرتہ انکے شیخ نے عطا فرمایا تھا اس لئے ساری عمر اسکو اپنے بدن سے جدا نہیں کیا۔ جب میلا ہوتا تو دھو لیتے جب پھٹ جاتا تو جس رنگ اور جس قسم کا کپڑا ہاتھ لگ گیا وہ اس میں جوڑ دیا۔ یہ تھی اصل حقیقت اس جبہ کی۔

آج کل کے مصنوعی درویشوں نے اسکی عجیب گت بنائی ہے کہ مختلف رنگوں کے مکلف کپڑے ایک خاص انداز سے جوڑے جاتے ہیں اور اسکو لباس درویشی سمجھا جاتا ہے۔

بڑوں اور بزرگوں کی رضا جوئی کا اہتمام

ارشاد فرمایا کہ حق تعالی کی ہزاراں ہزار نعمتیں مجھ پر ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں نے کبھی اپنے کسی بزرگ کو ناراض نہیں کیا اور کبھی بے ادبی نہیں کی۔ اگر کبھی انکی طرف سے زیادتی بھی ہوئی تو میں نے یہ سمجھ کر نظر انداز کیا کہ انکے ذریعہ حق تعالی نے مجھے علم کی ایسی بڑی دولتیں عطا فرمائی ہیں۔ اگر ایک تکلیف بھی پہنچ گئی تو کیا مضائقہ ہے ؎

آنرا کہ بجائی تست ہردم کرمے ۔۔۔ عذرش بنہ ار کند بعمرے ستمے

حضرت لقمان کا واقعہ یاد آیا کہ انکے آقا نے ککڑی بوئی جب تیار ہوگئی تو اپنے پاس منگائی اور اوّل اس کی کچھ قاشیں لقمان کو دیں انہوں نے کھالی اور کچھ نہ کہا پھر آقا نے خود کھائی تو دیکھا

کہ سخت کڑوی ہیں اس نے لقمان سے کہا کہ لقمان تم نے یہ کڑوی ککڑی کھالی اور کچھ کہا نہیں۔ حضرت لقمان نے کہا کہ جس شخص کے ہاتھوں ہزاروں شیریں چیزیں روز کھاتے ہیں اگر ایک روز اس سے کوئی کڑوی چیز مل جائے تو میرا کیا منہ ہے کہ میں اسکی تلخی کا ذکر کروں۔

ارشاد

فرمایا کہ ہم بھی قصد کیوں کریں کہ اللہ کے سامنے جنید بنکر جاویں۔ اگر حجاج بن کے بھی جاؤ اور کہو کہ اللھم اغفرلی تو یہ بھی کافی ہے اور اگر جنید ہونے پر ناز ہونے لگے تو اس سے حجاج ہونا شاید بہتر ہو۔

نازتقوئ سے تو بہتر ہے نیاز رندی　　　جاہ زاہد سے پھر اچھی مری رسوائی ہے

ایک تجربہ

فرمایا کہ بستی کے آدمی سے وفاء کی امید بہت کم ہوتی ہے اس لئے ملازم رکھے تو باہر کا آدمی رکھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دوشعر

ای یومین من الموت افر　　　یوم لایقدر اویوم قدر

یوم لایقدر لایاتی القضاء　　　یوم لایقدر لایغنی حذر

یعنی کوئی موت سے بھاگنا چاہیں تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اس روز میں اسکی موت مقدر نہیں یا مقدر ہے پہلی صورت میں تو قضاء اور موت آ ہی نہیں سکتی پھر ڈرنا کیسا اور دوسری صورت میں موت کا آنا یقینی ہے پھر بھاگنا کیسا۔ اسی کا ترجمہ کسی نے فارسی میں خوب کیا ہے۔

دوروز حذر کردن از موت خطاست　　　روز یکہ قضاء نباشد وروزے کہ قضاست

حرف ضاد کی ادائیگی کا مسئلہ

فرمایا کہ قاری عبدالوحید صاحبؒ مدرس تجوید دارالعلوم نے ایک مرتبہ لکھا کہ میری تحقیق یہ

ہے کہ حرف ضاد اشبہ بالظاء مگر اس طرح پڑھتا ہوں تو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ بزرگوں کے طرز کے خلاف پڑھتے ہو۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اگر لوگوں کو رازق سمجھتے ہو تو ان کا اتباع کرو ورنہ صحیح پڑھنے پر قائم رہو۔

پھر فرمایا کہ یہ محض غلط ہے کہ ہمارے بزرگوں کا طرز دال مضخم پڑھنے کا تھا۔ کیونکہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے پیچھے میں نے سینکڑوں نمازیں پڑھی ہیں نہایت صحیح ضاد پڑھتے تھے۔ قاری عبدالرحمٰن صاحب سے باقاعدہ مشق کی تھی۔

اور حضرت گنگوہیؒ کے ضاد کے متعلق قاری عنایت اللہ گنگوہیؒ سے دریافت کیا فرمایا کہ بالکل صحیح پڑھتے ہیں اور فرمایا کہ میں نے حضرت سے دو مرتبہ پورے قرآن کا دور کیا ہے آپکے حروف کو بالکل قواعد کے مطابق صحیح پایا ہے حضرت نے فرمایا کہ قاری عنایت اللہ صاحب گنگوہیؒ کچھ بدعات میں مبتلا تھے اور حضرت کو بدعات سے سخت نفرت مگر اس زمانے میں بے تہذیبی نہ تھی اختلاف حدود پر رہتا تھا یہاں تک کہ آپس میں دور قرآن بھی ہوتے تھے۔

مناظرہ

حضرت نے فرمایا کہ مناظرہ کے ساتھ شوخی کچھ لازمی سی ہوگئی ہے۔ پہلے مجھے بھی مناظرہ کا شوق تھا تو کلام میں شوخی ہوتی تھی مگر اب تو اس سے نفرت ہے اب تو مذاق یہ ہے ۔

تو بر سر قدر خویشتن باش و وقار ۔۔۔ بازی و ظرافت بند یمان بگزار

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب کا مناظرہ

فرمایا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کا عالمانہ تحریری مناظرہ مولانا عبدالحق خیر آبادی وغیرہ سے ہوتا تھا وہ تین آدمی تھے سب کی طرف سے ایک تحریر آتی تھی۔ ادھر سے مولانا جواب لکھتے تھے مگر مناظرہ نہایت متانت کے ساتھ تھا ایک مرتبہ کسی تحریر میں انکی طرف سے ایک جملہ استہزاء کا آ گیا مولانا نے اسکا کچھ جواب لکھنے کے بجائے یہ لکھا کہ :

الاستهزاء ينبت المراء كما ينبت الماء الكلاء۔ یعنی استہزاء جھگڑا بھی ایسا اُگتا ہے

جیسے پانی گھاس اگتی ہے۔

لہٰذا جو بش نظر انداز کردہ شد آئند احتیاط در اند۔ حضرت نے فرمایا کہ مناظرہ اس طرز سے ہو تو مضائقہ نہیں۔

علماء ربانی کا حلم وکرم

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہانپوری درس حدیث دے رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر کچھ گستاخانہ کلام کیا۔ طلباء میں شورش ہوئی اور اس سے انتقام لینا چاہا مولانا نے منع فرمایا اور فرمایا کہ بھائی بعض باتیں تو سچی بھی تھیں سب تو غلط نہیں کہیں اس لئے معاف کرنا چاہیے۔

طریق جذب وسلوک

اصول الی اللہ کے لئے دو طریقے ہیں ایک سلوک یعنی اپنے اعمال صالحہ اختیار یہ، دوسرے جذب کہ خود حق تعالیٰ جل شانہ بغیر اسکے کسی کسب کے اسکو اپنا بنالیں۔ قرآن مجید کی آیت اللّٰہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب میں ان دونوں طریقوں کی طرف اشارہ ہے۔ اجتباء سے مراد وہ طریق ہے جسکو جذب کہا جاتا ہے اور ہدایت وانابت سے طریق سلوک کی تعبیر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک یہ دونوں چیزیں جمع نہ ہوں وصول الی اللہ نہیں ہوتا۔ بندہ جب اپنا ارادہ اور اختیار اللہ کی راہ میں خرچ کرتا اور محنت اٹھاتا ہے تو رحمت حق متوجہ ہوتی ہے وہ ہی اس کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے جس سے وصول ہوتا ہے۔ ورنہ تنہا سلوک وکسب وصول کے لئے کافی نہیں ہوتا۔

تو مگر از طرف خویش بمن نزدیکی ورنہ من از طرف خویش بغایت دورم

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبیٹھوی نے کیا خوب بات فرمائی کہ ہمارے بزرگوں کے طریق میں بہت جلد وصول ہوتا ہے حالانکہ مجاہدات زیادہ نہیں کراتے اسکا سبب یہ ہے کہ وصول الی اللہ کے لئے سلوک اور جذب دونوں کی ضرورت ہے ابتداء سلوک سے ہوتی ہے کہ بندہ اپنی مقدور بھر کوشش حق تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے کرتا ہے مگر یہ کوشش وصول الی اللہ کے لئے کبھی کافی

نہیں۔ وصول جسکو ہوتا ہے وہ جذب ہی کے ذریعہ ہوتا ہے یعنی بندہ جب عمل شروع کرتا ہے تو رحمت حق متوجہ ہوکر اسکو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور وصول ہو جاتا ہے اور رحمت حق کی توجہ عمل مرضی و پسندیدہ پر موقوف ہے جو عمل سنت کے مطابق ہو اس پر رحمت حق جلد اور بہت جلد متوجہ ہو جاتی ہے۔ اور جس میں اتباع سنت کی کمی ہو اس پر رحمت جلد متوجہ نہیں ہوتی ہمارے بزرگوں کا طریق چونکہ سنت کے عین مطابق ہے اس لئے جذب جلد ہو جاتا ہے اور وصول بھی۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کو وصول الی اللہ حاصل ہو جائے تو پھر وہ مردود نہیں ہوتا۔ بزرگوں کا مقولہ ہے **الواصل لایرجع** اور بعض نے فرمایا کہ **الفانی لایرد** اور ایسے قصے جو مشہور ہیں کہ بعض اولیاء اللہ معاذ اللہ بعد میں گمراہ ہو گئے وہاں درحقیقت وصول الی اللہ اور ولایت حاصل ہی نہ ہوئی تھی اس کا دھوکہ ہوا تھا۔ ورنہ حقیقت میں جسکو وصول ہو جائے پھر نہیں لوٹتا اور نہ پھر اس کو گمراہی کا خطرہ رہتا ہے۔

ایک شخص کا خواب اور حضرت کی اسکو ہدایت

ایک صاحب نے اپنا خواب حضرت کی خدمت میں بغرض تعبیر بھیجا۔ خواب یہ تھا کہ ایک عالم صاحب کے مریدین کی ایک جماعت انکے پاس آئی اور عالم صاحب کی طرف سے کچھ تحفے انکو دیئے۔ جن میں ایک کپڑے کے اندر بزرگوں کے مستعملہ سلے ہوئے کپڑے ہیں پھر ایک دوسرا کپڑا بھی ایسا ہی دیا گیا پھر ایک تیسرا کپڑا دیا گیا جس میں چند بزرگوں کے مستعملہ کپڑوں کے ٹکڑے ہیں۔ بغرض تبرک ہی لئے گئے ہیں اور ان میں بتلایا گیا کہ جواہر لال نہرو اور گاندھی کے مستعملہ کپڑے بھی شامل ہیں۔ اس پر خواب دیکھنے والے صاحب خواب ہی میں برہم ہوئے اور کہا سبحان اللہ کیا اولیاء اللہ کے ساتھ اعداء اللہ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے میں تو اس کپڑے کو صرف استنجاء کے لئے استعمال کر سکتا ہوں اس پر یہ جماعت برہم ہوئی خواب دیکھنے والے نے خواب ہی میں کسی عالم سے ان کو سمجھانے کے لئے کہا یہ عالم ایک چارپائی پر کھڑے ہوکر تقریر کرنے لگے اسی حالت میں آنکھ کھل گئی۔

خواب دیکھنے والے نے یہ بھی لکھا تھا کہ اس خواب کی تعبیر ہر طبقہ کے علماء سے دریافت کی گئی ہے حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:۔

السلام علیکم! اول تو ہم لوگوں کے خواب ہی کیا اور اگر ہو بھی تو وہ ایسا امر اہم نہیں جسکی تعبیر کا خاص اہتمام کیا جائے کیونکہ نہ خواب حجت ہے نہ تعبیر حجت۔ پھر اگر اہتمام بھی ہو تو اس درجہ کا اہتمام کیوں کیا جائے ایک معبر جس سے عقیدت ہو اس سے پوچھ لینا کافی ہے اور مرئی لہ (یعنی جس کے متعلق خواب دیکھا ہے) سے عقیدت ہے تو اسکو سب پر ترجیح ہے۔

حضرت کو قتل کی دھمکی اور حضرت کا ردعمل

کسی صاحب نے ایک گمنام خط حضرت کے نام شائع کر دیا جس میں آپ کو قتل کی دھمکی دی گئی تھی۔ فتح پور کے لوگوں نے اس سے متاثر ہو کر خط لکھا جس میں اس خط پر اظہار ناراضی اور حضرت سے محبت و عقیدت کا اظہار تھا آخر میں بہت سے لوگوں کے دستخط تھے۔ حضرت نے اسکے جواب میں فرمایا مکرمی السلام علیکم! محبت کا شکر گزار ہوں مگر خیر خواہی سے اعتدال فی المحبۃ کا مشورہ دیتا ہوں اور اس اعتدال کی صورت یہ ہے کہ دعا کی جاوے اور اگر بہت جوش ہو انفرادی طور پر اسکا اظہار کر دیا جائے باقی دستخطوں کا اہتمام اور اس قدر تطویل مضمون غالباً یہ زیادت علی السنۃ ہے گو مغلوب المحبت معذور ہے مگر معذور سے محقق اچھا ہے۔

والسلام

یہ خط لکھا ہی گیا تھا کہ ایک پولیس سب انسپکٹر آئے اور عرض کیا کہ ضلع اعظم گڑھ کے کلکٹر کی چٹھی آئی ہے وہ پوچھتے ہیں کہ قتل کا جو خط آیا ہے کیا اس کے متعلق آپ کچھ چاہتے ہیں (غالباً خط ضلع اعظم گڑھ کا تھا) حضرت نے اسکے جواب میں سب انسپکٹر پولیس سے کہہ دیا کہ میں کچھ نہیں چاہتا نہ امداد نہ تفتیش۔ حضرت نے فرمایا کہ قتل کی دھمکی کے خط نے مجھے بڑا فائدہ پہنچایا۔ جس قدر لوگوں کے حقوق میرے ذمہ تھے میں نے ان سب کو ادا کر کے سبکدوشی حاصل کر لی اس سبکدوشی کا میرے باطن پر ایسا اثر ہوا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ (۹ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ)

تجوید قرآن کے معاملے میں افراط وتفریط

فرمایا کہ سلف صالحین میں تجوید حروف کا اتنا اہتمام نہیں کیا جتنا آج کل کے لوگوں میں ہے جسکی دو وجہ ہیں اول تو یہ کہ وہ عرب تھے انکو حاجت نہ تھی فطری طور پر ان کے حروف صحیح نکلتے تھے اور عجم کے لوگ انکی صحبت اور ان سے سیکھنے کی وجہ سے غلطیاں زیادہ نہ کرتے تھے۔ دوسرے یہ بھی ہے کہ ہر کام میں زیادہ تکلف پسند بھی نہ تھا آج کل اس میں غلو ہو گیا ہے کہ جو لوگ اس فن میں لگ جاتے ہیں تمام دوسرے ضروری امور سے غفلت برتتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو تجوید حروف کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ معاملہ اعتدال کا ہونا چاہیے۔

پانی پتی اور مصری لہجہ

ایک جلسہ میں پانی پتی اور مصری لہجہ کے دونوں قراء جمع تھے اور انکے آپس میں یہ تنازعہ تھا کہ پانی پت والے مصری لہجہ والوں پر گانے کا الزام لگاتے تھے اور مصری لہجہ والے ان کو کہتے تھے کہ یہ ایسا پڑھتے ہیں جیسے روتے ہیں۔ حضرت نے یہ فیصلہ فرمایا کہ جس طرح اوزان شعر پر کوئی آیت منطبق ہو جانے سے آیت کو شعر نہیں کہہ سکتے اسی طرح اگر قواعد غناء پر بلاقصد منطبق ہو جائے تو اس کو گانا نہیں کہہ سکتے ہاں قواعد موسیقی پر بلاقصد منطبق کیا جائے تو وہ غنا میں داخل ہے۔

قرآن میں وقف اور وصل کا حکم

فرمایا کہ اصل تحقیق یہ ہے کہ وقف نہ کسی جگہ ممنوع و ناجائز ہے اور نہ کسی جگہ ایسا لازم و ضروری کہ اسکے بغیر نماز نہ ہو یا قرأت غلط سمجھی جائے۔

پھر فرمایا کہ آیات اور چیز ہیں اور وقف اور چیز، آیات تو منقول کا اتباع ہے یہ ضروری نہیں کہ ہر آیت پر مضمون ختم ہوتا ہے اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے نظم میں قطعہ بند کے دو شعر ملکر مضمون پورا ہوتا ہے مگر وہ شعر دو ہی کہلاتے ہیں۔ اسی طرح بعض جگہ دو یا زائد آئتیں مل کر مضمون پورا ہوتا

ہے مگر وہ دونوں آیتیں جدا جدا ہوتی ہیں اور اوقاف تابع تفسیر ہیں اسی وجہ سے ان میں اختلاف ہے۔ غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ ہر آیت پر وقف کرنا ضروری ہے اور غیر آیت پر وقف کرنا جائز نہیں۔

اخبار اور احبار کا لطیفہ

فرمایا کہ اخبار کا تو اعتبار پہلے سے نہ رہا تھا اب تو افسوس یہ ہے کہ احبار کا اعتبار بھی مشکل ہو گیا۔

ہر کام میں حفظ حدود کی اہمیت

فرمایا کہ حق تعالیٰ نے صلحاء کی بہت سی تعریفیں سورہ توبہ کی اس ایک آیت میں جمع فرمائی ہیں جس میں التائبون الحمدون سے شروع ہو کر بہت سی صفات محمودہ بیان فرمانے کے بعد فرمایا والحفظون لحدود الله اس سے معلوم ہوا کہ تمام صفات محمودہ اس وقت محمودہ ہیں جبکہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہیں ان میں افراط وتفریط یا غلو ہو گیا تو صفت محمودہ نہیں رہتی۔ اور ہر کام اس وقت صحیح و مقبول ہوگا جبکہ وہ حفظ حدود کے ساتھ ہو۔

ایک تجربہ کی بات

ارشاد فرمایا کہ مباحات سے قلب کو خالی کرنے کا اہتمام مضر ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ مباحات کا اشتغال انسان کے لئے معاصی سے اجتناب میں معین ہوتا ہے اس لئے کچھ نہ کچھ مباحات کا اشتغال رکھنا چاہیے مگر اس حد تک کہ تشویش نہ ہو اور غیر اختیاری طور پر کبھی تشویش بھی ہو جائے تو مضر نہیں۔

علمی انحطاط

فرمایا کہ پہلے بھی کچھ طلباء فاقد الاستعداد تو ہوتے تھے مگر فاسد الاستعداد نہ تھے۔ اب تو فاسد الاستعداد ہیں کہ تربیت وتعلیم کا بھی کچھ اثر نہیں ہوتا۔

دین پر پختگی کے ساتھ اسکی فکر کہ لوگوں کی دلشکنی نہ ہو

فرمایا کہ کشن پرشاد جو ریاست حیدرآباد میں بڑے رکن ہیں انکی لڑکیاں مسلمان ہیں اور ایک مرتبہ یہاں آئیں تو ہمارے گھر میں قیام کیا۔ ایک لڑکی نے درخواست کی کہ میں حضرت کے سامنے آنا چاہتی ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ اس درخواست کا یہ جواب میرے نزدیک متعین تھا کہ سامنے آنے کی اجازت نہیں لیکن یہ سوچتا تھا کہ عنوان کیا ہو جس سے دلشکنی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا تو میں نے ان سے یہ سوال کرلیا کہ وہ کچھ بات بھی کرنا چاہتی ہیں یا صرف سامنے آنا چاہتی ہیں انہوں نے کہا کہ بات بھی کرنا ہے تو میں نے کہہ دیا میرا طبعی امر ہے کہ اجنبی عورت سامنے ہوتی ہے تو میں اس سے بات نہیں کرسکتا۔ پھر انہوں نے بھی اختیار کیا کہ پس پردہ بات کرلیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جو شخص پختہ ہو جائے یا کم از کم پختہ لوگوں کے مشابہ ہو جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی کبھی شرمندگی اٹھانی نہ پڑے گی۔

تقویٰ میں رعایت حدود کے ساتھ رعایت قلوب بھی چاہیے

مولانا مظفر حسینؒ صاحب کاندھلوی جو تقویٰ میں معروف عالم و بزرگ تھے ایک دفعہ دہلی سے کاندھلہ اپنے وطن آرہے تھے اس وقت تک ریل جاری نہیں ہوئی تھی بیل گاڑیوں میں سفر ہوتا تھا۔ مولانا نے دہلی سے ایک بیل گاڑی کرایہ پر لی۔ راستہ میں بطور مروت بہلبان سے گفتگو شروع کی اس میں یہ پوچھا کہ گاڑی تمہاری اچھی ہے کہاں سے لی ہے اس کی زبان سے نکلا کہ یہ گاڑی فلاں طوائف کی ہے کرایہ پر چلتی ہے میں اسکا ملازم ہوں۔ یہ سنکر دل میں تو یہ طے کر ہی لیا کہ اب اس گاڑی پر سوار نہ ہوں گے مگر اس کے اظہار میں بہلبان کی دل شکنی سمجھ کر ایک حیلہ کیا کہ پیشاب کے حیلہ سے اترے اور پیشاب کرنے کے بعد پیادہ چلنے لگے بہلبان نے عرض کیا کہ بیٹھ جائیے عذر کردیا کہ بیٹھے بیٹھے تھک گیا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اس نے کہا پھر بھی وہی جواب دیا۔ اسی طرح کئی مرتبہ کہنے کے بعد اس کو یہ احساس ہوا کہ اب یہ گاڑی میں بیٹھیں گے نہیں تو اس نے عرض کیا کہ حضرت میں اب سمجھا ہوں کہ آپ کو جب سے یہ معلوم ہوا کہ گاڑی طوائف کی ہے آپ اس

میں بیٹھنا نہیں چاہتے تو اب اگر یہی رائے ہے تو مجھے اجازت دے دیجئے میں دہلی واپس چلا جاؤں۔ فرمایا کہ ہاں بات تو یہی ہے مگر میں تمھارا یا مالکہ کا نقصان بھی برداشت نہیں کر سکتا اس لئے کاندھلہ چلکر تمھاری اجرت اور جملہ حقوق ادا کرنے کے بعد جانے دوں گا۔ پھر ایسا ہی کیا حضرت نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ خشک تقویٰ تو آسان ہے مگران بزرگوں کا تقویٰ بڑا مشکل تھا جو حدود کی رعایت کے ساتھ قلوب کی رعایت کو بھی جمع فرماتے تھے۔

مولانا مظفر حسین کی عقیدت حضرت حاجی صاحب کے ساتھ

مولانا مظفر حسین صاحب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ آج کل کے بزرگوں میں سے نہیں جنید و شبلیؒ کے طبقہ میں سے ہیں۔

ارشاد

فرمایا کہ جب تک کوئی شخص خود اپنی اصلاح کا قصد نہ کرے کسی معلم و مرشد کی تعلیم و تربیت کچھ مفید نہیں ہوتی اور نہ کسی کی دعاء عادتاً موثر ہوتی ہے۔ دیکھ لیجئے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کون معلم اور مرشد اور مقبول الدعاء ہوسکتا ہے۔ آپ کے چچا ابو طالب آنحضرت ﷺ کے معتقد بلکہ عاشق تھے اور آنحضرت ﷺ کو بھی انکے ساتھ شغف تھا کہ یہ کسی طرح ایمان لے آویں اور آخر تک برابر اسکی تدبیریں کرتے رہے مگر خود چونکہ انہوں نے اسکا قصد نہ کیا تو کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آیت قرآن **انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء** کی تفسیر میں مشہور تو یہی ہے کہ یشاء کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور یہ صحیح ہے لیکن ایک دوسری توجیہہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یشاء کی ضمیر من کیطرف راجع ہو تو اسکا یہی مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہدایت اسی کو کرتے ہیں جو خود اپنی ہدایت کا طالب اور خواہش مند ہو۔ اس مفہوم کی تائید قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے **من اراد الاخرۃ وسعی لھا سعیھا**.

ایک نہایت اہم مختصر جامع ارشاد

ارشاد فرمایا کہ یہ ایک جملہ ہے جو صدہا برس کی تحقیقات کا خلاصہ اور طریق تصوف کی پوری حقیقت اور تمام گمراہیوں اور پریشانیوں سے نجات ہے کہ انفعلات غیر اختیاری اور افعال اختیاری ہیں اور وہی اس طریق میں مطلوب ہیں انفعالات مطلوب نہیں انکی فکر میں پڑنا خود اپنے لئے پریشانی خریدنا ہے۔

حقیقتِ دنیا

ارشاد فرمایا کہ دنیا ایک حالت عاجلہ ہے اور اسکی دو قسم ہیں ایک معین فی الدین دوسرے مانع عن الدین پہلی قسم دنیا کی محمود ہے اور دوسری قسم مذموم اور ضابطہ سے ایک تیسری قسم بھی ہو سکتی ہے کہ جو دین کے لئے نہ معین ہو نہ اس سے مانع ہو مگر یہ تیسری قسم بھی دوسری قسم مذموم کے ساتھ ملحق ہے کیونکہ ایک عبث اور لایعنی فعل ہے اور لایعنی فعل کم از کم انسان کو اسوقت کی برکت اور حسنات سے تو محروم کر ہی دیتا ہے اس لئے ایک حیثیت سے وہ بھی مانع عن الدین ہی ہو گیا۔ اور مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ نے ایک جملہ بہت اچھا اس معاملہ میں ارشاد فرمایا وہ یہ کہ لفظ دنیا ایک تو دین کے بالمقابل بولا جاتا ہے وہ تو مطلقاً مذموم ہے اور کبھی یہ لفظ آخرت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اس میں یہ تفصیل ہے کہ جو دنیا خود مطلوب بذاتہ ہو آخرت کے لئے نہ ہو وہ تو مذموم ہے اور جو دنیا آخرت کے لئے مطلوب ہو یعنی جس کے حاصل کرنے سے مقصود دین اور دینی مقاصد ہوں وہ محمود ہے اور فرمایا کہ دنیا کے بارہ میں ایک بزرگ نے چند اشعار میں خوب فرمایا ؎

عارفے خواب رفت در فکرے ‏ دید دنیا بصورت بکرے

کرد از وے سوال کے دلبر ‏ بکر چونی باین ہمہ شوہر

گفت یک حرف باتو گویم راست ‏ کہ مرا ہر کہ بود مرد نخواست

وانکہ نامرد بود خواست مرا ‏ زین بکارت ہمیں بجاست مرا

سرمد مجذوب کے چند اشعار ؎

منعم کہ کباب می خوردمی گزرد — ورنہ بادہ ناب می خوردمی گزرد

سرمد کہ بکاسہ گدائی نان را — ترکردہ بآب می خوردمی گزرد

سرمد غم عشق بوالہوس راند ہند — ایں دولت سرمد ہمہ کس رانہ دہند

عمرے باید کہ یار آید بکنار — ایں دولت سرمد ہمہ کس رانہ دہند

حالات روحانی ونفسانی اور مقامات تصوف کی اصطلاح

ارشاد فرمایا کہ سالکین کو جو حالات اس طریق میں پیش آتے ہیں وہ دو قسم ہیں ایک حالات روحانی دوسرے نفسانی۔ حالات روحانی روح کے ایسے اوصاف ہیں کہ بعد موت و مفارقت بدنی بھی باقی رہتے ہیں جیسے مشیت، محبت، توکل، صبر، شکر، اخلاص، صدق وغیرہ یہ حالات بدن کے ضعف سے ضعیف نہیں ہوتے اور مفارقت بدن کے بعد بھی قائم رہتے ہیں اور شورش جوش خروش وغیرہ۔ یہ حالات نفسانی ہیں جو جسمانی ضعف کی وجہ سے ضعیف بھی ہو جاتے ہیں اور موت و مفارقت بدن کے بعد باقی نہیں رہتے۔ حالات نفسانیہ بیشتر کم عقل لوگوں کو پیش آتے ہیں کامل العقل لوگوں میں یہ حالات بہت کم ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ حالات یکسوئی کے محتاج ہیں اور ذہین آدمی کو یکسوئی بہت کم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے حالات امت کے سب سے اعلیٰ طبقہ یعنی حضرات صحابہ پر طاری نہیں ہوئے کیونکہ وہ حضرات نہایت کامل العقل تھے۔ دوسرے یہ حالات عموماً قوت اور شباب کے زمانہ میں ہوتے ہیں ضعف اور بڑھاپے میں کم ہو جاتے ہیں۔ البتہ حالات نفسانیہ میں کچھ حالات لطیفہ ایسے بھی ہیں جو کامل العقل لوگوں کو پیش آتے ہیں مثلاً گریہ و بکا۔ جو حضرات صحابہؓ سے بکثرت منقول و ماثور ہیں۔ ایک صاحب حضرت گنگوہیؒ کے مرید مغلوب الحال تھے قہقہہ کیساتھ ہنستے رہتے تھے۔ لوگوں نے حضرت سے دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ مغلوب الحال ہیں اور ایسے حالات سالک کو پیش آجاتے ہیں۔ دریافت کیا گیا کہ کبھی آپ کو بھی یہ حال پیش آیا ہے فرمایا کہ میں کوئی بیوقوف تھا جو مجھے پیش آتا۔ اس سے بھی مضمون مذکور کی تائید ہوئی کہ ایسے حالات از کیا، کو پیش نہیں آتے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے ایسے ہی

حالات نفسانیہ کے متعلق فرمایا ہے تلک خیالات تربی بھا اطفال الطریقہ ۔یعنی یہ خیالات ہیں جن کے ذریعہ طریقت کے نابالغ بچوں کو تربیت دی جاتی ہے اعمال میں لذت اور جوش خروش کی یہی مصلحت ہے کہ ضعفاء کو اس سے آسانی ہو جائیگی۔ بزرگوں نے ان کے آنے جانے کی کوئی پرواہ نہیں کی۔مولانا فرماتے ہیں ۔

روز ہا گر رفت گو رو باک نیست　　　　تو بمان اے آنکہ چون تو پاک نیست

حالات اور مقامات میں فرق

ارشاد فرمایا کہ جب تک حالات روحانی میں پختگی نہیں آتی اس وقت تک وہ حالات کہلاتے ہیں اور جب ان میں پختگی حاصل ہو جائے تو انہیں کو مقامات تصوف کہا جاتا ہے۔لوگوں نے خدا جانے کیا کیا گھڑ رکھا ہے اور حقیقت اس سے زائد نہیں کہ حالات باطنہ راسخہ کا نام مقامات ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی تربیت میں مار پیٹ کی سزا

فرمایا کہ مولوی احمد الدین صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے شاگرد تھے مگر اپنی زوجہ پر بہت تشدد کرتے تھے۔حضرت کو اطلاع ہوئی تو مجمع کے سامنے انکو خوب پیٹا اور فرمایا کہ مجھے طلاق کا وکیل بناؤ۔مولوی صاحب کی خوبی یہ ہے کہ بیٹھے پٹتے رہے ذرا حرکت نہ کی اور فوراً حضرت کو وکیل بالطلاق بنادیا۔ پھر حضرت نے حالات و معاملات کی تحقیق فرمائی تو زیادتی واقعی مولوی صاحب کی ثابت ہوئی اس لئے انکی بیوی کو بحیثیت وکیل انکی طرف سے طلاق دے دی۔ حضرت نے فرمایا کہ انکی اس فرمانبرداری اور اطاعت کی برکت یہ ہوئی کہ ایک عرصہ کے بعد ان سے چھناری میں ملاقات ہوئی تو انکی شکل وصورت چال ڈھال سب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب جیسا ہو گیا تھا یہاں تک کہ ابتداء میں پہچان نہیں سکا۔

اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا انعام

یہ ہے کہ اس نے اپنے خطاب اور اپنے سے دعاء و درخواست کرنے کے لئے سادہ الفاظ یا اللہ یا الٰہی کو جائز کر دیا۔ القاب و صفات کے بغیر۔ ورنہ دنیاوی معمولی رئیس بھی اپنے سامنے کسی درخواست کے پیش کرنے کے لئے بغیر خاص القاب کے راضی نہیں ہوتے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

نے فرمایا کہ جو شخص اپنا بڑھاپا عافیت سے گزارنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ حسن صورت اور حسن صوت سے احتراز کرے۔

ایک اہم نصیحت

فرمایا کہ جس شخص کی حالت بیداری درست تابع شریعت ہو وہ خواب میں کتنی ہی اپنی حالت کو خراب دیکھے کہ خنزیر کا گوشت کھالیا یا معاذ اللہ کلمۂ کفر بول دیا ایسی ہی اور چیزیں دیکھے تو واللہ جو اسکو ایک رائی دانے کی برابر بھی اسکا اثر لینا جائز ہو۔ اپنے کام میں لگا رہنا چاہیے اور طبعی طور پر بہت پریشانی ہی ہو تو حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھ لینا کافی ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری اہل حدیث کا منصفانہ مشورہ

خواجہ عزیز الحسن صاحب کے عزیزوں میں ایک صاحب غیر مقلد تھے۔ لکھنؤ میں میرا وعظ ہوا اس میں شریک ہوئے تو بہت متاثر ہوئے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری سے اجازت طلب کی۔ میں فلاں عالم کے وعظ میں شریک ہوا تو مجھے بڑا نفع معلوم ہوا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ کچھ دنوں کے لئے ان کے پاس جا کر رہوں۔ جواب دیا کہ ضرور رہو۔ انکی صحبت میں برکت ہے۔ پھر یہ صاحب کچھ دن یہاں آ کر رہے۔ جب رخصت ہونے لگے تو کہا کہ میں نے کسی چیز کو یہاں خلاف حدیث نہیں پایا۔ بجز اسکے کہ صوفیہ کے خاندانوں کی چار تقسیم چشتیہ نقشبندیہ وغیرہ۔ خلاف سنت معلوم ہوتا ہے حضرت نے فرمایا کہ اول تو یہ تقسیم کوئی شرعی تقسیم نہیں محض اصطلاح ہے اس لئے کوئی بدعت نہیں

دوسرے یہ تقسیم کسی کے نزدیک بھی کوئی ضروری چیز نہیں آپ کو کامل اختیار ہے کہ اپنے آپ کو ان میں سے کسی طرف بھی منسوب نہ کریں۔

اہل طریق کے لئے ایک مجرب اکسیری نسخہ

طریق تصوف کے سالکین کو جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کے بارہ میں فرمایا کہ جو شخص وساوس میں مبتلا ہو بُرے بُرے وسوسے اسکی دل میں آتے ہوں وہ اس سے پریشان ہو اسکے علاج میں ترک التفات کا جو نسخہ میں بتلاتا ہوں لوگ اسکی قدر نہیں کرتے۔ کوئی مجھ سے اسکی قدر پوچھے کہ بڑی مشقت کے بعد یہ نسخہ اکسیر ہاتھ آیا ہے۔ جس زمانے میں مجھے باطنی تکلیف پیش آئی اور شورش بڑھگئی تو حضرت گنگوہیؒ نے یہی نسخہ تجویز فرمایا تھا اور آخر تک یہی نسخہ رہا۔ پھر اسی سے آرام ہوا۔ حدیث میں جو وساوس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد آیا ہے کہ فلینتہ یعنی اسکو آگے رک جانا چاہیے اسکی تفسیر علماء نے یہی کی ہے کہ ان وساوس کی طرف التفات چھوڑ دے۔

نجات کی دو ہی صورتیں ہیں کہ علوم قرآن وسنت میں یا خود ماہر ومحقق ہو یا پھر کسی ماہر کا مقلد

ارشاد فرمایا کہ آیت قرآن **لو کنا نسمع او نعقل ما کنافی اضحب السعیر** ۔ یہ اہل جہنم کا قول ہے جو دخول جہنم کے وقت کہیں گے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ہم دو صفتوں میں سے کسی ایک صفت کے بھی حامل ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے وہ یہ کہ یا تو ہم دین کے عالموں کی بات سنتے مانتے یا خود اپنی عقل سے دین کے احکام سمجھتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نجات ان دونوں طریقوں میں منحصر ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کی ایک حکیمانہ نصیحت

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ ریاضات ومجاہدات کا اصل مقصد یہ ہے کہ **ملائکۃ اللہ** کے ساتھ تشبہ اور قرب ہو وہ انسان کو جبھی حاصل ہوسکتا ہے کہ نہ بھوک کی کلفت ہو نہ بہت کھانے کا

کسل کیونکہ جس طرح پیٹ بھرنے کا کسل قلب کو مشوش کر کے ملائکہ سے بُعد کا سبب بنتا ہے ایسے ہی بھوک کی کلفت جو مشوش کرے وہ بھی مانع تشبہ بالملائک ہے۔

حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ اس طریق میں اصل چیز جمعیت خاطر ہے تشویش کے اسباب سے بہت بچنا چاہیے۔ کاملین کے لئے تو بڑی بڑی چیزیں بھی جمعیت خاطر میں خلل انداز نہیں ہوتیں مگر مبتدے انے اور ضعفاء کیلئے ذرا ذرا سی مخالف چیز تشویش قلب کا سبب ہو کر جمعیت خاطر کو رخصت کر دیتی ہے۔ فرمایا کہ میں تو ضعفاء کو اسی لئے یہ مشورہ دیتا ہوں کہ معاش اور گزارے کا اتنا سامان کر لیا جاوے جس سے تشویش سے نجات ہو پریشانی نہ ہو۔

اور اصل یہ ہے کہ لوگوں کے مزاج اور مذاق مختلف ہیں بعض کو سامان جمع ہونے سے تشویش ہوتی ہے اور بعض کو نہ ہونے سے۔ اس لئے ہر ایک مزاج کے لئے نسخہ جدا ہے اور اولیاء اللہ میں دونوں طرح کے نظائر موجود ہیں۔

ایک نہایت اہم ارشاد

فرمایا کہ سالک کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے شیخ کی تعلیم و ہدایت کا پیرو رہے۔ فن کی کتابیں دیکھ کر خود عمل کرنا غلطی ہے۔ فرمایا کہ فن کی کتابیں مبتدیوں کے لئے نہیں بلکہ منتہی اور ماہرین کے لئے ہوتی ہیں۔ مبتدی کی کتاب تو اسکا شیخ ہے اسکو دیکھے اس سے پوچھے اور عمل کرے۔ جیسے طب اور ڈاکٹری کی کتابیں حکیموں ڈاکٹروں کے لئے ہیں وہ ہی ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں مریض خود ڈاکٹری کی کتابیں دیکھ کر استعمال کرنے لگے تو اسکی جان کو خطرہ ہے۔

ارشاد

فرمایا کہ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے بڑوں کے مشورہ کا پابند رہے خود رائی سے کام نہ کرے۔ اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کے سر پر کوئی ضابطہ کا بڑا موجود نہ ہو تو وہ کیا کرے ارشاد فرمایا کہ اسکے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بھاری علم عطا فرمایا ہے وہ یہ کہ ایسا شخص اپنے چھوٹوں کو ہی جمع کر کے مشورہ کرے۔ سب کی رائے سنکر جس کی رائے پر اسکا قلب مطمئن ہو جائے اس

پر عمل کرے۔ اس طریق میں خودرائی کی آفت سے بھی نجات ہوگی اور مشورہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ خیر کی طرف ہدایت بھی فرمادیں گے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی حیات وممات میں اختلاف

ارشاد فرمایا کہ اس مسئلے میں اختلاف معروف ہے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے حیات کے قول کو اختیار فرمایا اور یہ کہ ہر سو سال کے بعد انکا شباب عود کر آتا ہے اس لئے ضعف نہیں ہوتا۔ حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک انکی وفات ہو چکی ہے اور اہل کشف کو جو انکے تصرفات دنیا میں محسوس ہوتے ہیں یہ تصرفات روحانی ہیں جو موت کے بعد بھی قائم رہتے ہیں۔

لباس میں تکلف بیکاری اور پست ہمتی کی علامت ہے

ارشاد فرمایا کہ میں جب کسی کو دیکھتا ہوں کہ لباس پوشاک میں تکلف کا پابند ہے تو دو چیزوں پر استدلال کرتا ہوں ایک یہ کہ یہ نکما آدمی ہے دوسرے یہ کہ بہت پست حوصلہ ہے کیونکہ اگر یہ کام کا ہوتا اور کسی بڑے مقصد کی طرف اسکی نظر ہوتی تو اس میں وقت ضائع نہ کرتا ؎

نباشند اہل باطن در پئے آرائش ظاہر

بزرگانِ دیو بند کا امتیازی وصف

ارشاد فرمایا کہ اپنے بزرگوں میں جو خاص بات امتیاز کی ہے وہ یہی ہے کہ انمیں کوئی تصنع اور امتیاز نہیں۔ عوام کے ساتھ رلے ملے رہتے ہیں۔

گنگوہ کے ایک حافظ معلم قرآن

حافظ حسین علی صاحب گنگوہ میں ایک متقی بزرگ تھے۔ وہاں لال مسجد میں امام اور مسجد کے مکتب میں بچوں کے معلم تھے ایک مرتبہ کچھ گاؤں کے لوگ آئے اور ان کو اپنے یہاں لیجانا چاہا۔ انہوں نے فرمایا کہ بھائی میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ؒ کا خادم ہوں اپنے کام میں خود مختار نہیں۔ حضرت سے اجازت لے لو تو چلا جاؤں گا۔ ان لوگوں نے حضرت سے عرض کیا تو

حضرت نے فرمایا کہ واہ میاں گنگوہ میں ایک ہی تو مسلمان ہے وہ بھی تمہیں دے دوں، حافظ صاحب کی خشیت کا یہ حال تھا کہ بچوں کی تعلیم میں کبھی انکو مارنا پیٹنا بھی پڑتا تھا تو پھر یہ خوف ہوتا تھا کہ شاید مجھ سے کچھ زیادتی ہوگئی ہوتو بچوں کو بلاتے اور کہتے کہ بھائی ہم نے تمہیں مارا ہے تم ہمیں پیٹو۔ بعض شریر لڑکے اس کے لئے تیار بھی ہو جاتے اور مارتے تھے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اسکی خبر ہوئی تو میں نے کہا کہ ان کے اس فعل کا منشاء تو بہت اچھا ہے مگر یہ فعل تربیت کے خلاف ہے اس میں بچوں پر کیا اثر رہے گا۔ اچھی صورت یہ ہے کہ ان سے بعد میں ایسا برتاؤ کیا جائے جس سے وہ خوش ہو جاویں۔

حضرت جنید بغدادی اور ایک چور

حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک شخص کو سولی پر لٹکا ہوا دیکھا پوچھا اس نے کیا جرم کیا ہے۔ لوگوں نے بتلایا کہ یہ عادی چور ہے۔ پہلی مرتبہ کی چوری میں اسکا داہنا ہاتھ کاٹا گیا۔ باز نہ آیا تو پھر بایاں پاؤں کاٹا گیا پھر بھی باز نہ آیا یہاں تک کہ سولی کی نوبت آئی۔ حضرت جنیدؒ آگے بڑھے اور اسکے پاؤں کو آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا۔ لوگوں نے حیرت سے پوچھا یہ کیا تو فرمایا کہ میں نے اسکے پاؤں کو بوسہ نہیں دیا بلکہ اسکے وصف استقامت و استقلال کو بوسہ دیا ہے جو اسکے اندر تھا اگرچہ یہ اسکو شر اور معصیت میں صرف کر کے خود برباد ہوا۔ کاش ہمیں یہ استقلال اعمال خیر کے معاملات میں حاصل ہو جائے۔

حضرت نے یہ واقعہ نقل فرما کر ارشاد فرمایا کہ سبحان اللہ ان حضرات کی نظر کس قدر عمیق ہوتی ہے کہ ہر چیز کی حدود ہر حال میں محفوظ رہتی ہیں کہ چور کے عمل بد کی بدی اپنی جگہ اور اسکے اندر جو عمدہ ملکہ استقلال و استقامت کا تھا اسکی خوبی اپنی جگہ دونوں کا حق ادا کیا۔

انشاء شاعر کا ایک شعر حضرت بہت پسند فرماتے تھے۔

تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ مجھ کو آتا ہے پیار انشاء
ادھر سے ایسے گناہ پیہم ادھر سے یہ دمبدم عنایت

فتوحات عراق کے وقت حضرت فاروق اعظمؓ کی دعائے عارفانہ

جب فتح عراق کے وقت وہاں کے خزائن حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پیش ہوئے تو ان کو دیکھ کر یہ دعا کی اللھم کثرت رعیتی ووھنت قوتی فا قبضنی الیک غیر مفتون ۔یعنی یا اللہ میری رعیت زیادہ ہوگئی اور قوت کمزور ہوگئی تو آپ مجھے اب اپنی طرف اس طرح اٹھالیں کہ میں فتنوں سے محفوظ رہوں ۔اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ قرآن کریم کی آیت زین للناس حب الشھوات سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کی محبت آپ نے انسان کی فطرت میں ڈالدی ہے اس لئے اسکی دعا نہیں کرتا کہ یہ فطرت بدل دی جائے بلکہ یہ دعا کرتا ہوں کہ انکی محبت آپ راستہ کے میں ہماری معین بن جائے ۔مانع اور مضر نہ بنے ۔حضرت نے یہ دعا نقل کر کے فرمایا کہ بس یہ ہے صاف اور سیدھا سلوک وتصوف اسی کو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ اس طریق میں رذائل کا بالکل ازالہ مقصود نہیں بلکہ امالہ یعنی ان کو دین کی طرف مائل کرنا اور انکا رخ دین کی طرف پھیر دینا مقصود ہے عارف رومی نے خوب فرمایا ہے ؎

شہوت دنیا مثال گلخن ست — کہ ازو حمام تقوی روشن ست

شاہ شجاع کرمانیؒ کی لڑکی کا بے مثال زہد

فرمایا کہ جیسے حضرت ابراہیم بن ادھم کا واقعہ ترک سلطنت کر کے درویشی اختیار کر لینے کا معروف ومشہور ہے ۔اسی طرح ایک بزرگ شاہ شجاع کرمانی کا واقعہ ہے وہ بھی سلطنت چھوڑ کر درویش بن گئے تھے مگر انکی عزت وجاہ ملوک وسلاطین علماء صلحاء میں بہت زیادہ تھی ۔انکی ایک لڑکی جوان تھی اور یہ چاہتے تھے کہ کسی دیندار آدمی سے اسکا نکاح کر دیں ۔اس زمانے میں دینداری کی بڑی علامت احسان الصلوٰۃ تھی یعنی نماز کو پورے آداب اور خشوع کے ساتھ اس طرح ادا کرنا کہ گویا یہ خدا کو دیکھ رہا ہے یا خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔

شاہ شجاع نیک صالح آدمی کی تلاش میں تھے ایک روز مسجد میں ایک نوجوان کو دیکھا کہ

اچھی طرح خشوع و خضوع سے نماز پڑھ رہا ہے۔ اسی وقت ارادہ کر لیا کہ اس سے نکاح کریں گے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اسکے پاس جا کر سلام کیا اور حال پوچھا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں کیا خاندان ہے؟ معلوم ہوا کہ شریف آدمی ہیں مگر غریب اور مفلس۔

شاہ شجاع نے اس سے پوچھا کہ آپ کی شادی کہیں ہوگئی ہے یا نہیں؟ اس نے کہا اجی میں ایک بہت غریب اور مفلس آدمی ہوں مجھے کون اپنی لڑکی دینے لگا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ناامید کیوں ہوتے ہو تم نے کہیں کوئی پیغام بھی دیا ہے۔ اس نے کہا کہ جب مجھے معلوم ہے کہ میرا پیام رد کیا جاوے گا تو کیوں خوامخواہ پیام دیکر رسوا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ اچھا تم اس پر راضی ہو کہ شاہ شجاع کرمانی کی لڑکی کی شادی تم سے ہو جائے؟ تو نوجوان نے کہا کہ حضرت کیوں میرے ساتھ دل لگی کرتے ہیں۔ کہاں میں اور کہاں شاہ شجاع کرمانی۔ نام بھی لوں گا تو پٹوں گا۔ اب انہوں نے ظاہر کر دیا کہ میں ہی شاہ شجاع کرمانی ہوں اور اپنی لڑکی کا عقد تم سے کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر بھی نوجوان نے کہا کہ اگر آپ راضی ہیں تو کیا ضروری ہے کہ لڑکی راضی ہو جائے۔ فرمایا کہ میں اس سے دریافت کر چکا ہوں وہ راضی ہے۔

اب تو نوجوان نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میں کہاں اس قابل تھا شاہ شجاع نے اسی وقت نکاح پڑھا اور اسی وقت کوئی چادر یا برقع اڑھا کر لڑکی کو اس نوجوان کے گھر لے گئے۔ جو ایک شکستہ مکان تھا۔ کسی سامان کا نام نشان نہ تھا۔ لڑکی دروازے کے اندر داخل ہوئی تو اپنے والد شاہ شجاع سے کہا کہ ابا جان آپ نے مجھے کہاں ڈبو دیا ہے۔ نوجوان نے سنکر کہا کہ دیکھئے میں آپ سے کہتا تھا کہ لڑکی میری ایسی تنگدستی کی حالت پر کیسے راضی ہو سکتی ہے۔

اب تو لڑکی خود بولی کہ آپ نے کیا سمجھا ہے کہ میں نے اپنے والد صاحب سے کس چیز کی شکایت کی ہے۔ بات یہ ہے کہ میرے والد نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمھارا نکاح ایک زاہد شخص کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں میں اس پر راضی ہوگئی۔ مگر جب میں آپ کے گھر میں داخل ہوئی تو ایک گھڑے پر باسی روٹی رکھی ہوئی نظر آئی میں نے اسکو زہد کے خلاف سمجھا کہ روٹی باسی بچا کر رکھی

جائے۔ اس لئے والد صاحبؒ سے شکایت کی کہ مجھ کو کہاں ڈبو دیا یہ آدمی تو زاہد نہیں ہے باسی روٹیاں اٹھا کر رکھتا ہے۔

اس پر نوجوان نے کہا کہ میرا آج روزہ ہے خیال یہ تھا کہ شام کو افطار کے لئے باسی روٹی اٹھا کر رکھ دوں کہ تکلیف نہ ہو۔ لڑکی نے کہا کہ میرے نزدیک یہی تو زہد و توکل کے خلاف ہے۔ جس کے لئے روزہ رکھا ہے اس پر اطمینان نہیں کہ وہ افطاری بھی دیگا۔ سبحان اللہ۔

حکایت نقل کر کے حضرت نے فرمایا کہ یہ حکایات ہیں عورتوں کو سنانے کی مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ انکے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے لیکن اسکے سننے سے انہیں اللہ کی نعمتوں کا مشاہدہ ہو جائے گا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اس میں عقل کام نہیں دیتی جب تک دولت باطن نہ عطا ہو یہ حالت نہیں ہو سکتی کیونکہ ظاہری عقل میں تو یہ بات نہیں آتی۔ جب تک کہ دولت دنیا سے بڑی کوئی دولت سامنے نہ ہو۔ انکے زہد اور ترک دنیا کا یہ اعلیٰ مقام ذکر کرنے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اب میں آخری بات کہتا ہوں کہ یہ زمانہ ضعف کا ہے۔ سالکین کے لئے سہولت بہم کرنے کا ہے بقدر ضرورت سامان کر لینا خلاف زہد نہیں مگر اس اعلیٰ زہد والوں سے کم از کم محبت وعقیدت تو رکھیں انکو حقیر تو نہ سمجھیں۔

مصلح اور معالج کو حقیقت شناس ہونا چاہیے

ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب جو میرے مخصوصین میں سے ہیں انہوں نے ایک بڑی رقم کا صدقہ کرنا اپنے اوپر بطور جرمانہ اور سزا کے لازم کر لیا۔ میں نے انکو منع کر دیا کہ تمھیں ایک پیسہ خرچ کرنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ خرچ کر دیں گے تو سخت تشویش میں پڑ جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ کبھی نفس کا علاج مالی خرچ کرنے میں ہوتا ہے کبھی خرچ نہ کرنے میں۔

ایک ترکی درویش خلیل پاشا

فرمایا کہ مکہ معظمہ میں ایک ترکی بزرگ خلیل پاشا تھے پہلے ینبوع کے گورنر تھے پھر عہدہ چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی تھی اور انکی درویشی کا بھی ایک واقعہ ہے کہ ان کے والد بڑے درویش اور

اپنے وقت کے شیخ تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ایک روز شکایت کی کہ افسوس کہ میرا بیٹا خلیل دنیادار ہوگیا۔ حضرت نے فرمایا غم نہ کرو وہ بھی تم جیسے ہو جاویں گے۔ چنانچہ تھوڑے عرصہ میں انکے قلب میں خود بخود انقلاب آیا اور عہدہ چھوڑ کر درویش ہو گئے۔

حضرت نے فرمایا کہ میں نے کبھی ان سے ملاقات نہیں کی تھی۔ ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم خلیل پاشا سے کیوں نہیں ملتے۔ میں نے کہا کہ کچھ ضرورت نہیں سمجھی اور یہ مثال دی کہ جسکو بیت اللہ کے پاس جانا ہو وہ اگر ایک راستہ اور ایک دروازہ سے داخل ہوکر بیت اللہ تک پہنچ گیا تو اسکے لئے کیا ضروری ہے کہ وہاں سے لوٹے اور کسی دوسرے راستہ اور دوسرے دروازے سے پھر بیت اللہ تک پہنچے وہ بزرگ خاموش ہو گئے۔ میں نے صبح کو یہ خواب حضرت حاجی صاحبؒ سے بیان کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ان سے ضرور ملاقات کرو۔ جب میں نے عرض کیا کہ اب حضرت کے حکم سے جاؤں گا۔ چنانچہ میں حاضر ہوا تو خلیل پاشا نے فرمایا کہ میں تین زبانیں جانتا ہوں ترکی، فارسی، عربی۔ میں آپ سے کس زبان میں بات کروں۔ میں نے عرض کیا کہ ترکی زبان تو میں نہ سمجھ سکتا ہوں نہ بولنے پر قادر ہوں عربی کو سمجھتا ہوں بولنے پر پوری طرح قادر نہیں۔ فارسی زبان کو سمجھتا بھی ہوں بول بھی سکتا ہوں آپ اسی میں گفتگو فرمائیں۔

خلیل پاشا نے بہت سی باتیں کیں ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ میں نے مختلف ممالک کے علماء کو دیکھا ہے ہندوستان کے علماء سے بہتر کسی کو نہیں پایا میں نے پوچھا کہ آپ نے ان میں کونسا وصف امتیازی پایا ہے تو فرمایا کہ وہ محبِ دنیا نہیں ہیں۔

جنگ آزادی ۵۷ھ کی ایک حکایت

فرمایا کہ ہمارے ماموں امداد علی صاحبؒ فرماتے تھے کہ غدر ۵۷ھ میں ایک مقام پر بہت سی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک لالہ جی (بنیہ) دور سے کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ لاشوں میں سے ایک زخمی نے جو ابھی مرا نہیں تھا آواز دی کہ لالہ جی ذرا یہاں آؤ۔ لالہ جی گھبرا گئے کہ مردہ بول پڑا۔ آواز سنتے ہی بھاگنے لگے۔ اس نے پھر آواز دی کہ لالہ جی گھبراؤ نہیں میں مردہ نہیں

ہوں زخمی ہو گیا ہوں مرنے والا ہوں اور میری ہمیانی میں بہت سارو پیہ بندھا ہوا ہے۔ میں نے چاہا کہ اب یہ روپیہ میرے تو کسی کام آ نہیں سکتا۔ آپ یہاں آ گئے تو آپ ہی کو دے دوں۔ روپیہ کا نام سنکر لالہ جی پگھل گئے اور ڈرتے ڈرتے پاس آئے جب بالکل قریب آ گئے تو اس زخمی نے تلوار اٹھا کر لالہ جی کی ٹانگ کاٹ دی۔ لالہ جی گر پڑے۔ مگر گرتے ہی اسکی کمر ٹٹولی کہ روپیہ ہو تو کھول لوں زخمی نے کہا کہ لالہ جی باؤلے ہوئے ہو۔ جنگ میں کوئی روپیہ کمر کو باندھ کر بھی لایا کرتا ہے اصل بات یہ تھی کہ میرے آس پاس سارے مردوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں رات کو میں اکیلا رہتا ہوں محض موانست کے لئے تمھیں اپنے ساتھ کر لیا ہے کہ رات کو بات چیت تو رہے گی اور بغیر زخمی ہوئے تم یہاں کہاں ٹھہرتے اس لئے تمھارے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا۔ لالہ جی غصہ میں بھر کر بولے مکا مکا اوت کے اوت نہ خود چلیں نہ دوسروں کو چلنے دیں۔

ماموں صاحب نے یہ حکایت بیان کر کے فرمایا کہ آج کل اللہ کے راستہ میں لوگوں کا یہی حال ہے کہ خود تو چلتے نہیں اور کوئی دوسرا چلنا چاہے تو اسکی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

جو کسی بڑے سے بڑے ظالم پر بھی ظلم کرے گا اس سے بھی اللہ انتقام لے گا

ایک بزرگ کی مجلس میں ایک شخص نے حجاج بن یوسف کی طرف کوئی عیب منسوب کیا اس بزرگ نے پوچھا کہ تمھارے پاس اسکا کوئی شرعی ثبوت اور حجت موجود ہے کہ حجاج نے ایسا کیا تھا مگر انکی سنی سنائی بے دلیل بات تھی تو ان بزرگ نے فرمایا کہ خوب سمجھ لو کہ حجاج کتنا ہی بڑا ظالم سہی اور یہ بھی صحیح کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہزاروں بلکہ لاکھوں مظلوموں کا انتقام لے گا مگر یہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ اگر کسی نے اس پر ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے حجاج کا بھی انتقام لے گا۔

بزرگان دیوبند کا اصل امتیاز

ارشاد فرمایا کہ میں جو اپنے بزرگوں کا معتقد ہوں اسکی بناء یہ نہیں کہ یہ دنیا میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ کیونکہ مجھے یہ احتمال ضرور ہے کہ زمانے میں کچھ علماء ان سے بھی بڑے موجود ہوں اگر چہ ہمیں معلوم نہ ہوں بلکہ میرے اعتقاد کی بنیاد اس پر ہے کہ یہ لوگ اللہ والے تھے دنیا دار نہ

تھے۔ دنیا میں رہتے تھے مگر درحقیقت دنیا کی انکو ہوا بھی نہ لگی۔ انکا جو کام تھا وہ دینی داعیہ سے تھا خواہ اس میں اپنی تمام مصالح برباد ہو جائیں۔

احقر جامع کہتا ہے کہ خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے انہی بزرگوں کا حال اس شعر میں ضبط کیا ہے ؎

دنیا میں ہوں دنیا کا پرستار نہیں ہوں بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

امام غزالیؒ کے ایک مقولہ کی تشریح اور جواب شبہ

امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی کو ہدیہ اس نیت سے دے کہ وہ صالح اور بزرگ ہے تو اگر وہ شخص واقع میں صالح نہ ہو تو اسکو ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں۔

حضرتؒ کے شاگرد مولوی رشید احمد صاحبؒ کانپوری نے اس پر یہ شبہ پیش کیا کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ ہدیہ قبول کرنا کسی کے لئے بھی کسی حال جائز نہ ہو۔ کیونکہ اگر وہ اپنے آپ کو صالح سمجھے تو وہ حقیقت میں صالح نہ رہا کیونکہ اس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا یعنی اسکو گناہوں سے پاک صاف قرار دیا جسکی قرآن میں ممانعت آئی ہے فلا تزکوا انفسکم خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو صالح سمجھنا خود بینی اور تزکیہ نفس نہ ہونے کی بناء پر حقیقت میں صالح ہونے سے مانع ہے اس لئے ہدیہ لینا ناجائز ہوا اور اگر وہ اپنے کو صالح نہ سمجھے تو بقول امام غزالی اسکو ہدیہ لینا یوں ناجائز ہو گیا۔

حضرت نے فرمایا کہ مراد امام کی یہ ہے کہ جو شخص اپنے قصد و ارادہ سے کسی شخص کے دل میں اپنے صالح اور بزرگ ہونے کا اعتقاد خود پیدا کرے اور وہ اس سے متاثر ہو کر ہدیہ پیش کرے تو اسکا قبول کرنا اس کے لئے ناجائز ہے۔

اہل کمال کی تعداد ہر زمانے میں تھوڑی رہی ہے

فرمایا کہ اہل کمال ہر زمانے میں بہ نسبت دوسروں کے تھوڑے ہی رہے ہیں مگر چونکہ

ہمارے سامنے چودہ سو برس کی تاریخ ہے اس میں اہل کمال کا مجموعہ کثیر نظر آتا ہے ورنہ موجودہ زمانے میں بھی اہل کمال اسی نسبت سے موجود ہیں (گو درجہ کمال میں انحطاط ہو)۔

علم پر عمل اور تقدس کے بغیر لوگوں پر تعلیم کا اثر نہیں ہوتا

فرمایا کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی روایت ہے کہ وہ شبلی نعمانی سے ملے اور ان سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک مسلم قوم کی فلاح کا کیا راستہ ہے تو فرمایا کہ جب تک قوم کے قلوب میں اعتقاد و اعتماد اچھے لوگوں کا نہ ہو کوئی فلاح کی صورت نہیں اور اعتقاد بغیر تقدس اور اعمال ظاہرہ و باطنہ کی درستی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

مولانا عبدالخالق صاحب واعظ دیوبند

یہ بزرگ دارالعلوم دیوبند کے قرن اول کے لوگوں میں سے ہیں۔ دیوبند کے بڑے خطیب اور واعظ مشہور تھے۔ انصاری خاندان سے تعلق ہے۔ دیوبند میں انصاری خاندان انہیں کا معروف ہے۔ حضرت ملا محمود صاحب دیوبندی جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس تھے یہ انکے شاگرد تھے حضرت نے فرمایا کہ میں نے خود ملا محمود صاحب سے سنا ہے کہ وہ ابتداء ہی سے متقی تھے۔

یہ ضروری نہیں کہ جو تدابیر کفار کی ترقی کا ذریعہ ہوں مسلمانوں کے لئے بھی ایسی ہی ہوں

ارشاد فرمایا کہ آج کل جو قومی اجتماعی ترقی کے لئے تدابیر سیاسیہ اختیار کی جارہی ہیں یہ مرکب ہیں آثار کفر اور آثار اسلام سے۔ جب انکو کفار اختیار کرتے ہیں تو وہ اسلام سے کچھ قریب ہو جاتے ہیں اسکی برکت سے کامیاب ہوتے ہیں اور جب انکو مسلمان اختیار کرتے ہیں وہ کفر سے قریب ہوتے ہیں اس لئے ناکام ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ مسلمانوں کو کافروں پر قیاس کرنا ایسا قیاس ہے جیسا کسی بوجھ بجھکڑ کا قیاس مشہور

ہے کہ ایک شخص کھجور کے اونچے درخت پر چڑھ تو گیا مگر اترنا اسے مشکل ہو رہا تھا اس نے لوگوں سے فریاد کی کہ مجھے بچاؤ۔ گاؤں والے جمع ہو گئے کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اپنے بوجھ بجھکڑ کو بلایا اس نے آتے ہی کہا کہ یہ کام تو بہت ہی آسان ہے تم ایک لمبا رسا لاؤ اور کھجور پر پھینکو اس کو کہو کہ یہ رسا پکڑ کے اپنی کمر میں باندھ لے جب یہ کام ہو گیا تو لوگوں کو کہا کہ اب تم زور سے یہ رسا کھینچو یہ نیچے آ جائے گا۔ اس تدبیر سے وہ بیچارہ نیچے تو آ گیا مگر ہڈی پسلی سب ٹوٹ کر مردہ ہو چکا تھا لوگوں نے بوجھ بجھکڑ صاحب سے کہا کہ یہ کیا ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ تدبیر تو میں نے صحیح بتلائی تھی اسکی قضا ہی آ گئی ہو گی جو مر گیا ورنہ اس تدبیر کے ذریعہ میں نے کنوؤں میں گر جانے والے بہت سے لوگوں کو نجات دلوائی۔ وہ اچھے خاصے نکل آئے۔

تو جس طرح اس عقلمند نے اعلیٰ کو اسفل پر قیاس کر کے ایک غریب کی جان لے لی اس طرح مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے علو نصیب فرمایا ہے۔ کفار اسفل میں ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ کنویں کی گہرائی سے کسی کو اوپر اٹھانے کی جو تدبیر درست ہو وہ اوپر سے کسی کو زمین پر لانے کے لئے بھی درست ہو۔

کفار تو سود۔ قمار۔ حرام کاری۔ جھوٹ فریب کے ذریعہ بھی کامیابی حاصل کر لیں تو بعید نہیں مگر مسلمانوں کے لئے یہ تدابیر باعث ہلاکت و بربادی ہیں۔

اللہ کی نعمتوں کو شکر کی ساتھ استعمال کرنا عین معرفت ہے

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کو ایک درویش کی یہ حکایت پہنچی کہ انکو اگر کبھی کوئی لذیذ کھانا ملتا ہے تو اس میں پانی وغیرہ ڈالکر بدمزہ کر کے کھاتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ وہ گستاخ ہیں کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔

(احقر جامع عرض کرتا ہے کہ یہ صورت اگر کسی مبتدی نے اپنے مصلح کے مشورہ سے بطور علاج کچھ دنوں کے لئے اختیار کی ہو تو وہ قابل ملامت نہیں)۔

حزن وغم کو تزکیہ باطن میں بڑا دخل ہے

حضرت نے فرمایا کہ حزن کی کیفیت تزکیہ باطن میں بہت زیادہ موثر ہے لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موثر صرف وہ حزن ہے جو آخرت سے متعلق ہو یا دنیا کی کسی مصیبت و تکلیف سے ہو تزکیہ باطن میں ایک خاص اثر رکھتا ہے۔

حضرت کا اپنا ایک شعر

فرمایا کہ اس شعر میں طریق کی پوری حقیقت کو بتلا دیا گیا ہے ۔

اندریں رہ انچہ می آید بدست ۔۔۔۔۔ حیرت اندر حیرت اندر حیرت ست

شکر اور ناشکری کی بنیاد

ارشاد فرمایا کہ ناشکری کی بنیاد ہے نظر بر مقصود و قطع از نظر از موجود اور شکر کی بنیاد ہے نظر بر موجود و قطع نظر از مفقود یعنی انسان کے دل میں ناشکری اس سے پیدا ہوتی ہے کہ آدمی اللہ کی موجودہ اور حاصل شدہ نعمتوں پر تو نظر نہ کرے اور جو چیز حاصل نہیں صرف اسکو دیکھتا رہے اسکے برخلاف جو شخص حاصل شدہ اور موجودہ نعمتوں پر تو ہر وقت نظر رکھتا ہے اور جو موجود و حاصل نہیں ان سے قطع نظر کرتا ہے تو فطری طور پر اسکے دل میں شکر کی کیفیت پیدا ہوگی۔ ایک حدیث میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کو رسول اللہ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ **جالس المساکین و قربیھم** یعنی مساکین کے ساتھ بیٹھو اور انکو اپنے قریب کرو۔ اسکی مصلحت بعض حضرات نے یہی بیان فرمائی ہے کہ انکی صحبت میں رہ کر اپنے پاس ان سے زیادہ سامان دیکھے گا تو اسکی قدر ہوگی اور شکر کی توفیق ہوگی۔

بیماری سے کراہنا صبر کے منافی نہیں

حضرت فاروق اعظمؓ کو دیکھا گیا کہ ایک مرض کی وجہ سے بے چین ہیں اور کراہ رہے ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ امیر المومنین کیا آپ بھی کراہتے ہیں یہ تو صبر کیخلاف ہے۔ فرمایا سبحان اللہ

حق تعالیٰ نے تو مجھے بیمار کیا میرا عجز ودرماندگی ظاہر کرنے کے لئے تو کیا میں اسکے مقابلے میں اپنی قوت وطاقت کا مظاہرہ کروں۔ حضرت نے فرمایا کہ بیشک عارفین کا یہی حال ہوتا ہے ؎

چونکہ برمیخت بہ بند بستہ باش — چوں کشاید چابک وبرجستہ باش

انتخابِ شیخ کا معیار

فرمایا کہ تصوف وسلوک کے لئے کسی شخص مربی کی ضرورت تو بدیہی ہے مگر اس کے انتخاب کے طریقہ اور معیار سے لوگ واقف نہیں جسکی وجہ سے راہ غلط ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ انتخاب شیخ کا معیار یہ ہونا چاہیے کہ

۱۔ وہ شخص احکام شرعیہ سے واقف ہو اگرچہ متبحر عالم نہ ہو۔

۲۔ فن سلوک کو جانتا ہو اگرچہ صاحب کشف وکرامات اور صاحب احوال نہ ہو۔

۳۔ کسی شیخ کامل کی خدمت میں معتد بہ مدت تک رہا ہو۔

۴۔ اس کی مجلس میں بیٹھنے کا یہ اثر عام ہو کر دنیا سے محبت میں کمی اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو اور گناہوں سے خوف اور طاعت سے رغبت پیدا ہو چاہے احوال و مواجید کبھی حاصل نہ ہوں۔

اگر شیخ کامل ہونے کے باوجود اسکی صحبت میں رہنے سے کوئی نفع محسوس نہ کرے تو سمجھنا چاہیے کہ مجھے ان سے مناسبت نہیں اس لئے انکو چھوڑ کر کسی دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرنا چاہیے مگر اسکی شان میں کبھی بے ادبی نہ کرے جیسے ایک طبیب یا ڈاکٹر کا علاج موافق نہ آوے تو دوسرے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے مگر کوئی سمجھدار آدمی پہلے طبیب یا ڈاکٹر کی توہین نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد کسی مانوس انسان کی شکل میں

ایک صاحب جو حضرت کے خدام میں سے ہیں اور تاجر ہیں یہ علی گڑھ کی نمائش میں کچھ سامان تجارت لے گئے وہاں اتفاقاً آگ لگ گئی۔ اسی حال میں انہوں نے بچشم خود مشاہدہ کیا کہ حضرت قدس سرہ تشریف لائے اور انکے سامان کا صندوق ایک طرف سے خود پکڑا دوسری طرف

سے انکو پکڑ لایا اور آگ سے نکال دیا۔ جب واقعہ انہوں نے حضرت سے بیان کیا تو فرمایا کہ اول تو یہ حکایت میرے دل کو نہیں لگی۔ اگر حکایت صحیح ہے تو اس میں میرا قطعاً کوئی دخل نہیں۔ بلکہ بعض اوقات حق تعالٰی کسی شخص کی امداد رجال الغیب سے کرا دیتے ہیں اور انکو کسی ایسی شکل میں بھیجتے ہیں جو اس شخص کے نزدیک مانوس ہو۔

اور فرمایا کہ سورہ یوسف کی آیت **لولا ان رای برھان** کی مشہور تفسیر جو یہ ہے کہ جس وقت زلیخا نے مکان کے سب دروازے بند کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی طرف بلایا تو مکان کے ایک گوشہ میں انکو حضرت یعقوب علیہ السلام نظر آئے۔ اسکی توجیہہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے یہ فرمائی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اگر وہاں اپنے علم و اختیار سے پہنچتے تو یوسف علیہ السلام کی طرف سے پریشان کیوں رہتے اور تلاش کا حکم دینے کی کیا ضرورت پیش آتی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لطیفہ غیبیہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شکل میں انکے سامنے آیا یعقوب علیہ السلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو خود پیش آیا کہ وہ کسی کام میں متردد تھے کہ اچانک اپنے دماغ میں حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ آواز آئی کہ اس طرح کرو۔ مولانا نے اسکے مطابق کیا اور برکت ہوئی مگر مولانا فرماتے تھے میں جانتا ہوں کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو اسکی خبر بھی نہیں۔ (ملفوظات ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ مسودہ سے صاف لکھا گیا۔ (یوم عاشوراء ۱۳۹۳ھ)

مشقت اعمال مقصودہ میں صرف زیادت ثواب کا سبب ہے

فرمایا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہر عمل میں جتنی مشقت زیادہ ہوگی اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا مگر میرے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اعمال مقصودہ میں تو یہ بات صحیح ہے جیسے نماز روزہ وضوء طہارت وغیرہ کہ سردی کے وقت یا تکلیف کی حالت میں وضوء کا ثواب زیادہ ہے۔ گرمی میں روزہ کا ثواب زیادہ ہے۔ نماز کے قیام وغیرہ میں مشقت اٹھانا موجب ثواب ہے مگر جو اعمال خود مقصود نہیں بلکہ ذرائع مقصود ہیں ان میں بلاوجہ زیادہ برداشت کرنے سے ثواب زیادہ نہیں

ہوتا۔ مثلاً وضوء کا پانی پاس موجود ہے اسکو چھوڑ کر تین میل دور سے پانی لاکر وضو کرے تو یہ زیادت ثواب کا سبب نہیں۔ آیت قرآن ماجعل علیکم فی الدین من حرج اورحدیث الدین یسر وغیرہ کو جاننے کے بعد بھی جو شخص مشقت کو جزء دین سمجھے تو ان نصوں کا مقابلہ ہے نعوذ باللہ منہ۔

ہر کام میں طریق مسنون اسلم ہے جس میں مشقت زیادہ نہیں

فرمایا کہ جتنے اعمال سنت میں معروف ہیں وہ اعمال شاقہ نہیں ان میں ایک بڑا فائدہ ہے کہ جو اعمال شاقہ کو برداشت کرتا ہے تو اس کو ثمرات عظیمہ کا انتظار طبعی طور پر ہوتا ہے اور وہ بعض اوقات اسکو محسوس نہیں ہوتے تو ناشکری کے کلمات زبان پر آنے لگتے ہیں اور اگر مختصر اعمال بطریق مسنون ادا کیے تو ہر وقت حق تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے اعمال کے مقابلہ میں زیادہ پاکر ہمیشہ شکر سے اسکا قلب معمور رہے گا۔

اللہ کی نعمتوں سے استغناء بڑی بے ادبی ہے

بعض ناواقف صوفی جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو استعمال کرنے سے کتراتے ہیں وہ کوئی اچھا کام نہیں۔ اور انسان اللہ کی کس کس نعمت سے استغناء کر سکتا ہے۔ کھانے پینے پہننے کی چیزوں میں کچھ کر لیا تو ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان بھی تو اسی کی دی ہوئی نعمتیں ہیں ان سے کیوں استغناء نہیں برتتے۔

شوق اور انس میں فرق جنت اور انس ہوگا شوق نہیں

فرمایا شوق اس کیفیت رغبت کا نام ہے جو کسی غیر حاصل مطلوب کے حاصل کرنے کے لئے ہو اور حاصل شدہ مطلوب سے لذت و راحت کا نام انس ہے۔ جنت میں چونکہ انسان کی ہر مراد اور ہر مطلوب اسکو حاصل ہوگا اس لئے وہاں شوق کسی چیز کا نہیں ہوگا کیونکہ شوق میں ایک گونہ کلفت ہے اور جنت میں کلفت کا نام نہیں۔ وہاں راحت ہی راحت اور لذت ہی لذت ہوگی۔

رہا یہ سوال کہ جنت کی سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ شانہ کی زیارت اور مشاہدہ ہے مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ مشاہدہ ذات وصفات کی کنہ اور حقیقت کا نہیں ہوگا۔ تو جس قسم کا مشاہدہ حاصل ہوگا۔ اس سے تو اہل جنت کا انس متعلق ہونا صحیح ہے لیکن جو درجہ مشاہدہ جمالِ حق کا اس کو وہاں حاصل ہوگا اس کا تو شوق ہونا چاہیے۔ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ شوق کا تعلق اس غیر حاصل مقصود سے ہوتا ہے جس کا حصول انسان کی قدرت میں ہو اور اس کو حصول توقع اور امید ہو اور جس چیز کا حصول انسان کی قدرت واستعداد سے خارج ہو اسکے ساتھ شوق کا تعلق نہیں ہوسکتا۔ جیسے دنیا میں کسی انسان کو آسمان کے اندر زندہ جانے اور پھر واپس آنے کا شوق نہیں ہوتا۔ جنت میں جس قسم کا مشاہدہ جمالِ حق انسان کی قدرت میں ہے وہ تو حاصل ہوجائے گا اور جو حاصل نہیں وہ اسکی استعداد وقدرت سے خارج ہوگا اس لئے شوق بھی نہیں ہوگا۔

فضول ولایعنی تحقیقات طالب حق کا کام نہیں

فرمایا کہ سالک اپنے ضروری مشاغل کو چھوڑ کر لایعنی اور فضول تحقیقات کے درپے ہو تو یہ اسکی علامت ہے کہ وہ طالب ہی نہیں جیسے کسی شخص کے سامنے کھانا لایا جاوے وہ کھانے میں مشغول ہونے کے بجائے یہ سوالات اور تحقیقات کرنے بیٹھ جائے کہ یہ چیزیں کس بازار سے خریدی گئیں کون لایا کس نے پکایا کس طرح پکایا کیا مسالے اس میں ڈالے۔ تو یہ علامت اس کی ہوگی کہ اسکو کھانے کی ضرورت اور بھوک نہیں ہے۔

علماء وصلحاء کا مالداروں سے مستغنی رہنا اعزاز دین ہے اگر ریاء بھی ہو تو ثواب سے خالی نہیں

ارشاد فرمایا کہ مالداروں سے علماء وصلحاء کا اظہار استغناء دین کی اہم ضرورت ہے اسکے نہ ہونے کے سبب عام لوگوں میں نہ علماء کی بات کا کوئی اثر رہتا ہے نہ وہ ان سے استفادہ کرسکتے ہیں کیونکہ اپنا محتاج سمجھتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی شخص کے دل میں اخلاص نہ ہو محض دکھلاوے اور ریاء

کے لئے مالداروں سے استغناء کا اظہار کرے وہ بھی فائدہ سے خالی نہیں کیونکہ ریاء کی وجہ سے اگر چہ اس کو اس عمل کا کو ثواب نہ ملے گا لیکن یہ عمل سبب اور ذریعہ ہوگا اعزاز دین کا اس کا ثواب اسکو پھر بھی ملے گا کیونکہ کسی عمل صالح کا تسبب اگر بلا نیت یا نیت فاسدہ سے بھی ہو تو تسبب کا ثواب ضائع نہیں ہوتا وہ پھر بھی ملتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ جس شخص نے کوئی درخت پھلدار لگایا اور پھر اسکا پھل جانوروں نے کھایا تو اسکا ثواب بھی درخت لگانے والے کو ملے گا حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ درخت لگانے کے وقت اسکی یہ نیت نہ تھی کہ جانور اسکا پھل کھائیں گے بلکہ اسکے خلاف کی نیت تھی کہ جانور پھل کھانے آئے گا تو یہ اس کو مار بھگائے گا۔ مگر چونکہ یہ شخص جانوروں کے فائدہ کا سبب بہر حال بن ہی گیا تو اسکو اسکا ثواب ملتا ہے اسی طرح ریاء کاری سے استغناء کرنے والے کو بھی اعزاز دین کا ثواب بطور تسبب کے ملیگا۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی ایک حکیمانہ وصیت

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ علماء، صوفیاء، طلباء سب کو یہ وصیت فرماتے تھے کہ جس کام میں لگے ہو وہ عبادت نماز دعاء کی ہو یا کتابوں کا مطالعہ یا درس تدریس یا وعظ و پند سب میں اسکا اہتمام رکھیں کہ اس کام کا جتنا شوق و رغبت دل میں ہے اسکو ختم تک نہ پہنچنے دیں بلکہ کچھ شوق و رغبت باقی ہو۔ اس وقت چھوڑ دیں۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ پھر از سر نو شوق رغبت جلد پیدا ہوگی اور کام زیادہ ہوگا اور اگر کام کو شوق رغبت پورا کرنے اور تھکنے کے بعد چھوڑا تو دوبارہ اس کام کی رغبت و ہمت بہت دیر کے بعد عود کرے گی۔ اس طرح کام میں نقصان آئیگا۔ جیسا اطبا کی متفقہ نصیحت یہ ہے کہ جب بھوک میں کھانا کھائے تو ابھی کچھ بھوک باقی ہو اس وقت کھانا چھوڑ دے کیونکہ ایسا کیا تو دوسرے وقت پھر جلد بھوک لگے گی اور اگر پہلے ہی وقت میں ڈٹ کر اتنا کھایا کہ بھوک پوری بھر گئی اور رغبت باقی نہ رہی تو دوسرے وقت بھوک عود نہ کریگی اور کیا بھی تو پوری بھوک نہ ہوگی۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اس وصیت کو ایک محسوس مثال سے اس طرح

ثابت فرمایا کہ بچوں کے کھیل کی چکٹی جس میں ڈور لپٹی ہوتی ہے اور بچے اس کو اس ڈور پر گھماتے پھراتے ہیں یہ چکٹی پھر اسی ڈور پر لوٹ کر انکی طرف آ جاتی ہے یہ سب کارروائی صرف اس صورت میں ہوتی ہے جبکہ اس کی ڈور کو پورا کھلنے سے پہلے لوٹا لیا جاوے ورنہ اگر پوری کھل گئی تو پھر اس کے چڑھانے میں بہت دیر لگتی ہے۔

مدارس عربیہ اسلامیہ میں معاشی فنون کی تعلیم پر حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کا ارشاد

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ زمانہ کے بعض عقلاء اور اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہم سے یہ کہتے ہیں کہ مدرسہ کی موجودہ تعلیم سے فارغ التحصیل طلباء کے معاش کا کوئی انتظام نہیں ہوتا اس لئے اس وقت تو یہ مدارس صرف ان لوگوں کے کام کے ہیں جو آخرت کے دیوانے اور اس پر سب کچھ قربان کرنے والے ہیں۔ اگر ان مدارس میں کچھ تعلیم انگریزی کی یا صنعت وحرفت کی بھی جاری کر دی جائے تو یہ تعلیم سب مسلمانوں کے لئے مفید ہو جائے۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا نے فرمایا کہ ہم سے جو کچھ ہوسکتا تھا کہ دین وآخرت کے طلبگاروں کے لئے انتظام کر دیں اور ہم نے کر دیا۔ اب جس خدا کے بندہ کو توفیق ہو وہ انکے معاش کا بھی انتظام کر دے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تجربہ شاہد ہے کہ جب نقد اور ادھار جمع ہوں تو ہر شخص نقد کو ترجیح دیتا ہے ادھار پر راضی نہیں ہوتا۔ اب سمجھ لیجئے کہ علم دینیہ اور تعلیم آخرت بمنزلہ ادھار کے ہے اور فنون دنیویہ بمنزلہ نقد کے۔ جب دونوں جمع ہونگے تو لوگوں کا میلان زیادہ نقد کی طرف ہوگا اور علوم دین وآخرت موخر بلکہ غیر مقصود بنکر رہ جائیں گے۔

حضرت نے فرمایا کہ سبحان اللہ کس قدر متین اور انجام بینی کا جواب ہے یہ محض اس نور ایمان کا اثر ہے جو بزرگوں کی صحبت سے حق تعالیٰ نے انکے قلوب میں ڈال دیا تھا ورنہ ان بزرگوں کو دنیا کا تجربہ زیادہ نہ تھا۔

متفرق انتظامی کام کاملین کی جمعیت خاطر کو برباد نہیں کر سکتے

ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ مدرسہ دیوبند میں ایک جلسہ ہونے والا تھا جس کے انتظام میں مدرسہ کا پورا عملہ لگا ہوا تھا۔ مگر میں نے مہتمم مدرسہ مولانا رفیع الدین صاحب کو دیکھا کہ نہایت اطمینان سے اپنے معمولات میں مشغول ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت پر اس وقتی انتظام اور اسکے متفرق معاملات کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا۔ جو عام لوگوں کی عادت کے خلاف ہے۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ نے فرمایا کہ یہ انتظام ہی کیا ہے اگر سلطنت کا انتظام ہمارے سپرد کر دیا جائے تو اس کو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اسی شان سے اطمینان کے ساتھ انجام دیں گے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حقیقی تصوف سنت رسول اللہ ﷺ کا اتباع ہے کہ سب تعلقات کے حقوق ادا کئے جائیں جیسا کہ صدیقہ عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب میں گھر تشریف فرما ہوتے تھے تو عام لوگوں کی طرح گھر کے کام کاج میں لگے رہتے تھے لیکن اذان کی آواز سنتے تو اس طرح سبکو چھوڑ کر اٹھ جاتے تھے کہ گویا آپ ہمیں پہنچانتے بھی نہیں۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے سپرد دنیا کی خلافت وسلطنت ہوئی تو اسکے کاموں کو انہوں نے جس اطمینان سے انجام دیا ہے وہ ساری دنیا جانتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ کاملین جن کا تعلق اور رابطہ حق تعالیٰ کے ساتھ مضبوط اور راسخ ہو جاتا ہے پھر دنیا کے ہزار انتظامات کا تفرق وتشتت بھی انکے اطمینان اور جمعیت خاطر کو برباد نہیں کر سکتا۔

(۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ)

یا محمدؐ یا رسولؐ کی نداء پر ایک ارشاد

فرمایا کہ میرا ایک وعظ حیدرآباد دکن میں ہوا بضمن گفتگو یہ مسئلہ آ گیا کہ یا محمدؐ یا رسولؐ وغیرہ الفاظ سے نداء کرنا کیسا ہے تو میں نے کہا کہ قرآن کریم سورہ حجرات میں صحابہ کرام کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ حیات ظاہری میں جب آپ ﷺ اپنے گھر میں موجود تھے اس وقت باہر سے آپ کو آواز نہ دیں کہ یہ بے ادبی ہے تو جو لوگ ہندوستان سے حضور کو

پکاریں یہ کیسے بے ادبی نہ ہوگی۔

ایک عجیب حکایت

ایک صاحب کشف بزرگ ایک بستی میں پہنچے۔ لوگوں نے بیان کیا کہ یہاں ایک صراحی ایسی ہے جس میں کسی موسم میں کسی وقت پانی ٹھنڈا نہیں ہوتا گرم ہی رہتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات ہے انہوں نے فرمایا کہ صراحی آج رات میرے پاس چھوڑ دو۔ لوگ صبح کو آئے تو صراحی انکے حوالے کر دی اور فرمایا کہ اب دیکھو اسکا پانی ٹھنڈا ہے یا نہیں۔ دیکھا گیا تو پانی ٹھنڈا تھا لوگوں نے سبب پوچھا فرمایا کہ یہ صراحی ایک مردہ کی مٹی سے بنی ہوئی تھی اور اس مردہ کو برزخ میں عذاب ہو رہا تھا۔ اسکے عذاب کا اثر اس صراحی کی مٹی میں تھا جب مجھے یہ منکشف ہوا تو میں نے اس مردہ کے لئے دعاء مغفرت کی حق تعالیٰ نے اسکی مغفرت فرما دی اور وہ عذاب کا اثر جاتا رہا۔

حضرت نے فرمایا کہ بعض اوقات برزخ کے آثار عذاب کو حق تعالیٰ کسی حکمت و مصلحت سے اس عالم میں بھی ظاہر فرما دیتے ہیں جیسا کہ اس واقعہ میں مصلحت یہ معلوم ہوئی کہ اس مردہ کو انکی دعا مغفرت سے فائدہ پہنچ گیا۔

تقلید و اجتہاد پر ایک حکیمانہ منصفانہ تقریر

فرمایا کہ ایک عالم غیر مقلد مگر غیر متعصب یہاں آئے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ تقلید کا مدار حسن ظن پر ہے۔ جس شخص کے متعلق یہ گمان غالب ہوتا ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں کوئی بات بے دلیل شرعی کے نہیں کہتے اسکا اتباع کر لیا جاتا ہے اگر چہ وہ کوئی دلیل بھی مسئلہ کی بیان نہ کرے۔ اسی کا نام تقلید ہے اور جس شخص کے متعلق یہ اعتقاد نہیں ہوتا وہ دلیل بھی بیان کرے تو شبہ رہتا ہے۔ دیکھئے حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں اور بعض رسائل مثلاً رسالہ مظالم میں محض احکام لکھتے ہیں کوئی دلیل نہیں لکھتے مگر غیر مقلد حضرات چونکہ انکے معتقد ہیں کہ وہ بے دلیل بات نہیں کرتے اس لیے ان کی بات کو مانتے ہیں تو حنفیہ کو بھی یہ حق ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے بیان کئے ہوئے مسائل پر باین اعتقاد عمل کر لیں کہ وہ کوئی بات بے دلیل نہیں فرمایا کرتے۔

پھر فرمایا کہ یہاں تک بات مساوات کی تھی کہ جس طرح غیر مقلد حضرات ابن تیمیہؒ کی بات بے دلیل بھی مان لیتے ہیں حنفیہ کو بھی یہی حق کیوں حاصل نہ ہو کہ وہ ابوحنیفہ کی بات بغیر دلیل کے محض حسن ظن کی بناء پر مان لیں۔ مگر اب میں آگے بڑھتا ہوں اور ایک اور مثال سے یہ واضح کرتا ہوں کہ ابن تیمیہؒ کے اجتہاد اور امام اعظم ابوحنیفہؒ بلکہ انکے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں میں جو مجتہد ہوئے ہیں انکے اجتہاد میں کیا فرق ہے۔ ابن تیمیہؒ نے کتاب مظالم میں لکھا ہے کہ اگر سلطان وقت کی طرف سے سے کوئی ظالمانہ ٹیکس اہل شہر کے ذمہ عائد کر دیا جائے تو اس سے اپنے آپ کو بچانا مطلقاً جائز نہیں بلکہ یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی خاص رقم مجموعی طور پر معین نہ ہو تو جائز ہے اور اگر کوئی خاص معین رقم پورے شہر سے وصول کرنا ہے تو اس صورت میں اپنے آپ کو اس سے بچانا جائز نہیں کیونکہ یہ بچ گیا تو اسکا حصہ بھی دوسرے مسلمانوں پر پڑ جائے گا وہ مزید ظلم میں مبتلا ہونگے اور یہ شخص اسکا سبب بنے گا۔

اسکے مقابلہ میں فقہاء حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس ظلم سے جو بچ سکتا ہے اسکو بچ جانا مطلقاً جائز ہے اور اس کے بچ جانے سے جو زائد رقم دوسرے مسلمانوں پر پڑے گی اس کا سبب تو بیشک یہ ہوا مگر مباشر اس عملی ظلم کا وہ سلطان یا اسکا نائب ہے نہ کہ یہ شخص اور مباشر مختار کے ہوتے ہوئے سبب کی طرف فعل کی نسبت نہیں ہوتی۔ اس لئے صورت مذکورہ میں اس مزید ظلم کا گناہ گار بھی وہی سلطان یا اسکا نائب ہے جسکے حکم سے یہ وصول کیا گیا ہے۔ اب انصاف سے بتلائیے کہ اجتہاد کس کا زیادہ بہتر ہے ان عالم صاحب نے صاف لفظوں میں اعتراف کیا کہ بیشک ابن تیمیہ اس درجہ کو نہیں پہنچے۔

اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے اجتہاد کی دلیل میں ایک حدیث سے پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے شہادت فی سبیل اللہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

وددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احی ثم اقتل ثم احی: میری یہ تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ اور پھر قتل کیا جاؤں۔

اس میں آنحضرت ﷺ اپنے مقتول ہونے کی دعاء کر رہے ہیں اور یہ جبھی ہوگا کہ کوئی آپ کا قاتل بنے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نبی کا قاتل اعلیٰ درجہ کا کافر اور جہنمی ہوگا تو گویا رسول اللہ ﷺ اپنی اس دعاء کی وجہ سے سبب ہوئے ایک شخص کے جہنمی ہونے کا۔ اگر اس کو گناہ کہا جاوے تو یہ عصمت کے خلاف ہے سوائے اس کے اور کیا جواب ہوسکتا ہے کہ سبب کی طرف نسبت فعل اس وقت ہوتی ہے جب کوئی فاعل مختار مباشرت عمل کرنے والا نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ہمیں ان سے نفرت ہے بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ ہم خود ایک غیر مقلد کے معتقد اور مقلد ہیں۔ کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا غیر مقلد ہونا یقینی ہے پھر فرمایا کہ مگر انکی تقلید بوجہ خود مجتہد عالم ماہر ہونے کے جائز تھی۔ اب جاہل لوگ یا معمولی عربی جاننے والے اپنے آپ کو ابوحنیفہ پر قیاس کر کے تقلید نہ کریں تو یہ ان کی غلطی ہے۔

طلب جاہ کی مذمت

ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ جاہ عندالخلق کی طلب تو مذموم و ناجائز ہے ہی جسکو سب جانتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جاہ عندالخالق کی طلب بھی مذموم ہے مثلاً یہ خواہش کرے کہ میں درویش مقبول ہو جاؤں کیونکہ جو لوگ اپنے کو درویش سمجھتے ہیں وہ حق تعالیٰ کے سامنے تکبر کرتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ آنحضرت ﷺ کی زیارت کا شوق ہے کوئی عمل بتا دیجئے۔ حضرتؒ نے فرمایا ماشاء اللہ آپ بڑا حوصلہ رکھتے ہیں کہ ہم تو گنبد خضراء کی زیارت کی بھی قابلیت نہیں رکھتے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ چیز ایسی ہے کہ اس پر طالبعلمانہ کلام کرو تو بہت سے شبہات ہیں لیکن جو چیز اسکا منشاء تھی یعنی کمال عبدیت وہ اہل دل ہی سمجھ سکتے ہیں نرا طالب کیا جانے ؎

ذوق وصال وشوق کنار آرزوئے کیست   مائیم وخذف بوسی آن آستان بلب

کشف کوئی کمال انسانی نہیں

فرمایا کہ کشف ایک ایسی چیز ہے کہ حیوانات کو بھی ہوتا ہے اور بعد مرنے کے کافروں کو بھی ہوگا تو یہ کوئی کمال انسانی نہیں اور فرمایا کہ اگر کمال ہو تو کمال خود مقصود انسانی نہیں بلکہ مقصود عبدیت ہے جو خود کمال کے منافی ہے۔

ترک لذات کو تقرب الی اللہ میں کوئی دخل نہیں

فرمایا کہ بعض بزرگوں نے ترک لذات کیا ہے مگر محض معالجہ کے طور پر تقرب الی اللہ میں اسکو اصلاً دخل نہیں۔ تقرب محض سنت رسول اللہ ﷺ کے اتباع سے پیدا ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے حالات معلوم ہیں کہ آپ بالقصد ترک لذات نہ فرماتے تھے۔

اور آج کل تو معالجہ کے طور پر بھی ترک لذات کرنا مناسب نہیں کیونکہ قویٰ بہت کمزور ہوگئے ہیں بلکہ آج کل تو اگر حلال مال بلا انہماک اور غلو فی الطلب کے مل جائے تو خوب کھانا چاہیے۔ البتہ پھر اس کا حق ادا کرے کہ غفلت میں نہ رہے۔ ذکر اللہ اور طاعات میں مشغول رہے۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:۔

ان اللہ یحب ان توتٰی رخصه کما یحب ان توتی عزائم۔ یعنی اللہ تعالیٰ یہ بھی پسند فرماتے ہیں کہ ان کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ اسکو پسند فرماتے ہیں کہ انکی مقرر کردہ عزیمتوں پر عمل ہو۔

اور فرمایا کہ تتبع رخص جسکو فقہاء علماء نے مذموم قرار دیا ہے وہ عام رخصتوں پر عمل نہیں بلکہ وہ رخصت جو نفس کی خواہش کے مطابق نصوص میں تاویل کر کے نکالی جائے۔ یہ سب بیان فرمانے کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جو رخصتوں پر عمل کی مصالح کا بیان کیا ہے اس سے مقصود اہل تشدد کا علاج ہے۔ اسکو بیان کرتے ہوئے یہ بھی ڈر لگتا ہے کہ نفس پروری کا بہانہ نہ مل جائے۔

حضرت کی تربیت واصلاح کا خاص رنگ

ایک صاحب جو پہلے کسی دوسرے شیخ کی تربیت میں تھے اور بہت شدید مجاہدات کی وجہ سے مثل مجنوں کے ہو گئے تھے۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے انکے حالات سننے کے بعدان کے لئے مناسب حال دستورالعمل تجویز فرمادیا۔ وہ ایک روز کہنے لگے کہ میرے لطائف پہلے تاروں کی طرح چمکتے تھے اب یہ بات نہیں رہی آپ انہیں چمکا دیجئے۔

حضرت نے فرمایا کہ ضابطہ کا جواب تو یہ ہے کہ میرے لطائف خودنہیں چمکتے میں تمھارے کیسے چمکا دوں پھر فرمایا اور حقیقت یہ ہے کہ یہی چیزیں اس طریق میں رہزنی ہے جنکو لوگوں نے اس طریق کا مقصود بنالیا ہے۔ ہاں اگر کوئی شیخ کامل کسی کے لئے یہ تجویز کرے تو میں اسکا انکار نہیں کرتا کہ یہ بھی مفید ہوسکتا ہے مگر جس شخص کے لئے اس کی مضرت ظاہر ہونے لگے۔ شیخ کامل کا فرض ہے کہ اسکو چھڑادے کیونکہ یہ چیزیں بھی حجاب ہیں مگر حجاب نورانی۔ اور حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے حجاب نورانی بہ نسبت حجاب ظلمانی کے اشد ہوتے ہیں کیونکہ حجاب ظلمانی میں میلان اور کشش ہوتی ہے لوگ معتقد ہونے لگتے ہیں جو اس کے لئے رہزن طریق بن جاتے ہیں۔

(۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے مکاشفات

ایک کشف جو بعینہ پورا ہوا۔ حضرتؒ کے مکاشفات اور پیش گوئیاں بہت معروف ہیں جو بالکل واضح طور پر صادق ہیں آپ کی عادت بھی مکاشفات کو چھپانے کی نہ تھی۔ انگریزی حکومت کے انقلاب کے متعلق آپ کی یہ پیش گوئی عرصہ دراز سے معروف ومشہور تھی (احقر جامع کے والد ماجد جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے شاگرد خاص تھے احقر نے ان سے بھی یہ پیش گوئی سنی تھی) کہ انگریزی حکومت ایسے موسم میں بدلے گی جب لوگ کچے آموں کی چٹنی کھاتے ہونگے اور انقلاب ایسا اچانک ہوگا جیسے کوئی صف لپیٹ دی لوگ رات کو ایک حکومت میں سوئیں گے اور صبح کو دوسری حکومت میں اٹھیں گے۔

حضرت مولانا کا یہ کشف اور پیشگوئی دیوبند میں بہت معروف و مشہور تھی مگر حالات اس کے بالکل برعکس یہ تھے کہ انگریزی حکومت کا شباب اور قوت ہر طرف نظر آتی تھی۔ ایک سال جب اپریل کے مہینہ میں صوبہ جاتی تقسیم اور ملکی وزارتوں کا قانون جدید پاس ہوا تو بہت سے لوگوں نے بطور تاویل کے اسکو حضرت کی پیش گوئی کا مصداق قرار دیا۔ مگر اگست ۱۹۴۷ء میں ہندو پاکستان کی تقسیم کے وقت اسکا صحیح مصداق بالکل ہو بہو ظاہر ہوا۔ کیونکہ اس انقلاب کی قطعی تجویز اپریل ۱۹۴۷ء میں اس وقت ہو چکی تھی جبکہ آم کے درختوں پر کچے آم آ رہے تھے پھر اسکی تکمیل ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی نصف شب بارہ بجے ہو کر پاکستان کی اسلامی سلطنت کا وجود عمل میں آیا۔ اور مسلمان جو بارہ بجے سو گئے تھے وہ انگریزی حکومت میں سوئے تھے اور صبح اسلامی حکومت میں اٹھے۔

ایسی ہی ایک پیشگوئی دیوبند میں وباء عام کے متعلق فرمائی تھی۔ مولانا کو مکشوف ہوا کہ دیوبند پر ایک وباء عظیم آنے والی ہے مگر یہ ایام رمضان کے تھے رمضان کی برکت سے وباء رکی ہوئی ہے رمضان کے بعد آنے والی ہے اور اسکا یہ علاج بھی مکشوف ہوا کہ لوگ اپنی ہر چیز میں سے صدقہ کریں۔ نقد میں سے نقد کھانے پینے کی چیزوں میں وہ اور پہننے استعمال کرنے کی چیزوں میں ان کا کوئی جز صدقہ کریں۔ ان بزرگوں کی شفقت امت پر عام ہوتی ہے۔ حضرت مولانا نے از روئے شفقت اسکا اعلان فرما دیا کہ سب لوگ صدقہ خیرات کا اس طرح اہتمام کریں مگر شامت اعمال سے دیوبند کے کسی رئیس نے مولانا کا یہ اعلان سنکر یہ کہدیا کہ ہاں مدرسہ میں کچھ چندہ کی ضرورت ہوئی ہوگی اس لئے یہ صدقہ کرنے کا فرمان جاری ہوا ہے۔ انکا یہ دل آزار کلمہ حضرت مولانا تک بھی پہنچ گیا۔ اس پر حضرت مولانا کو سخت رنج ہوا اور اسی رنج و ملال کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھا۔ غیر شعوری طور پر آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات بآواز بلند بار بار جاری ہوئے ''یعقوب اور یعقوب کا کنبہ اور سارا دیوبند'' بلند آواز سے یہ کلمات بار بار کہنے کی آواز حضرت حاجی عابد حسین صاحب نے سنی جو دیوبند کے مشہور بزرگ اور بانی دارالعلوم کے شریک اور اسی چھتہ کی مسجد میں مقیم تھے۔ جس میں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا قیام تھا۔ حاجی

صاحب گھبرا کر مولانا کے قریب پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت کیا فرما رہے ہیں رحم کیجئے۔ مولانا نے پوچھا کہ میں نے کیا کہا۔ حاجی صاحب نے وہ کلمات جو مولانا کی زبان سے سنے تھے بیان کئے تو فرمایا کہ اب تو نکل گیا اب تو ایسا ہی ہوگا چنانچہ رمضان ختم ہوتے ہی دیوبند بھر میں شدید ہیضہ کی وبا پھیلی۔ دیوبند میں کوئی گھر اس سے سالم نہ رہا اور مولانا کے فرمانے کے مطابق خود ان کے کنبہ میں سے چودہ آدمیوں کا انتقال ہوا اور خود حضرت مولانا کی بھی اس عرصہ میں وفات ہوئی۔

احقر جامع کہتا ہے کہ میرے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحب نے اس وباء کے آنے سے پہلے ایک خواب میں یہ دیکھا تھا کہ کچھ لوگ بہت ڈراؤنی شکل وصورت والے قصبہ کے لوگوں کو انکے گھروں سے نکالتے اور گھروں کو خالی کراتے ہوئے پھر رہے ہیں۔ والد مرحوم نے یہ خواب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ جس چیز کا خطرہ تھا وہ پہنچ گئی پھر جب مولانا خود مریض ہوکر نانوتہ اپنے وطن تشریف لیجانے لگے تو والد سے فرمایا کہ بھائی ہماری مٹی لیجارہی ہے اور یہی تم سے آخری ملاقات ہے اور کچھ لوگ نوناتہ پہنچ بھی جائیں گے آپ نہ پہنچ سکو گے۔

ٹھیک ایسا ہی ہوا جس وقت شدت علالت کی خبر دیوبند پہنچی تو بہت سے حضرات نانوتہ چلے گئے مگر والد صاحب اس وقت سخت مرض میں مبتلا تھے سفر نہ کر سکے۔

حضرت کی اپنے اساتذہ واکابر سے محبت وعقیدت

فرمایا کہ مجھے طبعی محبت تو مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے زیادہ ہے اور عقیدت حضرت مولانا گنگوہیؒ سے زیادہ ہے اور حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں حاضری کا زیادہ اتفاق نہیں ہوا۔ البتہ جب کبھی جانا ہوا تو بڑی شفقت فرماتے تھے۔

حضرت نانوتویؒ کا ایک ارشاد

فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت نانوتویؒ نے مجھ سے فرمایا کہ پڑھنے سے زیادہ گُننے کی کوشش کرنا چاہیے اور اس پر ایک حکایت نقل کی کہ ایک طالب علم کو پوری ہدایہ حفظ یاد تھی اور اسکے

دوسرے ساتھی کو حفظ نہ تھی۔ دیکھ کر مطالعہ کر لیتا تھا۔ ایک مسئلہ کی ضرورت پیش آئی تو اس دوسرے طالبعلم نے مسئلہ بتلا دیا۔

حافظ ہدایہ نے اس سے پوچھا کہ یہ مسئلہ کہاں لکھا ہے غیر حافظ نے کہا کہ ہدایہ میں ہے۔ حافظ ہدایہ نے انکار کیا کہ ہدایہ میں نہیں ہے دوسرے نے کہا کہ میں حافظ تو ہوں نہیں کتاب منگا دو تو میں نکالکر بتادوں گا۔ کتاب آئی انہوں نے مسئلہ نکالا جو صراحۃً مذکور نہ تھا مگر ہدایہ کی عبارت سے بلزوم بین مستفاد تھا یعنی عبارت کے مفہوم سے لازم آتا تھا اب تو حافظ ہدایہ نے کہا کہ بھائی ہدایہ حفظ تو ہمنے کی ہے مگر سمجھا تم نے ہے۔

حضرت مولانا مدنیؒ کے متعلق ایک خواب اور حضرت کا جواب

ایک بزرگ کے صاحبزادے نے ایک خواب دیکھا۔ جس میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے متعلق ایک ناگوار حالت ظاہر ہوتی ہے۔ لوگوں میں اسکا چرچا ہوا حضرت کے پاس بھی کسی نے خط میں لکھ بھیجا اور بعض لوگوں نے زبانی بھی تذکرہ کیا۔

حضرت نے فرمایا کہ اول تو ہمارے خواب ہی کیا اور خواب بھی ہو تو وہ کوئی حجت نہیں اور جس چیز کو شریعت نے حجت نہیں قرار دیا۔ ہم اسکو کسی شخص کے متعلق بدظنی کا ذریعہ بنادیں تو بڑی بے انصافی ہے۔ مسائل سیاسیہ میں حضرت کو مولانا مدنی کا طرز عمل پسند نہ تھا مگر خلاف اختلاف کی حدود ہمیشہ مستحضر تھیں اس لئے فرمایا کونوا قوامین اللہ شھداً بالقسط ولو علی انفسکم.

پھر فرمایا کہ یہ تو خواب کی باتیں ہیں جن میں کوئی حجت نہیں میں تو وہ واقعات اور حالات جنکا برا ہونا میرے نزدیک دلائل شرعیہ سے ثابت ہیں انکا تذکرہ کرنا بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ ایسے حالات کے تذکرہ میں اپنا حظ نفس اور دوسری جانب شماتت کا خطرہ پیش نظر رہتا ہے جس پر حدیث میں شدید وعید آئی ہے۔

لاتظھر الشماتۃ لاخیک فیرحمہ اللہ ویبتلیک. اپنے کسی بھائی کے عیب پر شماتت (خوشی کا اظہار) کرو کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ اس پر رحمت فرمادے اور تجھے اسی عیب میں

مبتلا کر دے۔

پھر فرمایا ہم دوسروں کے عیب وصواب کو کیا دیکھیں جبکہ اپنا ہی حال معلوم نہیں کہ انجام کیا ہونے والا ہے بہت ڈر لگتا ہے۔ حق تعالیٰ ہی اپنے فضل سے نجات عطا فرما دیں تو بیڑا پار ہو۔

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما　　　گہ خندہ زند دیوز ناپاکی ما

ایمان جو سلامت بہ لب گور بریم　　　احسنت بریں چستی و چالاکی ما

اللہ کی نعمتوں کی قدر شناسی ہر چھوٹی بڑی نعمتوں کی حفاظت

حضرتؒ کسی ادنیٰ سی مفید چیز کو ضائع نہ کرتے تھے۔ ڈاک میں آئے ہوئے سفید کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں اور ستلی کے ٹکڑوں کو بھی جمع کر لیتے ہیں کاغذ کے چھوٹے ٹکڑے تعویذات اور روزمرہ کی ضرورت کی پرچیاں لوگوں کے پاس بھیجنے میں کام آتی تھیں کچھ بڑے کاغذ ہوئے تو انہیں سی کر کاپی یادداشت وغیرہ لکھنے کی بنالی جاتی ہے۔

کل ایک ایسی ہی کاپی بنائی جس میں اوراق کچھ چھوٹے بڑے آگے پیچھے تھے اس وقت تو رکھدیا آج فرمایا کہ بار بار قلب میں تقاضا ہوتا تھا کہ ان اوراق کو کاٹ کر برابر کر دوں پھر میں اسکو دفع کرتا تھا کہ فضول کام ہے لیکن یہ تقاضا بار بار ہوتا ہی رہا یہاں تک کہ اٹھا کر اوراق کاٹ دیئے کیونکہ خوامخواہ قلب مشوش ہوتا تھا۔ پھر فرمایا کہ طبیعت کی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بے ڈھنگی چیز سے وحشت ہوتی ہے۔

ایک خواب اور تعبیر

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں ایک صاحب نے اپنا خواب بیان کیا کہ ہمارے فلاں بزرگ کو دیکھا کہ بالکل ننگے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ تجرد عن الدنیا (ترک دنیا) کی طرف اشارہ ہے پھر فرمایا کہ ایسے خواب عام مجلس میں بیان نہ کرنا چاہیے معلوم نہیں کہ سننے والوں نے کیا کیا سمجھا ہوگا۔

ایک صاحب نے اپنا خواب حضرت حاجی صاحب سے بیان کیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ

میں مسجد کے اندر پاخانہ کر رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم کوئی وظیفہ دنیاوی غرض سے مسجد میں بیٹھ کر پڑھتے ہو گے چنانچہ معلوم ہوا کہ واقعہ ایسا ہی تھا۔

ظالم حکام کے ساتھ عدل واعتدال کا معاملہ

فرمایا کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اس رنگ پر پایا ہے کہ ظالم حکام کے ساتھ بھی بے تمیزی اور تشدد سے پیش نہ آتے تھے بلکہ معمول یہ تھا کہ ۔

ناکسانے را کہ بنی بختیار — عاقلاں تسلیم کردند اختیار

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا کفار خصوصاً انگریزوں سے بغض معروف ومشہور تھا لیکن ایک مرتبہ مدرسہ میں ایک انگریزی کلکٹر نے اپنے آنے کی اطلاع بھیجی۔ مولانا نے اسکی حیثیت کے موافق انتظام فرمایا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے مولانا سے دریافت کیا کہ اگر وہ آیا تو آپ کیا کریں گے فرمایا کہ مدرسہ دکھلائیں گے حضرت نے پوچھا کہ اگر وہ مدرسہ کے معاملے میں کوئی مشورہ دے تو آپ کیا فرمائیں گے فرمایا کہ ہم کہہ دیں گے کہ اس میں ہم خود مختار نہیں بلکہ یہاں مدار ایک مجلس کی رائے پر ہے آپ کا مشورہ ہم اپنی مجلس میں پیش کر دیں گے سب نے قبول کر لیا تو عمل کریں گے ورنہ معزور ہیں۔ پھر پوچھا کہ اگر وہ کوئی چندہ دے تو کیا کیا جاوے گا؟ فرمایا کہ قبول کریں گے پھر بھنگیوں کی تنخواہوں میں خرچ کر دینگے۔

ایک مرتبہ مظفر نگر کا کلکٹر تھانہ بھون آیا تھا بلا اطلاع خانقاہ کے دروازے تک آیا جب حضرت کو اطلاع دی تو حضرت اٹھکر دروازہ پر تشریف لے گئے۔ کھڑے کھڑے بات کی مدرسہ کا مختصر حال پوچھا وہ بتلایا دیا حضرت نے ان سے فرمایا کہ اگر آپ بیٹھیں تو آپ کے لئے کرسی منگا دوں گا مگر اس نے کہا کہ اس وقت فرصت نہیں پھر دروازہ ہی سے واپس ہو گیا۔ اور واپسی پر اپنے ساتھ کے لوگوں سے کہا کہ واقعی بزرگ آدمی ہیں مجھ پر ان کی خاص ہیبت اور رعب طاری ہو گیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک ڈپٹی صاحب نے اطلاع بھیجی کہ ہم مدرسہ کا معائنہ کرنا چاہتے

ہیں حضرت نے انکی نشست کا انتظام کرسیوں پر مدرسہ سے باہر ایک مکان میں کر دیا اور انکی مہمانی کا بھی وہیں انتظام کیا اور خود قصبہ رامپور تشریف لے گئے۔ یہاں لوگوں سے فرمادیا کہ وہ آویں تو مہمان کے اکرام کا لحاظ رکھ کر مدرسہ کا معائنہ کرادیں کوئی بات خلاف تہذیب نہ ہو۔

مگر حضرت کا دل یہ چاہتا تھا کہ وہ نہ آویں اور دعاء بھی کی۔ خدا کی قدرت کہ عجیب قصہ پیش آیا کہ وہ ڈپٹی صاحب تھانہ بھون پہنچے اور مدرسہ تک بھی آئے دروازے پر کھڑے ہو کر کچھ سوچا اور پھر واپس چلد یئے۔

بدگوئی کرنے والوں کا علاج

فرمایا کہ میں نے تو اپنے دوستوں سے کہہ رکھا ہے کہ کوئی شخص تمھارے سامنے کوئی ناگوار بات کہے تو اتنا کہنے پر بس کرو کہ بھائی ہمارے سامنے نہ کہو۔ یوں آپ کو اختیار ہے۔ اس سے ناگواری کا اظہار بھی ہو جاوے گا اور بات بھی نہ بڑھے گی۔ ح (۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور فن موسیقی

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ابتداءعمر میں مدت تک سرکاری مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر رہے ہیں بہت عرصہ کے بعد علوم کا درس شروع فرمایا۔ مگر استعداد اور حافظہ ایسا تھا کہ مدت دراز تک شغل نہ رکھنے کے باوجود علوم فنون سب مستحضر تھے۔ جب علوم عربیہ کا درس شروع کیا تو اسکی محققانہ شان سب علماء کے نزدیک مسلم تھی۔

اسی ڈپٹی انسپکٹری کے زمانہ میں آپ کا تقرر اجمیر شریف میں ہو گیا وہاں ایک سرکاری عہدہ دار شریف آدمی فن موسیقی کے ماہر تھے اور مولانا کو فن کی حیثیت سے ہر فن کو سمجھنے کا ذوق تھا انہوں نے یہ فن مولانا کو بھی سکھا دیا اور مولانا کبھی کبھی اسکا شغل بھی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ بالا خانہ پر بیٹھے ہوئے اس میں مشغول تھے نیچے ایک مجذوب آ کر کھڑے ہو گئے جب کچھ آواز بلند ہوئی تو کہا کہ مولوی تُو اس کام کا نہیں تُو تو اور کام کے لئے ہے۔ یہ سنتے ہی مولانا پر ایک خاص حال طاری ہوا اور فوراً توبہ کی اور ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔ مگر چونکہ حق تعالیٰ نے ذہن کامل عطا فرمایا تھا۔ اس

فن میں بھی پوری مہارت ہوگئی تھی۔

احقر جامع کہتا ہے کہ میرے والد واجد کا بیان ہے کہ دیو بند میں ایک مرتبہ مولانا کے محلہ میں قوالی ہورہی تھی مولانا گھر سے مسجد کے لئے آرہے تھے کان میں آواز پڑی تو فرمایا کہ یہ قوال چال چوک گیا ہے پھر فرمایا کہ مگر واقف ہے۔درست کرنے کی فکر میں ہے پھر فرمایا کہ اب درست کرنا اسکے بس میں نہیں رہا۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو امتیاز سے نفرت تھی۔ یہ مذاق تھا کہ سب میں رلے ملے رہیں۔ایک روز فرمایا کہ کیا کہوں دو حرف علم کی وجہ سے شہرت ہوگئی ورنہ میں تو کسی اور ہی طرح زندگی گزارتا۔(یعنی گمنامی میں)۔حضرت مولانا نانوتویؒ نے ان کے متعلق فرمایا کہ ہر شخص میں کچھ نہ کچھ روگ ہوتا ہے جسکی اصلاح مجاہدات کے ذریعہ کی جاتی ہے مگر مولانا محمد یعقوب صاحبؒ خلقتاً بے روگ پیدا ہوئے ہیں مولانا کے ہمعصر لوگ کہتے تھے کہ مولانا بچپن ہی سے بالکل عفیف تھے۔ (۹ جمادی الاولی ۱۳۵۸ھ)

حضرت مولانا محمد قاسم و مولانا محمد یعقوبؒ

ریاست بھوپال میں نواب صدیق حسن خان صاحب نے ایک بڑے مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی اور چاہا کہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ کو اسکا مہتمم اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو صدر مدرس بنادیں۔مولانا نانوتویؒ کی تنخواہ تین سو روپیہ اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی تنخواہ یکصد ماہوار تجویز کرکے ان سے درخواست کی گئی۔دونوں میں سے کسی کا ارادہ یہاں جانے کا نہ ہوا۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے تو یہ جواب لکھ دیا کہ میں اس وقت مطبع مجتبائی میں تصحیح کی خدمت انجام دیتا ہوں جس پر مجھے دس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی ہے جو میری ضرورت سے زائد ہے۔پانچ روپے میں میرا مع اہل وعیال کے خرچ پورا ہوجاتا ہے باقی پانچ کی فکر رہتی ہے کہ انہیں کہاں خرچ کروں۔خدا تعالیٰ ان طالبعلموں کا بھلا کرے کہ یہ میرے اس فکر کی کفالت کر لیتے ہیں ان پر خرچ کر کے میں سبکدوش ہوجاتا ہوں۔آپ نے تین سو تنخواہ لکھی ہے اگر میں اسکو قبول کرلوں تو دو سو پچانوے کی

فکر میرے سر پڑے گی یہ میرے لئے بالکل ناقابل تحمل ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے یہ سنکر فرمایا کہ بات جو لکھنے کی تھی وہ تو آپ نے لکھدی اب میں کیا لکھوں؟ فرمایا کہ پھر میں یہ لکھتا ہوں کہ میں اس شرط سے آتا ہوں کہ تین سو ماہوار تنخواہ ہوگی۔ اور کوئی پابندی مجھ پر عائد نہ ہوگی۔ جب چاہوں گا میں اپنے وطن آجایا کروں گا۔ دونوں کی یہ تحریریں پہنچیں تو ان سے وہی سمجھا گیا جو لکھنے والوں کا مقصود تھا کہ یہ آنے کے لئے تیار نہیں۔ نواب صدیق حسن خان صاحب اہل حدیث میں سے تھے مگر مدرسہ کے لئے ان بزرگوں کو باوجود اختلاف مسلک کے دعوت دینا انکی حق شناسی فراخ حوصلگی کی اور ان حضرات کی مقبولیت کی علامت ہے۔

ارشاد

فرمایا کہ پھٹے پیوند زدہ کپڑے ٹوٹے جوتے میرے نزدیک ہرگز ذلت نہیں۔ ہاں ذلت یہ ہے کہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرے۔ خواہ ظاہراً یا باطناً کیونکہ بعض اوقات ظاہراً سوال نہیں کیا جاتا مگر دل میں سوال ہوتا ہے تو اسکا بھی اثر پڑتا ہے۔ حق تعالیٰ تو دلوں کے بھید اور اسرار پر مطلع ہیں وہ دلی سوال کا بھی وہی اثر مرتب فرمادیتے ہیں جو ظاہری سوال کا ہوتا ہے یعنی مخاطب کے نزدیک ذلت وخواری۔

۵ ربیع الثانی سے ۹ جمادی الاولی ۱۳۵۸ھ تک مجالس حکیم الامتہ کے اقتباسات اپنے حوصلہ اور فہم کے مطابق احقر نے جمع کئے تھے۔ اس زمانے میں ملک میں عنایت اللہ مشرقی کی ملحدانہ کتابوں کی وجہ سے بڑا انتشار پھیلا ہوا تھا اس لئے حضرت نے ارادہ فرمایا کہ انکی سب کتابیں انصاف کے ساتھ دیکھ کر ان کے بارہ میں کوئی فیصلہ کیا جائے اور مسلمانوں کو اس فتنہ سے آگاہ کیا جائے۔ یہ خدمت اس ناکارہ کے سپرد کی گئی۔ بحمد للہ ۱۸ جمادی الاولی تک ۹ دن میں اس موضوع پر تحقیق وتفتیش کے بعد ایک رسالہ مرتب ہو گیا جس کا نام حضرت نے یہ تجویز فرمایا۔ **الارشاد فی بعض احکام الالحاد** اسی زمانہ میں بحمد للہ یہ رسالہ شائع بھی ہو گیا۔

اس چالیس روزہ حاضری میں جو ملفوظات مجالس حکیم الامتہ احقر نے ضبط کئے تھے انکا کچھ

حصہ پہلے بھی البلاغ میں شائع ہو چکا ہے باقی یہاں یکجا کر دیئے گئے ہیں اور ۵۷ء کے بعد ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲ھ کے ملفوظات جو متفرق اوقات میں لکھے گئے وہ بھی پہلے درج ہو چکے ہیں۔ چونکہ ملفوظات میں تاریخی ترتیب کی کوئی خاص حاجت نہ تھی اس لئے ابتداء اشاعت کے وقت یہ ترتیب محفوظ نہ رہی۔ تاریخی اعتبار سے اشاعت میں تقدیم تاخیر ہوگئی تاہم بہت سے مواقع میں تاریخ کا اظہار کر دیا گیا ہے۔

احقر کے پاس جو ضبط شدہ ملفوظات حکیما لامتہ قدس سرہ کا مختصر سا ذخیرہ مسودات کی شکل میں تھا بحمد للہ اسکا ضروری انتخاب لے کر یہ مجموعہ آج پورا ہو گیا۔ جس سے اس مجلس مبارک کا دھندلا سا نقشہ کچھ سامنے آجاتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا نقشہ کھینچنا ہمارے بس کی بات نہیں ؎

دیکھا تھا بس ایک خواب سا معلوم نہیں کیا
اب تک اثر خواب ہے معلوم نہیں کیوں

